

شکریات

درندوں کا پجاری

PDFBOOKSFREE.PK

طاؤس خان

فہرست

5	حرف اول
7	درندوں کا پجاری
158	شکاری کا راز
170	راجیوا کا شیطان
184	جنگل کا محافظ آدم خور
194	مندر کا شیر
219	بوڑھی شیرنی
220	اسے پٹیل نے مارا

درندوں کا پجاری

پیرس کی رملین اور خنک شام کے ڈھلتے سائے میں وکٹوریہ کو الوداع کہتے ہوئے میں نے کہا تھا۔

"ہو سکے تو مجھے بھول جانا، میں اب واپس نہیں آسکوں گا"

میں خود اپنے لہجے کی سفاکی پر حیران تھا۔ میں کیوں ایک خوب رو اور ایثار پیشہ عورت کو الوداع کہہ کر ہند چینی کے ان جنگلوں کی جانب عازم سفر ہو رہا ہوں جس نے میرے حصول کی خاطر برسوں بھاگ دوڑ کی تھی۔ میرے فیصلے نے اسکے دل کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ شاید میں تھا ہی ایسا۔ اس کا اجلا اجلا چہرہ۔۔۔ تمازت خیز۔۔۔ نیلی آنکھیں کرب ناگہانی سے زرد سی ہو گئی تھیں۔ یہ میری بے وفائی بے مروتی کا احساس تھا جو اسے گھن کی طرح چاٹ رہا تھا۔ اس نے رحمدل لہجے میں مجھ سے گزارش کی تھی۔

"ولیم! خدا کے لئے رک جاؤ، ان تاریک جنگلوں میں تمہاری زندگی کی شام ہو جائے گی۔ یہ پیرس کی رنگ و نور سے مہکتی شامیں چھوڑ کر جنگل کی بدبودار اور تلخ زندگی میں کیوں جانا چاہتے ہو؟ اور پھر یہ بھی تو سوچو میرا کیا بنے گا؟"

میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑھ دیں۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ کوئی بھی ایسا احساس بیدار نہیں ہو رہا تھا جو موم بن کر اس کے سلگتے ارمانوں کے آگے بہہ جاتا۔ اس کی آنکھوں میں کبھی میں اپنی زندگی تلاش کرتا تھا، اس کی پلکوں سے گرنے والی ایک ایک بوند کو اپنی ہتھیلیوں کے کٹورے میں لے کر گھنٹوں دیکھتا رہتا اور اس کو ہر نایاب کی طرح مٹھی میں بند رکھتا حتیٰ کہ اس کی آنکھوں سے بہنے والا وہ قطرہ میری ہتھیلی کے مساموں میں جذب ہو جاتا۔ اس کی آبدار یا قوتی مسکراہٹ خوشگوار موسموں کی طرح قیمتی تھی مگر اس روز مجھ پر اسکے التفات و کرم کے سارے فنونِ رایگاں ہو گئے کیونکہ میں تو اس پتھر ملی اور بنجر زمین کی مانند تھا جس پر بارش برسوں برستی رہے تو بھی فصل امید پیدا نہیں ہوتی۔

ہند چینی کے موئی قبیلے میں بے حد عزت و احترام حاصل تھا میرے باپ نے وہاں ایک فارم بنایا تھا جس میں سینکڑوں مویشی پالے ہوئے تھے۔ مجھے پہلی بار پیرس سے نکالا بھی میرے باپ نے ہی تھا اور مجھے "موئی" میں لاکران مویشیوں کی حفاظت پر مامور کر دیا تھا۔ موئی میرے لئے قابل احترام قبیلہ تھا۔

تہذیب و تمدن کی حدوں سے پرے ہند چینی کی نیم برہنہ "موئی" میری یادوں کا محور ہیں۔ میں ان کے درمیان کالی، بھیانک لیکن پرسکون راتیں بسر کر چکا ہوں۔

ان وفادار دوستوں کے سانسوں کی حدت میرے تخیل سے زہن کو اب بھی گرمادیتی ہے۔ ہندی چینی کے گھنے جنگلوں کے پس منظر میں کھیلا جانے والا فطرت کا عظیم ڈرامہ میری نظروں کے سامنے ہے۔ تاروں بھرے آسمان کے نیچے ایک وسیع و عریض سٹیج پر جنگل کے پراسرار باسی سرگوشیاں کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ شیروں کی پرہول گرج کانوں میں گونجتی ہے اور جھاڑیوں میں دبکے ہوئے چوپائے سرا سمیگی کا ایک عجیب سا احساس دلاتے ہیں۔ درحقیقت میری زندگی کے یہی قابل رشک دن ہیں جب میں نے جنگلوں میں گھوم پھر کر قدرت کے اسرار و رموز کو سمجھا اور خود اس کا ایک حصہ بن کر نوجوانی کے یہ مسرت بخش، کیف پرور اور پر جوش لمحات اس بڑھاپے میں میرا جیون سہارا تھے ہیں۔

ہند چینی کے میلوں تک پھیلے ہوئے جنگلوں میں شیر، ہاتھی، سانہیر، جنگلی بھینسے، چیتے ہرن اور دوسرے جانوروں کی اتنی بہتات ہے کہ شکاری شیش و پنج میں پڑ جاتا ہے، کس کو اپنی بندوق کا لقمہ بنائے اور کس کو چھوڑ دے، لیکن جو چیز میری دلچسپیوں کا زیادہ مرکز بنی وہ شیر تھا۔

شیر کے ساتھ میری اولین مد بھینٹ 17 برس کی عمر میں ہوئی۔ اس زمانے میں سینکڑوں مویشی کی رکھوالی کا کام میرے سپرد تھا۔ میں اپنے اس گلے کے ساتھ ایسے علاقے میں تھا جہاں ہر وقت شیروں کا کھانکا لگا رہتا تھا۔ لاکھ احتیاط اور چوکسی کے باوجود آٹھ دس دن میں میرا کوئی نہ کوئی مویشی شیر کا نوالہ بن جاتا۔ نوجوانی کے دن تھے۔ مشکل کے وقت صرف اپنے مضبوط توانا بازوؤں پر ہی انحصار کر سکتا تھا۔ دیگر ہر لحاظ سے میں غیر تربیت یافتہ تھا۔ شیر میرا نقصان کرتے رہے، میرے دل میں ان کے خلاف نفرت پیدا نہ ہوئی۔ اس کے برعکس میرے اندر اس مخلوق تک رسائی حاصل کرنے کی خواہش بڑھتی چلی گئی آخر سب کچھ چھوڑ چھاڑ

آج میری زندگی کا سورج ڈھل رہا ہے اور میں ہند چینی کے ان جنگلوں میں ایک بوسیدہ حال جھوپڑے میں بیٹھا ہوا کسی کا منتظر ہوں تو مجھے وکٹوریہ سے الوداعی لمحوں کے مناظر شدت سے یاد آ رہے ہیں۔ وکٹوریہ بچکیوں کی گٹھڑی میں بند ہو گئی تھی اور اس نے ہلکتے ہوئے الوداع کیا تھا۔

آہ!۔۔۔ میں نے اس معصوم پر کتنا ظلم کیا تھا اور پیرس کی خنک معطر اور رنگین شاموں سے منہ موڑ کر جنگل کی دنیا کے مہیب اور دلہلی علاقوں میں نکل گیا تھا۔ میری اس درد ناک کہانی کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں۔ جنہوں نے کبھی جنگل کی دنیا میں لذت اور راحت محسوس کی ہو، جنہوں نے درندوں کے درمیان بسیرا کیا ہو اور شب و روز ان سے ہی اپنے سکھ شیر کئے ہوں۔ میں انسانوں سے کبھی مایوس نہیں رہا مگر درندوں سے میری محبت اور توجہ بھی کم نہیں تھی۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ جس طرح ہر انسان کے اندر کسی ایک جانور کی جبلت پوشیدہ ہوتی ہے اسی طرح میرے اندر بھی کوئی ایسا جانور ہوگا جو وجود خاکی پر غالب آ جاتا ہے۔ شہر کی رونقوں میں اس کا جی گھبرانے لگتا ہے اور وہ جنگلوں میں نکل جاتا ہے۔

شکاریوں کے اندر کے جانور تو عموماً ان پر غالب رہتے ہیں۔ میں بھی انہی شکاریوں میں سے ایک ہوں جن کے اندر کا جانور اسے بہت تنگ کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اسے جنگل میں لا کر چھوڑ دیا جائے۔ میں کبھی کبھی تو اپنے اندر کے جانور کو قابو کر لیتا ہوں مگر اکثر اوقات میں اس سے مات کھا جاتا تھا۔ میں نے زندگی کے تیس برس جنگلوں میں شکار کھیلتے گزارے تھے اس لئے میرے باطنی حیوان کو جنگل کی چاٹ لگ گئی تھی۔ وکٹوریہ کو الوداع کہہ کر ہند چینی کے جنگلوں میں آنے پر مجھے اسی باطنی حیوان نے مجبور کیا تھا۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ سرگزشت پڑھنے والوں کو سب سے پہلے ہند چینی کی اس مہیب دنیا کے بارے میں آگاہ کروں جہاں میری زندگی کی شام ڈھل رہی ہے۔ میں دس سال سے یہاں مقیم ہوں۔ مجھے عرصہ ہوا تہذیب و تمدن کی دنیا سے نکلے ہوئے اس لئے میں آپ سے پیشگی معذرت چاہتا ہوں کہ میری داستان کے آغاز میں خیالات مبہم بھی لگیں تو درگزر کیجئے گا۔ کیونکہ میں ایک شکاری ہوں لکھاری نہیں۔ مجھے لفظوں سے کھیلنا نہیں آتا۔ میں تو ساری عمر گولیوں، نیزوں اور خنجروں سے کھیلتا رہا ہوں مجھے یہ شوق ورثے میں ملا تھا۔ میرے والد کو

کر میں نے اپنی زندگی شیر کے طور اطور اور عادات و خصائل کے مطالعہ کرنے کے لئے وقف کر دی۔

ہند چینی کے وسیع جنگل اپنے دامن میں شکار کے سنہری مواقع رکھتے ہیں۔ ڈاڈ اور بانگ لانگ کے دیو قامت درخت، خاردار جھاڑیاں، بانس کے جھنڈ، جاجا دلہلیس، کھاڑیاں، اونچے اونچے ٹیلے جانوروں کو بہترین پناہ گاہ ہیں مہیا کرتے ہیں۔ شیر اس دنیا کا بادشاہ ہے۔ یہاں اسے قدرتی شکار عام مل جاتا ہے۔ خشک موسم میں بانسوں کے جھنڈ، گھاس پھوس اور دیگر جھاڑیاں کسی شکاری یا مقامی باشندے کی غفلت سے آگ پکڑ لیتی ہیں۔ آنا فانا جنگل اس خوفناک آگ کی پلیٹ میں آ جاتا ہے۔ تاحد نظر ویرانی اور راکھ کے ڈھیر نظر آتے ہیں تمام جانور کسی نزدیکی جنگل کی طرف نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ لیکن شیر کو کچھ زیادہ مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ خدا داد قوتوں کی بناء پر وہ وہیں کہیں اپنی بھوک مٹانے کا انتظام کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ جنگل ایک بار پھر سے ہرا ہوا جاتا ہے اور چاروں طرف سبزہ لہلہا نے لگتا ہے۔

گھنے جنگل ہوں یا وسیع صحرائی علاقے، شیر ہر جگہ ماحول سے مطابقت پیدا کر لیتا ہے۔ گاہے بگاہے شکار کے طریقے بدلتا رہتا ہے وہ جنگل کے ایسے حصوں کو اپنا مسکن بناتا ہے جہاں پانی دستیاب ہو۔ یہ حصے نسبتاً زیادہ گھنے اور تاریک ہوتے ہیں۔ سورج کی کرنیں شاذ و نادر ہی زمین کو چھوتی ہیں یہاں قد آور جنگلی گھاس اور جھاڑیاں بکثرت ہوتی ہیں۔ ان میں شیر کو گھات لگانے میں آسانی رہتی ہے وہ اپنے وجود کا احساس دلانے بغیر گھنٹوں شکار کا انتظار کر سکتا ہے یا ریٹنگتا ہوا کسی جانور پر جھپٹ سکتا ہے۔ اپنے شکار کو زیادہ سے زیادہ الجھی ہوئی اور دشوار گزار جھاڑیوں میں کھینچ لے جاتا ہے۔ تاکہ دوسرے جانوروں کی لچائی ہوئی نظروں سے محفوظ ہو سکے۔ جب تک پہلے شکار کو ختم نہیں کر لیتا دوسرا شکار نہیں کرتا، کم از کم میرا تجربہ تو یہی کہتا ہے۔

کوہن کے قرب جوار میں ایک ایسا ہی جنگل مجھے یاد ہے یہاں میں نے مختصر مدت میں چھ شیروں کو مار گرایا۔ ان میں ایک جوڑا بھی شامل تھا۔ وہ بڑے اطمینان سے ایک مردہ سانڈ کو کھا رہے تھے میں سمجھتا ہوں میں نے بے جا مداخلت کی۔ لیکن اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ان سے میرا چانک سامنا ہو گیا۔ پہلی گولی سے شیر اپنی جگہ ہی پر ڈھیر ہو گیا۔ دوسری بو جھاڑ

میں شیرنی اپنے پچھلے بنوں پر سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ایک لمحے کے لئے لڑکھرائی اور پھر تورا کر گر پڑی۔ میرے اور اس کے درمیان صرف پانچ گز کا فاصلہ تھا۔

آپ تصور کر سکتے ہیں، اتنے مختصر فاصلے سے کس قدر مہلک زخم آ سکتا ہے۔ شیرنی شدت کرب سے چلائی۔ ان کی خوفناک دھاڑ سے جنگل گونج اٹھا میں اسے تڑپتا چھوڑ کر بوجھل قدموں کے ساتھ وہاں سے چل پڑا۔ وہ جلد ہی ٹھنڈی ہو گئی۔ کیونکہ اس کی چیخیں آنا بند ہو گئیں۔ ہند چینی میں رائل ٹائیگر کے علاوہ "دلہلی شیر" کا ذکر بھی سننے میں آتا ہے۔ مرطوب آب و ہوا اور جاجا دلہلی کھاڑیوں کے علاقے اس کا مسکن رہے ہیں۔ زیادہ تر مغربی ہند چینی میں پایا جاتا ہے۔ اس شیر کی یاد اب سہانے ماضی کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ گئی ہے۔ چادلوں کی وسیع پیانے پر کاشت کی وجہ سے اس کو دوسرے علاقوں میں دھکیل دیا گیا ہے۔ آج کل وسطی ویتنام میں کہیں کہیں مل جاتا ہے۔ بڑے بوڑھوں کا کہنا ہے دلہلی شیر پیراک اور مچھلیوں کے شکار کا دلدادہ تھا۔

شیر کی جسمانی ساخت کے متعلق بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ شیر کے بارے میں شکاریوں کا عام خیال ہے کہ وہ بڑی اونچی چھلانگ لگا سکتا ہے شیر کی خالہ بلی کو دیکھ کر شروع شروع میں میرا تصور بھی یہی تھا لیکن بعد ازاں مجھے اپنی اس رائے سے دستبردار ہونا پڑا۔ میرا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ شیر جتنی لمبی چھلانگ لگاتا ہے اتنی اونچی چھلانگ نہیں لگا سکتا۔ دو مختلف مواقع پر میں نے اپنی نشست زمین سے تقریباً نو فٹ اونچی درخت کے تنے پر بنائی۔ دونوں مرتبہ زخمی شیر نے اچھل اچھل کر مجھے جھپٹنے کی دیوانہ وار کوشش کی لیکن مجھ تک پہنچنے میں ناکام رہا۔

یہ بات کہ شیر اونچی چھلانگ لگانے کی صلاحیت نہیں رکھتا، میرے ذاتی تجربے پر مبنی نہیں ہے۔ اس علاقے میں جہاں کہیں سیاحوں کے لئے اقامت گاہیں وغیرہ تعمیر کی گئی ہیں ان کے ارد گرد لکڑی کی باڑ لگی ہوئی ہے ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ کبھی کوئی شیر اس حفاظتی باڑ کو پچاند کر اندر داخل ہوا ہو۔

اس کے برعکس شیر 16 سے 20 فٹ چوڑی ندی کو ایک جست میں چھلانگ لگا سکتا ہے اپنے شکار پر وہ تیس فٹ تک بھی چھپ سکتا ہے۔ کسی اونچے مقام یا پہاڑی پر سے جست

لگاتے ہوئے وہ تیس فٹ سے بھی زیادہ فاصلہ طے کر سکتا ہے۔ میں نے خود ان فاصلوں کی پیمائش کی ہے۔

شیر قد و قامت اور ڈیل ڈول کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ ایک عام نوجوان شیر سے چھ ساڑھے چھ فٹ لمبا، تین ساڑھے تین فٹ بلند اور پانچ چھ سو پاؤنڈ کے درمیانی وزن کا بھاری بھر کم اور بلند قامت ہوتا ہے۔

ایک مرتبہ ایسے ہی ایک غیر معمولی شیر سے میرا سامنا ہوا۔ وہ تقریباً تین فٹ سات انچ اونچا، چھ فٹ دو انچ لمبا، 570 پونڈ وزنی تھا۔ اس کی دم چار فٹ چار انچ لمبی تھی۔ اتنی لمبی دم کسی شیر کی شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔ یہ شیر نہ تو انسانی گوشت کا شوقین تھا اور نہ چھوٹے موٹے شکار ہی کو منہ لگاتا۔ صرف جنگلی بھینسوں، سانڈوں اور سانہروں کا شکار کرتا۔ برے دن جو آئے تو ایک روز ایک پالتو بھینس کو لے کر بھاگا۔ میں نے کچھ موٹی ساتھ لئے اور اس کا تعاقب کیا۔ تھوڑی دور جا کر بھینس مردہ پڑی ہوئی مل گئی لیکن شیر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ میں نے ایک سرکردہ شخص کو اپنے ساتھ لیا اور باقی تمام لوگوں کو واپس بھیج دیا۔

اب ہم مردہ بھینسے سے کچھ فاصلے پر ایک جھاڑی میں دبک کر بیٹھ گئے۔ میرا ساتھی کچھ سہما سہما تھا۔ جو شیر دن دہاڑے قبیلہ پر حملہ کرنے کی جرات کر سکتا تھا، ہمیں کب زندہ چھوڑتا۔ شاید یہی خیال اسے خوفزدہ کر رہا تھا۔ ہمیں زیادہ دیر تک انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑی۔ شیر دبے پاؤں ایک طرف جھاڑیوں سے برا آمد ہوا اور بھینس کی طرف بڑھا۔

میں نے بڑی احتیاط سے گولی چلا دی لیکن اس کو گزند نہ آئی۔ رائفل کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ گولی اس کی نالی میں پھنس گئی ہے۔

شیر کھڑکاسن کر چونکا، ناک سکیڑ کر خطرے کی بوسوگی اور سر اوپر اٹھایا، ادھر ادھر دیکھا اور پھر جیسے مطمئن ہو کر بھینس کو چیرنے پھاڑنے میں مصروف ہو گیا۔ میں نے رائفل کی نالی صاف کی گولی دوسری مرتبہ بھری اور نشانہ باندھتے ہوئے داغ دی۔ صرف رائفل چلنے کی آواز آئی اور شیر زمین پر گر پڑا۔ گولی ٹھیک اس کے دل پر لگی اور وہ کوئی آواز نہ لے بغیر ختم ہو گیا۔

قبیلہ والوں نے انتہائی سردمہری کا ثبوت دیا۔ بجائے خوشی سے ناچنے کے ان کے چہرے لٹک گئے۔ یہ لوگ دراصل جنگل کی روح کی پرستش کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ

روح ان کی حفاظت و نگہبانی کرتی ہے۔ اسے کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہیئے۔ ان کے تصور کے مطابق غالباً یہی بحیم و شیم شیر ان کی محافظ روح تھا۔ وہ منہ بسورتے ہوئے گاؤں پہنچے اور اگلے روز اپنے روحانی پیشوا موگاٹا کے کہنے پر تازی گائے قربان کی تاکہ روح کی ناراضگی سے بچ سکیں۔

ہندو چینی کے ان جنگلوں میں میرے زندگی کو پیش آنے والے خوفناک واقعات کی ابتدا بھی اسی ایک واقعہ سے ہوگئی اور میرے شب و روز اذیت بن کر رہ گئے۔ داستان آگے بڑھانے سے قبل میں آپ کو شیر کے بارے میں کچھ باتیں بتا دوں۔

شیر کی کھال کی رنگت ابتداء میں زری مائل ہوتی ہے۔ پھر یہ بتدریج یہ نارنجی رنگ میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تھکاوٹ یا بڑھاپے کے عالم میں شیر کا رنگ بھورا ہو جاتا ہے۔ کھال پر کالی دھاریاں بعض شیروں میں زیادہ اور بعض میں کم ہوتی ہیں۔ ان دھاریوں کے تناسب سے شیر کی مختلف اقسام کا تعین کرتے ہیں۔ شیر کی کھال سے ایک ماہر نہایت عمدہ کپل یا مندا تیار کر سکتا ہے۔ قدرت نے شیر کو ایک خاص خوبی عطا کی ہے۔ اس کا رنگ خواہ کیسا ہی ہو، ماحول کی مناسبت سے اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔ اس طرح کسی بھی قدرتی پس منظر میں شکاری کی تیز اور باریک بین نگاہ سے بچ نکلتا ہے۔ اپنی اس خوبی کی بنا پر وہ بڑے بڑے شکاریوں کو جل دے جاتا ہے۔ دشوار گزار اور گھنی جھاڑیوں میں تو اسے یہ آسانی میسر ہی ہے۔ بالکل خشک گھاس پھوس اور پتوں کے درمیان وہ بڑی عیاری سے چھپ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میں اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ عرض کرتا ہوں۔

ایک بار سٹوئی لوس کے قصبے کا ایک باشندہ بھاگم بھاگ میرے پاس کمپ میں پہنچا۔ اس نے بتایا کہ قصبے کے میئر کا گھوڑا شیر لے گیا ہے۔ بسرعت تمام مذکورہ قصبے میں پہنچا۔ پہلے تو میں نے رسی طور پر اظہارِ افسوس کیا اور پھر وقت ضائع کئے بغیر ایک شخص کو ساتھ لیکر شیر کی تلاش کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ شیر گھوڑے کو گھسیٹ کر لے گیا تھا۔ اور زمین پر نشانات صاف دکھائی دے رہے تھے۔ لیکن قصبے کا کوئی شخص اس کا پیچھا کرنے کی جرات نہ کر سکا۔ کچھ دور ہی جا کر مکئی کا ایک کھیت آیا جہاں الگ کئے جا چکے تھے۔ اور صرف خشک ڈنھل ٹوٹے پھوٹے کھڑے تھے۔ بھٹوں کی چھال بھی جا بجا بکھری پڑی تھی۔ کھیت کے دوسرے سرے پر گھوڑے کی لاش پڑی تھی۔ کھیت سے

سکتا ہے۔ وہ میری نظروں سے اوجھل نہ ہوا تھا، بلکہ مکئی کی چھال اور خشک پتوں میں اس نے اپنے آپ کو کیونچلایا کر لیا تھا۔

دن کا اجالا ہو یا رات کی تاریکی، شیر کو ہر حالت میں اپنی بینائی پر کامل بھروسہ ہوتا ہے۔ تاہم دن کی نسبت رات کو اس کی نظر زیادہ کام کرتی ہے۔ گو تیز روشنی سے سخت جھنجھلاتا ہے لیکن الو کی طرح آنکھیں بند کر کے بالکل اندھا نہیں ہو جاتا۔ قدرت نے اسے قوت سماعت بھی خوب دی ہے۔ ذرا سی آہٹ پر چونکا ہوا جاتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے شکاری گھنٹوں ایک ہی جگہ شیر کے منتظر رہتے ہیں۔ وہ یہی سمجھتے ہیں شیر یہیں کہیں ہوگا۔ حالانکہ وہ ان کے قدموں کی ہلکی چاپ یا سرگوشی سن کر وہاں سے کھسک چکا ہوتا ہے۔

شیر کی قوت شامہ بھی کچھ کم نہیں لیکن اس کے نتھننے زیادہ تر گلے سڑے، بدبودار گوشت کو سونگھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ اس طرح بہت سی دوسری چیزوں سے غافل ہو جاتا ہے۔

1971ء کا واقعہ ہے کہ ایک جوان شیر نے موسیوں کے گلے پر حملہ کر کے ایک گائے کو ہلاک کر دیا۔ چرواہوں کے شور مچانے پر وہ اسے اٹھا کر لے جانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ دیہاتی متواتر دو دن تک غل غپاڑہ کرتے رہے۔ جس کی وجہ سے شیر اپنے شکار کو کھانے نہ آیا۔ حادثے کے تین دن بعد میں وہاں پہنچا، اس اثناء میں مردہ گائے سے بری طرح سراٹھا ٹھننے لگی تھی اور سانس لینا بھی محال ہو رہا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر خاموشی سے شیر کا انتظار کیا جائے تو وہ اپنا شکار کھانے ضرور آئے گا۔ چنانچہ میں نے لوگوں سے کہا کہ وہ چپ چاپ رہیں اور خود زرافا صلی پر ایک درخت کی شاخوں میں چھپ کا بیٹھ گیا۔

بدبو کی وجہ سے میرا برا حال ہو رہا تھا اور کلیجہ منہ کو آ رہا تھا۔ کبھی سونگھ لیتا اور کبھی ناک بند کر لیتا۔ کافی انتظار کے بعد شیر ایک طرف سے آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ چند قدم چلتا اور پھر سونگھنے لگ جاتا۔ اس کے تھے شوشوں شوشوں کر رہے تھے۔ وہ میرے قریب سے گزرا میں دم سادھے دبکا بیٹھا رہا۔ اسے میری موجودگی کا احساس تک نہ ہوسکا۔ اس کی تمام تر توجہ اپنے "لذیذ، شاہی دسترخوان" پر مرکوز تھی جس کی بونے اسے بدست کر کے باقی ہر چیز سے غافل کر دیا تھا۔

پرے جنگل تھا۔ موسم خشک ہونے کی وجہ سے درخت ٹنڈ منڈ سے دکھائی دیتے تھے اور گھاس بھی زرد ہو چکی تھی۔ ہم نے ادھر ادھر کوئی مناسب جگہ تلاش کی تاکہ وہاں چھپ کر شیر کی نگرانی کر سکیں۔ مجھے امید تھی کہ شیر یہیں کہیں ہوگا اور اپنا شکار کھانے کے لئے ضرور آئے گا۔ مکئی کے کھیت کے درمیان بھوسہ وغیرہ رکھنے کے لئے بانسوں کی ایک خستہ سی جھگی کھڑی تھی۔ اگرچہ یہ کچھ زیادہ محفوظ جگہ نہ تھی۔ تاہم آڑ کا کام دے سکتی تھی۔ یہ بھی سوچا چلو آج کھلے میدان میں مقابلہ ہو جائے، بہت لطف آئے گا۔

چنانچہ ہم اس جھگی کی اوٹ میں بیٹھ گئے۔ سامنے دور دور تک کا منظر بالکل صاف تھا، پتہ بھی ہلتا تو دکھائی دیتا۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کچھ دیر تھی اور میں دعا کر رہا تھا کہ یہ ہم شام سے پہلے پہلے سر ہو جائے۔ ہم بے حس و حرکت بیٹھے ہوئے تھے۔ ہماری آنکھوں کی پتلیاں تیزی سے ادھر ادھر حرکت کر رہی تھیں۔ بڑی تعداد میں کوائے اپنے بسیروں کو لوٹتے ہوئے مردہ گھوڑے پر پل پڑے۔

اسی اثناء میں ایک لنگڑا آتا جاتا جانے کدھر سے آ نکلا۔ کوائے کائیں کائیں کا شور مچاتے ہوئے فضا میں منڈلانے لگے، پھر اچانک ہر شے پر سکوت طاری ہو گیا۔ میرے ساتھی نے مجھے ہلکا سا ٹھونکا دیا۔ میں نے دیکھا شیر دو سوز دور جھاڑیوں سے باہر نکلا اور کتے کو گھورنے لگا۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی اور ششت باندھی، لیکن اچانک شیر آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ میں سخت حیران تھا۔ کچھ مجھ میں نہ آتا تھا اسے آسمان کھا گیا یا زمین نکل گئی۔

تقریباً دس منٹ کے جانکاہ انتظار کے بعد ہمارے سامنے ایک بار پھر سرسراہٹ ہوئی شیر صرف ایک سوز دور کھڑا تھا، وہ ایک دم کہاں سے آ نکلا؟ سوچنے کا کوئی موقع نہ تھا۔ شیر نے ایک جست لگائی اور اپنے شکار پر ٹوٹ پڑا جیسے کئی روز کا بھوکا ہو۔ کتا اسے دیکھ کر پہلے ہی کھسک گیا تھا۔ ورنہ شیر کا پہلا نوالہ وہی بنتا۔

میں نے زیادہ توقف مناسب نہ سمجھا۔ رائفل کے اوپر لگی ہوئی دوربین میں شیر کا تین چوتھائی حصہ دھڑ نظر آ رہا تھا میں نے اس کی گردن کا نشانہ لے کر لمبی دبا دی، ایک کر بناک چیخ اس کے حلق سے نکلی اور وہ پیچھے جاگرا۔ چند لمحے تڑپتا اور غراتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ اس طرح پہلی مرتبہ مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ شیر اپنی کھال کا رنگ موقع محل کے لحاظ سے بدل

تیز روشنی میں اس کے پھرے ہوئے تیور اور بھی وحشت انگیز نظر آتے تھے۔ ہماری بندوقوں نے ایک ساتھ شعلے اگلے۔ شیرنی غراتی ہوئی غائب ہو گئی۔ میرے لئے یہ واقعہ انتہائی غیر متوقع تھا۔ عام حالات میں کوئی درندہ اتنی دیدہ دلیری سے انسان کے مقابلے میں نہیں آتا۔ یہ عقدہ اگلی صبح کو کھلا۔ شیرنی کا مردہ جسم ایک بڑے درخت کے نیچے پڑا ہوا ملا۔ پاس ہی درخت کے کھوکھلے تنے میں اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے خوفزدہ نظروں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔

شیرنی کے مشتعل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ہم اس کے اور بچوں کے درمیان حائل ہو گئے تھے۔ ان بے سہارا بچوں کو ہم نے اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے شدید مزاحمت کی اور ہمارے ہاتھ اپنے تیز دانتوں اور پنجوں سے زخمی کر دیئے۔ آخری بڑی مشکل سے انہیں پکڑنے میں کامیاب ہوئے۔ میں نے بوتل کے دودھ پر ان کی پرورش کی۔ میرے شکاری کتے جلد ہی ان کے ساتھ گھل مل گئے۔ لیکن ان کی نزدیکی رشتہ دار بلیاں کچھ کچھ کچھی سی رہیں۔

میں نے دو شیروں کو ایک ہی شکار مل کر کھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جس طرح وہ اکیلا شکار کرتا ہے، اسی طرح تھا اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ البتہ جب کبھی ان کے شاہی ”دستر خوان“ پر بہت بڑا ہاتھی سجا ہوا ہو، تو ان کے درمیان قدرے مصالحت کا احساس پیدا ہو جاتا ہے۔

ساگ پھاں میں ایسا ہی ایک منظر دیکھنے میں آیا۔ بالکل ایک گھریلو ماحول کا احساس ہوتا تھا۔ شیر بچھلی جانب سے اور شیرنی سوئڈ کی طرف سے ہاتھی کی لاش کھانے میں مصروف تھی۔ تین چھوٹے چھوٹے بچے ہاتھی کے پھولے ہوئے جسم کو چیر پھاڑ رہے تھے۔ کھاتے کھاتے وہ اچانک ایک دوسرے سے پنچ آزمائی شروع کر دیتے۔

عام طور پر شیر باسی گوشت کا بے حد شوقین ہوتا ہے۔ تاہم ایک بار اس کے برعکس بھی تجربہ ہوا۔ یہ 1926ء کی بات ہے۔ میرے موشیوں کو ایک جان لیوا بیماری نے آلیا۔ ہر روز دو تین جانور دم توڑ دیتے۔ میں انہیں ٹرکوں میں لا کر دور جنگل میں پھینک آتا تا کہ بیماری کے جراثیم زیادہ نہ پھیل سکیں۔

شیروں کے لئے تو گویا ضیافت کا سامان ہو گیا۔ وہ ہر لاش میں سے تھوڑا سا گوشت

میں نے نشانہ باندھنے کی کوشش کی مگر گولی شاخوں میں انک گئی۔ شیر نے ایک لمحے کے لئے سراو پر اٹھا کر دیکھا اور پھر چند جستوں میں یہ جاوہ جا۔ تاہم میں پہلے ہی فائر کر چکا تھا۔ شیر کی پچھلی ٹانگ لٹک گئی۔ اگلے روز میں کئی آدمیوں کو ساتھ لے کر اس کی تلاش میں نکلا تو ایک جگہ جھاڑیوں میں زخم چاٹتا ہوا مل گیا۔ قریب تھا کہ وہ ہمارے ایک ساتھی کو اچک لیتا کہ پے در پے دو گولیوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔

بعض شکاری جنگل میں زندہ بھیڑ، بکری، گائے وغیرہ باندھ دیتے ہیں تاکہ شیر ان کے چیخنے چلانے کی آواز سن کر انہیں ہلاک کرنے کے لئے آئے، تو چپان میں بیٹھا ہوا شکاری اپنی بندوق سے اس کا شایان شان استقبال کر سکے۔ میرے نزدیک یہ ترکیب زیادہ سودمند نہیں۔ ہو سکتا ہے ایسے جانور جنگل کے پراسرار ماحول میں دہشت زدہ ہو کر گنگ ہو جائیں اور کامیابی کے امکانات محدود ہو جائیں۔ اس کے برعکس اگر مردار کو بطور طعمہ استعمال کیا جائے تو نتائج حوصلہ افزا نکلیں گے۔

شیرنی ایک وقت میں دو یا تین بچے دیتی ہے۔ چار سے زیادہ تو کبھی نہیں ہوتے تقریباً 109 دن تک انہیں اپنے ساتھ رکھتی ہے اس کے بعد انہیں اپنے طور پر زندگی بسر کرنے کے لئے چھوڑ دیتی ہے۔ عموماً تمام بچے جوان نہیں ہو پاتے۔ بڑے بڑے ناگ اور شکاری پرندے ہر آن ان کی تاک میں رہتے ہیں۔ بعض اوقات یہ پالتو جانوروں کے شوقینوں کے ہتھے بھی چڑھ جاتے ہیں۔

دوسرے جانوروں کی طرح شیرنی بھی اپنے بچوں کی ہر ممکن حفاظت کرتی ہے۔ اس سلسلے میں اس کا رویہ جارحانہ بھی ہو سکتا ہے وہ آخردم تک بچوں سے جدا نہیں ہوتی۔ ایک رات انام کو چین چین کی سرحد کے نزدیک زانات کے مقام پر میں ایک دوست کے ہمراہ ہرن کا شکار کھیلنے میں مصروف تھا۔ اچانک ایک شیرنی ہمارا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ میری برقی لائٹن کی

کھاتے اور پھر اسے چھوڑ دیتے، اگلے دن تازہ گوشت کھانے کا انتظار کرتے رہتے۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ شیروں کو تازہ بتازہ گوشت مہیا ہونے کی امید ہوتی تھی۔

مویشیوں کی ہلاکت نے مجھے برا فروختہ کر دیا تھا۔ میں نے شہر سے مویشیوں کے ڈاکٹر کو بلایا اور اسے مویشیوں کی اچانک ہلاکت سے آگاہ کیا۔ اس نے کئی روز تک انہیں دوائیاں کھلائیں مگر مویشی پھر بھی مرتے رہے۔ ڈاکٹر بھی حیران تھا کہ مویشیوں کو کس قسم کی بیماری لگ گئی ہے کہ ختم ہونے میں نہیں آرہی۔

ایک روز اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اس کی نشاندہی پر چند مویشیوں کو ہلاک کر دوں کیونکہ یہ بیماری متعدی ہے۔ اگر بیمار مویشیوں کو ہلاک کر دیا جائے تو یہ بیماری صحت مند مویشیوں کو نہیں لگے گی۔ اس دوران مجھ پر ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ ”موئی“ قبیلہ نے مجھے وارنگ دے دی کہ میں اپنے مویشی یہاں سے لے جاؤں۔ ان کے سردار مورژا نے مجھے اپنے خیمے میں طلب کیا تھا۔ اس وقت وہ بارہ بیویوں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا۔ اس کے سامنے جانب قبیلے کا وچ ڈاکٹر موگا نا بھی بیٹھا تھا۔ وہ بڑا عجیب خصلت اور حلّے والا درندہ صفت انسان تھا۔ پانچ فٹ موٹے قد کا سیاہ جنگ شخص کپڑوں سے بے نیاز تھا۔ موئی اسے دیوتاؤں کا اوتار سمجھتے تھے اور اس کے احکامات پر عمل کرتے تھے۔ اسے مجھ سے پر خاش سی ہو چکی تھی۔ اس کی کئی وجوہات تھیں لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں جب سے قبیلے میں آیا تھا میں نے اس کو کبھی اہمیت ہی نہیں دی تھی۔ وہ جنگل کے کنارے پر ایک مہیب جھونپڑی میں جانوروں کی ہڈیاں سجائے بیٹھا رہتا اور نہ جانے کس قسم کے جادوؤں نے میں مستغرق رہتا تھا۔ قبیلے کا عقیدہ تھا کہ موگا نا اپنے پر اسرار عملوں کی وجہ سے درندوں کو بستی میں آنے سے روکتا ہے تاہم جب وہ کسی بات پر خفا ہوتا تو درندے بستی میں داخل ہو کر پالتو مویشی ہلاک کر دیتے تھے اس پر وہ واویلا مچاتا اور بد عقیدہ اور جاہل موئی اس کی دھمکیوں کا نشانہ بن جاتے۔ وہ انہیں ڈراتا اور کہتا کہ انہوں نے اس کے احکامات کی خلاف ورزی کی ہے جس کی وجہ سے اس کی محافظ بدروحمیں ان سے روٹھ گئی ہیں اور ان کے مویشی ہلاک کر دیتی ہیں۔

”موئیوں“ کے لئے ان کے مویشی قیمتی متاع کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کا بچہ مر جاتا تو وہ خوشی کا اظہار کرتے اور اس کا گوشت موگا نا کو کھانے کے لئے پیش کر دیتے تھے۔

موگا نا بچے کو بھون کر کھا جاتا اور اس کے والدین کو بچے کی جلی ہوئی ہڈیوں کی راکھ منتر پڑھ کے دے دیتا اور کہتا کہ اس کو کھانے سے ان کی اولاد میں کثرت ہوگی۔ مگر یہی پالتو مویشیوں کے مرنے پر سینے کوٹ کوٹ کر روتے تھے۔

میرے والد ان کی خرافات میں دخل نہیں دیتے تھے مگر مجھے یہ سب گوارا نہیں تھا۔ میں نے جب سے بوڑھے شیر کو ہلاک کیا تھا موگا نا میرا دشمن ہو گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو میرے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔ میرے والد کی وجہ سے میرا احترام کرتے تھے۔ اس کے علاوہ میں اکثر سردار مورژا کو پالتو مویشی بطور تحفہ دیتا رہتا تھا جس سے وہ خوش رہتا اور مجھے آزادانہ شکار کرنے سے بھی نہیں روکتا تھا۔ مگر جب سے میرے مویشی ہلاک ہونا شروع ہوئے تھے ان سب کی نظریں بدلی گئی تھیں۔

میں سردار کے جھونپڑے میں پہنچا تو موگا نا نے غرور و تکبر اور شیطانت بھری نظروں سے میری جانب دیکھا جن میں تمسخر کی آگ بھڑک رہی تھی۔ سردار نے مجھے کہا ”صاحب۔ ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ اپنے مویشی موئی قبیلے کی حدود سے باہر لے جائیں اور آپ خود بھی تشریف لے جائیں۔“

اس کے لہجے میں سرداروں جیسی تمکنت بھی تھی اور عاجزی بھی۔ میں نے تعجب خیز نظروں سے مورژا کی جانب دیکھا پھر اکھڑے اکھڑے لہجے میں دریافت کیا ”میں اس کی وجہ دریافت کر سکتا ہوں“

”ہاں..... تم پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہو گیا ہے۔ تمہارے مویشی مر رہے ہیں اور ان کی بیماری ہمارے مویشیوں کو بھی لگ جائے گی۔ آج ہمارا ایک مویشی اس بیماری سے مر گیا ہے۔“

”میں نہیں مانتا کہ یہ دیوتاؤں کی ناراضگی سے ہو رہا ہے“ میں نے کہا ”جانور بیمار ہو جاتے ہیں۔ اس میں فکر کرنے کی بات نہیں ہے۔ میں نے ڈاکٹر کو بلایا ہے وہ بہت جلد مویشیوں کی بیماری پر قابو پا لے گا۔“

”وہ..... شہری ڈاکٹر کچھ نہیں کر سکے گا“ اس اثنا میں موگا نا چیختی ہوئی آواز میں کہنے لگا ”دیوتا تم پر عذاب نازل کر رہے ہیں۔ اگر تم یہاں سے نہ گئے تو کے سارے مویشی مر

جائیں گے اور پھر کے سارے مرد بھی بھوکے مر جائیں گے“

میں نے زہر خند نظروں سے اس پر اسرار فتنے کی جانب دیکھا۔ اس کی گہری آنکھوں میں سازشوں کے سانپ کروٹیں لے رہے تھے۔ اس وقت باہر کا موسم بھی تیور بدل رہا تھا۔ تیز ہوا چل رہی تھی اور آسمان پر بجلیاں تڑپنے کو تھیں۔ اس لمحے تیز ہوا کا ایک جھونکا جھونپڑی سے ٹکرایا تو جھونپڑی پر لرزہ طاری ہو گیا۔

موگنا چلایا ”دیکھو..... دیکھو یہ دیوتاؤں کا قہر..... وہ دیکھو جنگل کے سارے درخت دیوتاؤں کے خوف سے کانپ رہے ہیں“ باہر آٹا فانا تیز طوفان کی سی صورت پیدا ہو گئی تھی۔

قدرت نے موگنا کے حق میں عجیب کروٹ لی تھی۔ مورژا سردار اور اس کی بیویاں خوف سے پہلی پڑ گئے۔ انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ موگنا ناچ کہہ رہا ہے اور یہ طوفان دیوتاؤں کا قہر بن کر ان کی زندگیاں اجاڑ دے گا۔

میں نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ سردار چیخ کر بولا! ”صاحب تم چلے جاؤ“ میں کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ مجھے سردار کی بات ماننی چاہئے کہ نہیں۔ میں دانت کچکچاتا ہوا اپنی بے بسی پر ہاتھ ملتا ہوا جھونپڑے سے باہر نکلا تو میرے قدم یک لخت رک گئے۔ میں حیران و پریشان سا ہو کر ارد گرد دیکھنے لگا۔ باہر طوفان کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ حالانکہ جھونپڑی میں سے دیکھنے پر صاف نظر آ رہا تھا کہ بلاخیز طوفان بہت زیادہ تباہی پھیلا دے گا مگر باہر تو طوفان کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو موگنا اپنی لمبی پہلی زبان نکال کر کسی بھوکے کتے کی طرح میری جانب دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظروں میں فتح کا خمیر تھا۔

اس نے قہقہہ لگایا اور بولا ”صاحب تم موگنا سے ٹکراؤ گے تو کبھی خوش نہیں رہ سکو گے۔ تم موگنا کی پر اسرار قوتوں کو نہیں جان سکتے“

ہند چینی کے جنگلات کی سر زمین میرے لئے ایک دم سے بدل گئی تھی۔ قبیلہ کا فتنہ پرداز وچ ڈاکٹر موگنا ایک مہلک زہریلا اور شیطان بن گیا تھا۔ میں غصے کی حالت میں واپس آ رہا تھا ابھی میں باڑے کے قریب پہنچا ہی تھا کہ مجھے شیروں کی خرمستیاں کرتے ہوئے دھاڑیں سنائی دیں۔ میرے قدم رک گئے اور میں جنگل کے اس نشیب کی جانب دیکھنے لگا

جہاں میں نے مردہ مویشیوں کو پھینکا ہوا تھا۔ چار پانچ شیر مردہ مویشیوں پر یلغار کئے ہوئے تھے۔

اس وقت شام ڈھل رہی تھی۔ سورج جنگل کے بلند و بالا مہیب درختوں کے اوپر سے روشنی کی چادر سرکار رہا تھا۔ میں نے سوچا کہ آج جتنے بھی مویشی مر گئے ہوں گے میں انہیں بھی نشیب میں پھینک دوں گا اور پھر زندہ مویشیوں کو لے کر سانگ پھاں کی طرف چلا جاؤں گا۔ اگرچہ وہ علاقہ دلہلی بھی تھا اور جنگلی درندوں کی آماجگاہ تھا مگر ان حالات میں اس علاقے میں رہنا بھی کم خطرناک نہیں تھا۔ میری بد قسمتی دیکھئے کہ میں اس روز بندوق اپنے ساتھ رکھنا بھول گیا تھا۔ البتہ ایک لمبے پھل والا اور دو دھاری خنجر میری کمر بند میں اڑسا ہوا تھا۔ اس وقت تک مجھے یہ خیال بھی نہیں آیا تھا کہ میں بندوق لانا بھول گیا تھا۔ میں باڑے کے اندر داخل ہوا تو خوف کی لہر نے مجھے جکڑ لیا۔ مجھ سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر ایک گرانڈیل بوڑھا سیاہ رنگ کا چیتا ایک زندہ بھینسے کی کمر پر سوار تھا۔ اس نے دانت اس کی گردن پر گاڑھے ہوئے تھے اور اسے نیچے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

چیتے کی یہ جسارت دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا اور پھر اس لمحے مجھے احساس ہوا کہ بندوق تو میرے پاس تھی ہی نہیں۔ کسی شکاری کے لئے بندوق اس زیور کی طرح ہوتی ہے جو کسی بناؤ سنگھار کرنے والی عورت کی طرح اس کے بدن کو خوشنما اور جمال آفریں بنانے کے لئے ناگزیر ہوتا ہے۔ شکاری کا ہتھیار اس کا زیور ہوتا ہے جو اس کی مردانگی کی علامت بھی ہوتا ہے اور اس کا محافظ بھی۔ اس لمحہ بھینسے نے تکلیف سے ڈکراتے ہوئے زمین پر سر ٹیک دیا تھا اور خونخوار چیتا اس کی گردن کے اوپر سے قلابا بازی کھاتا ہوا نیچے اتر گیا تھا۔ اس کے باوجود اس نے بھینسے کی گردن سے دانت نہیں نکالے تھے۔

مجھے یقین تھا کہ اگر میں چیتے کو اس نازک وقت میں بھگانے میں کامیاب ہو گیا تو بھینسا ہلاک ہونے سے بچ جائے گا کیونکہ چیتے نے بھی اس کو گردن کے اوپر سے پکڑا ہوا تھا۔ بھینسے کی گردن کا اوپر والا حصہ چربی کی موتی تہہ سے بھرا ہوا تھا۔ اس صورت میں وہ زخمی تو ہو چکا تھا مگر اس کی جان بچ سکتی تھی۔ میرا یہ بھینسا تو مند جانور تھا اور میں اسے نیل گاڑی میں جوت کر دو دراز جاتا تھا۔ اگرچہ مال برداری کے لئے میرے پاس دو بھینسے اور بھی تھے مگر

ان میں سے ایک پراسرار بیماری کا شکار ہو چکا تھا اور بقول ڈاکٹر دوسرے بھینسے کے بھی اس بیماری میں مبتلا ہونے کا خدشہ تھا۔ لہذا میرے لئے اس بھینسے کو چیتے کی درندگی سے بچانا اس لئے بھی ضروری ہو گیا تھا کہ میرے نقل و حرکت کا دار و مدار بھی اس پر تھا۔

میں نے پہلے زمین سے ایک سنگی ڈھیلا اٹھایا اور لکارتا ہوا بھینسے کی جانب بڑھا اور پھر تاک کر وہ پتھر چیتے کی طرف پھینکا۔ مجھے ہمیشہ اس بات پر فخر رہا ہے کہ میری نظر جس ہدف پر ٹھہر جائے تو میرے ہاتھ سے پھینکا ہوا پتھر عین اس کو اپنا ٹارگٹ بناتا ہے۔ پتھر سیدھا بھینسے کی گردن پر اس جگہ لگا جہاں چیتا اپنے دانت گاڑھے ہوا تھا۔

پتھر چیتے کے سر پر لگا تو وہ اچانک اس افتاد پر چونکا مگر اس نے حیرت انگیز طور پر اپنی جبلت کے برعکس ایک عجیب حرکت کی۔ اس نے دانت تو بھینسے کی گردن پر ہی گاڑھے رکھے البتہ اپنی طاغوتی آنکھوں کو اوپر اٹھا کر میری جانب دیکھا جن میں قہر ہی قہر تھا۔

چیتا شیر سے مختلف درندہ ہوتا ہے۔ یہ شیر سے زیادہ ہوشیار چال باز اور پھر تیز ہوتا ہے۔ اس کو اگر ایک نقب زن درندہ کہیں تو غلط نہیں ہوگا۔ یہ گھات لگا کر پیچھے سے دبے پاؤں آتا ہے اور اپنے شکار کو جھپٹ لیتا ہے۔ چیتا مصلحت کوش بھی ہوتا ہے۔ اس کی خصوصیت ہے کہ خطرہ بھانپ کر وقتی طور پر خود کو محاذ سے پیچھے ہٹا لیتا ہے اور مد مقابل کو دائیں بائیں اور پیچھے سے گھیر کر پکڑ لیتا ہے۔ مگر اس سیاہ چیتے نے بھینسے کی گردن نہیں چھوڑی تھی بلکہ دانتوں کی شدت سے اسے جھنجھوڑتا رہا تھا۔

میں چیتے سے تین گز کے فاصلے پر تھا اور بھینسے کو یوں تڑپتے ہوئے دیکھنا گوارا نہیں تھا۔ میں نے اس دوران دوسرا پتھر تلاش کرنا چاہا مگر مجھے کوئی پتھر دکھائی نہ دیا۔ میرے لئے بڑی مشکل صورتحال تھی۔ بالفرض میں بھاگ کر بھی بندوق لینے جاتا تو اس دوران چیتا اپنا کام دکھا چکا ہوتا۔ اس وقت تک میں اپنے حواس قابو کر چکا تھا اور غصہ بندرتج زائل ہو کر ایک شکاری کی پوری حیات بیدار کر چکا تھا۔ میں نے خنجر کو کمر بند سے نکالا اور پھر قبائلیوں کے ان وحشی شکاریوں کی مانند اپنے بازو کھول کر چیتے کو خبردار کرتے ہوئے دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا جو صرف نیزوں کی مدد سے درندوں کا شکار کرتے ہیں۔

یہ بڑی مہارت اور دلیری کا کام ہوتا ہے۔ اس کا یہ فائدہ ہوا کہ چیتے نے بھینسے کی

گردن چھوڑ دی اور بھینسا پوری قوت سے تڑپتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا اور پھر وہ وحشی ہو کر چیتے کی طرف لپکا۔ مگر چیتے نے اسے جھکائی دی اور اس کی دسترس سے نکل گیا۔ یہ جنگی بھینسا نہیں تھا جو انتقام پر اتر آئے تو ہاتھی اور شیر سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ یہ پالتو بھینسا تھا جو وقتی اشتعال کے باعث اس پر چھپنا تھا۔ بھینسے کی گردن سے خون بہہ رہا تھا اور وہ دوسرے مویشیوں کی جانب بھاگ گیا۔ اس دوران میں چونکا ہوا کر سیاہ چیتے کی جانب دیکھتا رہا جس کی طاغوتی آنکھوں سے نفرت اور انتقام کے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ دانت نکال کر غرایا اور میری جانب جارحانہ قدموں سے بڑھنے لگا۔

سیاہ چیتا میں نے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس کی سیاہ چمکیلی کھال پر شام کے سائے اس کی سیاہی کو مزید گہرا کئے ہوئے تھے اور اس کی آنکھیں عجیب طلسماتی اور ابلیسی انداز میں چمک رہی تھیں۔ شیر اور چیتوں کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ان کے اندر جناتی روہیں ہوتی ہیں جو اپنے شکار کو آنکھوں کے سحر میں ایسے جکڑ لیتی ہیں جیسے ہینا ٹرم کا ماہر کسی کو ہینا ٹاز کرتے ہوئے مسمریز کر دیتا ہے۔ بیشتر جانو شیر اور چیتے کی نظروں کی تاب نہیں لاسکتے اور ان کے سامنے من و سلوئی کی طرح گر جاتے ہیں۔ چیتے کی نظروں نے مجھے بھی گھائل کر دیا تھا اور مجھے احساس ہونے لگا کہ اس کی آنکھوں سے ایسی پراسرار شعاعیں نکل رہی ہیں جو میرے اعتماد اور بے خونی کے غلاف کو چیرتی ہوئی اعصاب کی تہوں میں اتر رہی ہیں۔

میرے رگ و پے میں سرد لہری گھل گئی تھی۔ میں اس کیفیت پر حیران تھا کہ مجھے کیا ہو گیا ہے مگر وہ مجھے زندگی کے اس جانکسل مرحلے سے روشناس کر رہا ہے تھے جس نے مجھے پراسرار اور مافوق الفطرت زندگیوں سے روشناس کر دیا تھا۔ اگرچہ خنجر کے دستے پر میری گرفت مضبوط تھی مگر میرا اعتماد لحظہ لحظہ منتشر ہو رہا تھا۔ چیتا مجھ سے بیس گز کے فاصلے پر آ کر رک گیا اور پھر دوسرے ہی لمحے برق کی مانند مجھ پر جھپٹ پڑا۔ کسی درندے سے دو بدو لڑنے کا یہ میرا پہلا موقع تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ چیتا جب میرے اوپر گرا تو میری نظروں کے سامنے اس کے بدن کی سیاہی نے اندھیرا کر دیا تھا۔ البتہ میں نے بھی برق رفتاری سے بائیں جانب کو جھکائی لی اور خنجر والے ہاتھ کو تیزی سے گھما کر چیتے کی جانب ہاتھ بڑھا دیا تھا۔ خنجر اس کی ٹانگوں کو زخمی کرتا ہوا گزر گیا اور میں بھی قلابازی کھا کر گر گیا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے چیتے

کی خوفناک دھاڑ سے میرے دل و دماغ پر لرزہ سا طاری ہو گیا۔ چیتا پلک جھپکتے میں پلٹا اور مجھ پر آگرا۔ چیتے نے اپنا سارا وزن مجھ پر گرا دیا اور منہ کھول کر میری گردن کو قابو کرنے لگا۔ نا جانے اس وقت مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ خنجر والا ہاتھ تیزی سے حرکت میں آیا اور چیتے کے پہلو میں خنجر اترتا چلا گیا۔

چیتا میرے وار پر تلملایا اور اس نے اپنے آہنی ناخنوں سے میرے سینے اور چہرے کی کھال ادھیڑ دی اور مجھے یوں لگا جیسے بہت سی سلاخیں آگ کے شعلوں میں گرم کر کے میرے بدن میں داخل کر دی گئی ہیں۔ چیتے کو اپنے اوپر سے اچھالنے کے لئے ہاتھ پاؤں چلاتا رہا مگر اس نے جب پنجوں سے مجھے بھنبھوڑنا شروع کیا تو میری مزاحمت ختم ہونے لگی اور موت کی سیاہی میرے ذہن پر چھانے لگی۔ معاً مجھے احساس ہوا کہ ہواؤں کے دوش پر وحشت بھری ایک نسوانی چیخ سنائی دی تھی اور پھر کوئی سنسناتی ہوئی چیز میرے پاس سے گزری اور دوسرے ہی لمحے چیتا فلک شکاف چیخ مار کر میرے سینے سے اتر گیا تھا۔

میرے سینے سے پہاڑ جیسا بوجھ تو اتر گیا تھا مگر پورا بدن آگ میں گری ہوئی لکڑی کی طرح جلنے لگا تھا۔ چیتے کے آہنی ناخنوں نے میری کھال کپڑے کی طرح پھاڑ دی تھی۔ سر سے سینے تک خون پھوٹ رہا تھا اور آنکھوں کے سامنے لہو کی چادر سی تن گئی تھی جس کے دوسری جانب مجھے دھندلا ہٹ نظر آ رہی تھی۔

میں آپ کو ایک کام کی بات بتا دوں کہ شکاری کیسا انسان ہوتا ہے۔ شکار کا شوق تو بہت سوں کو ہوتا ہے مگر ایک شکاری کی خصوصیات کیا ہونی چاہئیں۔ میرا خیال ہے اگر وہ میری ان ہدایات پر عمل کرے تو یہ تمام خصوصیات پیدا ہو سکتی ہیں۔

1- بے حد اعتماد اور بے خوف۔

2- مشکل ترین لمحات میں اپنے حواس پر قابو پانے کی قدرت۔

3- پختہ کار نشانہ باز

4- پرندوں اور جانوروں کی عادات سے آشنا۔

5- جہاں شکار کھیلنے جا رہا ہو وہاں کے جغرافیائی و موسمی حالات کا ادراک۔

ایک شکاری ذہن بھی ہوتا ہے اور صابر بھی۔ جنون و بے عقلی اور بے صبری سے شکار کھیلنے والے عموماً موت کے گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ جیسا کہ میرے ساتھ ہوا تھا۔ اگرچہ میں نے ہمیشہ اپنے ذہن اور بازوؤں کی طاقت پر اعتماد ہی کیا ہے مگر اس روز سوچ بچار کے باوجود مجھ پر اشتعال غالب آ گیا تھا لیکن پھر جب چیتے نے مجھے ادھ موا کر دیا تو میں نے اپنی جبلت کے تحت خود پر قابو پانے کی کوشش کی تھی اور اس تکلیف دہ صورتحال کے باوجود اٹھنے کی کوشش کی۔ میرا ذہن تاریکی میں ڈوب رہا تھا مگر میں جانتا تھا اگر میں مدہوشی کی اس تاریک چادر کو قوت ارادی سے پھاڑنے میں کامیاب ہو گیا تو موت کو شکست دے دوں گا۔ میں کراہتا

ہوا اٹھا تو معاً احساس ہوا کہ چند لمحے پہلے ایک نسوانی چیخ سنائی دی تھی وہ کس کی تھی اور پھر اس چیخ کو سنتے ہی چیتا ڈکراتا ہوا میرے سینے سے اتر کر کہاں گیا تھا؟ ابھی میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک وجود مہربان میرے پاس آیا اور میرے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

”صاحب ٹھہرو۔ تم زخمی ہو، ایک عورت کی آواز سنائی دی۔“

”تم کون ہو؟“ اس کا لہجہ اجنبی مگر شستہ تھا۔ وہ موٹی ہرگز نہیں تھی۔ میں نے آنکھوں کے سامنے سے خون صاف کیا تو ایک ملگجے جالوں جیسا چہرہ میرے سامنے تھا۔ اس نے موتیوں جیسا مختصر لباس زیتن کیا ہوا تھا۔ اور ایک ہاتھ میرے کاندھے پر رکھا اور دوسرے میں کمان سنبھال رکھی تھی۔

”میں سانگ پھاں سے آئی ہوں“ وہ بولی

اس کی آنکھیں چاندنی رات کے چاند جیسی روشن اور معصوم تھیں۔

”چیتا کہاں گیا ہے؟“ میں نے پوچھا۔

اس نے میرے عقب میں اشارہ کیا تو میں نے گردن گھما کر اس جانب دیکھا چیتا مردہ حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر ایک لمبا تیر پیوست تھا۔

”میں نے تمہیں پہلے نہیں دیکھا“ میں زخمی ہونے کے باوجود اس پیکر جمال و شجاعت کو دیکھنے لگا۔

”تم مجھے نہیں جانتے مگر میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں“ اس نے کہا اور پھر بولی ”آؤ میں تمہاری مرہم پٹی کر دوں“ اس کا لہجہ عجیب سا طلسماتی تھا۔ بے حد نرم رو..... مگر اس کے ہاتھوں میں ایک لمبی اور بھاری تیر کمان دیکھ کر گمان نہیں ہوتا تھا کہ وہ درندوں کا شکار کرنے میں بھی مہارت رکھتی ہے۔

میں اس کے سہارے سے اپنے جھونپڑے میں جانے لگا۔ میرے مولیٰ سی اداس سی نظروں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ میرا زخمی بھینسا ابھی تک خوفزدہ سا ہو کر بھاگ رہا تھا۔

”ظالم چیتے نے میرے بھینسے کو زخمی کر کر دیا ہے“ میں نے دل فگار انداز میں کہا۔ میں اپنے زخم بھول کر بھینسے کی تکلیف پر پریشان ہو گیا۔

وہ مجھے اندر لے آئی اور بولی ”تمہارے پاس مرہم پٹی کا سامان تو ہوگا“

میں نے اسے اپنا فرسٹ ایڈ باکس دکھایا تو وہ میرے پاس لے آئی۔ میرے کہنے سے قبل ہی اس نے باکس کھولا اور نہایت مہارت سے میری مرہم پٹی کرنے لگی۔ میں حیران ہو کر رہ گیا کہ اس جنگلی دنیا میں رہتے ہوئے اس کو ہم جیسے مہذب لوگوں کی طرح مرہم پٹی کرنا کیسے آتا ہے۔ ”تم نے یہ کام کہاں سے سیکھا ہے؟“ میں نے اشتیاق کے عالم میں دریافت کیا۔

”میں نے اپنے بابا سے سیکھا تھا۔ وہ بھی تم جیسے تھے“ اس نے اداس لہجے میں کہا۔ شاید تم انہیں جانتے ہو ان کا نام جارج تھا۔ تمہارے والد کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے۔“

مجھے یاد آ گیا میرے والد نے کئی بار اپنے دوست جارج کا ذکر کیا تھا وہ سانگ پھاں کے جنگلوں میں گم ہو گیا تھا۔ میرے والد نے انہیں بہت تلاش کیا تھا مگر وہ انہیں نہیں مل سکے تھے۔

”کیا تم انہیں اکل جارج کی بیٹی ہو جو پیرس سے آئے تھے؟“ میں نے فور حیرت سے پوچھا۔

”میں ان کی ہی بیٹی ہوں“

”اکل جارج کہاں ہیں؟“

”وہ اس دنیا میں نہیں ہیں“ وہ مزید اداس ہو گئی۔

”اوہ مائی گاڈ“ میرے سینے میں ٹیس سی اٹھی اور میں کراہ کر رہ گیا۔ اس نے میرا ہاتھ تھام لیا اور وہ بولی ”درد زیادہ ہو رہا ہے“

”ہاں“ اچانک بدن میں اٹٹھن سی محسوس ہونے لگی اور میں ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا تھا۔ میری حالت دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور پھر دوسرے ہی ٹانخے وہ کچھ بتائے بغیر چھلاوے کی طرح باہر بھاگ گئی۔

ایک ایک میری حالت بگڑ گئی تھی اور ساری مرہم پٹیاں بیکار ہو کر رہ گئیں۔ زخموں سے دوبارہ خون جاری ہو گیا۔ میرے پیٹ میں شدید درد اٹھ رہا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد میں قے کرنا لگا۔ مجھے محسوس ہو گیا کہ چیتے کے ناخنوں میں کچھ ایسا زہریلا مادہ تھا جو میرے زخموں کے ذریعے خون میں شامل ہو گیا ہے۔ درد بڑھتا جا رہا تھا اور نہ ہی میری قے رک رہی تھیں۔ میں خاصی دیر تک یوں ہی تڑپتا رہا۔ اس دوران میرا پالتو شیر کا بچہ بھی

اندر آ گیا اور میرے قدموں میں بیٹھ کر میرے پاؤں چاٹنے لگا۔ وہ بے چارہ سہم گیا تھا۔ میں کئی ماہ سے اسے اپنی کفالت میں لئے ہوئے تھا۔

شاید میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا کہ انکل جارج کی بیٹی واپس آ گئی۔ اس نے ہاتھوں میں پتوں کا ڈھیر اٹھا رکھا تھا۔ وہ تیزی سے چند پتوں کو منہ میں لے کر چبانے لگی اور پھر انہیں نرم کر کے ان کا گودا سنا بنا کر میرے منہ میں ڈال دیا اور اشارہ کیا ”اسے نگل جاؤ“ میں نے کراہت کے عالم میں گودے کو نگل لیا۔ پھر دوسرا گودا تیار کرنے لگی اور مجھے وہ بھی نگلنا پڑا۔ اس دوران وہ لمحہ بھر کے لئے شیر کے بچے کو دیکھ کر چونکی اور تیر کمان سیدھی کر کے اسے مارنے لگی تھی کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے ایسا کرنے سے روک دیا۔ اس نے باقی ماندہ پتوں کو پانی میں بھگو دیا اور انہیں ہاتھوں سے مسنے کے بعد مجھے لینے کے لئے کہا۔ اس نے وہ پانی میرے زخموں پر آہستہ آہستہ اندل دیا۔ جلتے ہوئے زخموں پر ٹھنڈک کی پھواری برسنے لگی اور خون یکدم رک گیا۔ میرے دل کو بھی جیسے قرار سا آ گیا اور پیٹ کا درد بھی کافور ہو گیا۔ کچھ ہی دیر بعد مجھے توانائی کا احساس ہونے لگا اور میری زبان دوبارہ چلنے لگی۔

”میں تمہارا شکر یہ کیسے ادا کروں۔ تم میرے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوئی ہو“

”یہ میرا کمال نہیں ہے۔ شکر کرو کہ مجھے یہاں جڑی بوٹیاں مل گئی ہیں جو زہر کا تدارک کرتی اور زخموں کے منہ سی دیتی ہیں۔ مجھے اس بات پر ندامت ہے کہ مجھے ان جڑی بوٹیوں کو تلاش کرنے میں تاخیر ہو گئی“ وہ جنگلی سی دوشیزہ نہایت مہذب انداز میں بول رہی تھی۔ میں اس کے سراپہ جمال و مہربانی پر فدا ہو گیا۔

”تم نے یہ کام کہاں سے سیکھا ہے“

”میری ماں نے مجھے سکھایا ہے“ اس نے کہا ”میں چاہتی ہوں کہ تم کچھ دیر کے لئے آرام کرو۔ جب اٹھو گے تو تمہیں اپنی داستان بھی سناؤں گی۔“

”اگر میں یہ کہوں کہ آج مجھے نیند نہیں آئے گی تو“ میں نے شرارت آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ ”میرے پاس مہربان سی دیوی بیٹھی ہے اور میں سو جاؤں میں یہ گستاخی نہیں کر سکتا“

”میں باہر بیٹھ جاتی ہوں“ وہ معصومیت سے بولی ”تمہیں آرام کرنا چاہئے۔ چیتے

کے بچوں میں زہر تھا جو تمہارے اندر چلا گیا ہے۔ یہ دو کھانے کے بعد تمہیں آرام کرنا ہوگا تبھی اس زہر کا اثر ختم ہوگا ورنہ کچھ دیر بعد دوبارہ تکلیف ہو سکتی ہے۔“

یہ کہہ کر وہ اٹھی اور شیر کے بچے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔

”یہ پالتو ہے۔ میں اس کی پرورش کر رہا ہوں“ میں نے مختصر لفظوں میں اسے بتایا ”اس کا نام سامی ہے۔ مجھ سے بہت پیار کرتا ہے“

اس نے سامی کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور پھر اس کے پاس پہنچ کر اسے گود میں اٹھا کر بولی ”چلو سامی ہم باہر کھیلنے ہیں۔“

سامی اس کی گود میں چڑھتے ہی ہنسنے لگا وہ اسے لے کر جھونپڑے سے باہر نکل گئی۔ کچھ ہی دیر بعد مجھ پر نیند طاری ہو گئی اور میں خاصی دیر تک سو تا رہا۔ آنکھ اس وقت کھلی جب سامی میرے تلوؤں کو چاٹ رہا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی میرے اعصاب پر خوشگوار تازگی چھا گئی اور میں ہشاش بشاش سا ہو کر بستر سے نیچے اتر گیا۔ جھونپڑے میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور باہر درندوں کے چنگاڑے اور حشرات کے شور نے قیامت برپا کی ہوئی تھی۔ معاً مجھے اس مہربان لڑکی کا خیال آیا۔ میں نے اس کا نام بھی دریافت نہیں کیا تھا۔

”سامی..... سامی“ سامی کی روشن آنکھیں اندھیرے میں دیئے کی طرح روشن تھیں وہ میرے قدموں سے نکل کر میرے منہ کے پاس آ گیا۔

”ہیلو..... تم کہاں ہو“ میں نے اس لڑکی کو پکارا۔ مگر مجھے اس کی آواز یا آہٹ سنائی نہیں دی۔ میں نے اٹھ کر لیمپ جلا دیا اور اسے تلاش کرنے لگا۔ میں نے بندوق بھی اٹھالی تھی۔ لیمپ کی روشنی میں باہر نکلا اور زور زور سے اسے پکارنے لگا مگر وہ میرے پاس نہیں آئی۔ میں پریشان ہو گیا کہ وہ چھلا وہ سی لڑکی کہاں چلی گئی۔ چہار سو مہیب اندھیروں میں وہ کہاں نکل گئی ہے۔

میں جھونپڑے میں واپس جانے کی بجائے مویشیوں کے باڑے کی طرف نکل گیا۔ مجھے یاد آیا کہ آج میں نے باڑے کا دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ کھلے ہوئے دروازے سے درندے اندر آ جاتے تھے اور مویشیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے۔ لیمپ کی روشنی کو اونچا کر کے دروازہ بند کرنے جا رہا تھا کہ راستے میں اس سیاہ چیتے کی لاش نظر آئی اس سے تھوڑا سا ہی آگے مجھے

بڑا ڈھیر پڑا تھا۔ خوں آشام شیر نے میرے سامی کو پلک جھپکتے میں مار دیا تھا اور اپنی فتح پر سرخرو سے بلند کر کے دھاڑ رہا تھا۔ روشنی بڑھنے سے مجھے اس کا متکبر و مہیب چہرہ دکھائی دیا وہ میرے سامی کی لاش پر پنجر رکھے کھڑا تھا۔ شیر مجھ سے بیس قدم کے فاصلہ پر تھا۔ شدت کرب سے میرے اعصاب تن گئے تھے۔ اس سے قبل کہ شیر اپنا رخ نیچے کرتا میں نے اس کے سر کا نشانہ لیا اور گولی داغ دی۔ گولی نے اس کے فاتح و مغرور سر کے پر نیچے اڑا دیئے تھے اور اسے دوسری بار دھاڑنا نصیب نہیں ہوا تھا۔

آگ تیزی سے پھیل رہی تھی اور پورے باڑے میں روشنی سی ہو گئی تھی۔ میں خونخوار شیر کی لاش کے پاس پہنچا اور پھر غصہ کی کیفیت میں دو گولیاں مزید اس کے سینے میں اتا دیں۔ مگر میں جانتا تھا کہ میری یہ گولیاں اس موذی درندے سے میرا انتقام نہیں لے سکتیں۔ اس نے میرے سامی کو مجھ سے جدا کر کے جو ختم دیا تھا وہ بہت گہرا تھا۔ کاش میں بھی ایک درندہ ہوتا اور اس شیر سے دو بدو ہو کر اپنے سامی کے قتل کا بدلہ لے سکتا۔ میں نے سامی کی مڑی تڑی لاش اس کے نیچے سے نکالی اور اسے اپنے بازوؤں میں لے کر بلک بلک کر رونے لگا۔ میرا سامی مجھ پر اپنی جان قربان کر کے مجھ سے بہت دور چلا گیا تھا۔ مجھے اس کی موت کا اتنا ہی قلق ہوا جتنا مجھے اپنے کسی بچے کے مرنے پر دکھ ہو سکتا تھا۔

میں سامی کی لاش اٹھا کر جھوپڑے کی طرف آ رہا تھا۔ آگ تیزی سے پھیل رہی تھی۔ گھاس کا ڈھیر جل کر راکھ ہو گیا تھا مگر اب آگ باڑے کی ہری بھری گھاس کو بھی جلا رہی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ یہ آگ بجھائی نہ گئی تو مویشیوں کو اس میں جلنا پڑے گا۔ میرے لئے یہ دوہرا امتحان تھا۔ باڑے کے اندر آگ اور باڑے کے باہر خونخوار درندوں کی دنیا تھی جو میرے پالتو مویشیوں کی موت کا پروانہ بن سکتے تھے۔ آگ بجھانے کے لئے پانی کی ضرورت تھی اور میرے پاس پانی کی زیادہ مقدار نہیں تھی۔ جھوپڑے میں صرف پینے کے لئے تھوڑا سا پانی تھا۔ میں مویشیوں کو ”موئی“ کے تالاب میں صبح دوپہر اور شام کو پانی پلانے لے جاتا تھا مگر رات کے وقت وہاں سے پانی لانا ناممکن ہوتا۔ تالاب وہاں سے ایک کوس کے فاصلہ پر تھا۔ میں نے سوچا اگر میں وہاں سے پانی لانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو ایک وقت میں صرف ایک ڈول پانی ہی لاسکوں گا اور اتنی دیر میں آگ میرے جھوپڑے تک پہنچ جاتی۔ میں شش و پنج میں

ایک بوڑھا شیر مردہ پڑا نظر آیا۔ اس کی پیشانی میں بھی تیر ٹھنسا ہوا تھا۔ میں مزید آگے بڑھنا تو ایک اور جوان شیر اس کے تیر کا نشانہ بنا نظر آیا۔ میں قدرے چونکا ہوا دروازے تک پہنچا اور اسے بند کر کے واپس ہولیا تو مجھے پاس ہی شیر کی غراہٹ سنائی دی۔ میں نے روشنی بلند کر کے اس جانب دیکھا تو باڑے کے اندر ہی ایک شیر کی خوں آشام آنکھیں تاریکیوں میں شعلہ جوالہ کی طرح جل رہی تھیں۔ وہ مجھے اپنی طلسماتی نظروں کے حصار میں لے کر آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔

اسی لمحہ میرا سامی میرے پیروں سے لپٹ کر غرائے لگا جس پر شیر قہر آمیز انداز میں غرایا تو پورے باڑے میں قیامت سی مچ گئی۔ میں نے فوراً لیمپ نیچے رکھ دیا اور سامی کو روشنی سے پیچھے دھکیلا۔ میرا یہ فوری فیصلہ میرے لئے بہت سودمند رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ شیر مجھے اندھیرے میں دیکھنے نہ پائے مگر مجھے شیر کی قوت شامہ اور اس کی تیرہ پاش نظروں سے بدگمانی بھی نہیں تھی۔ شیر انسان اور بالخصوص اپنے ہم جنس کی خوشبو پا کر اس کی موجودگی اور اس جگہ کو بھانپ لیتا ہے جہاں وہ چھپ کر بیٹھا ہو۔ تاہم اس میں ایک فائدہ یہ رہتا ہے کہ شیر کو شکاری کی حرکات و سکنات کا اندازہ نہیں ہو پاتا۔ میں نے سامی کو اپنے سے دور کر دیا اور بندوق کا گھوڑا چڑھا کر شیر کی جلتی ہوئی دونوں آنکھوں کے درمیان کا نشانہ لیا۔ مگر اس سے قبل کہ میں فار کھولتا، سامی نے ایک عجیب و غریب حرکت کی۔ پیچھے سے مجھ سے حق دوتی بھانے کے لئے میری حفاظت کے خیال سے شیر کو اپنی جانب متوجہ رکھنے کے لئے غرائے شروع کر دیا تو شیر آندھی اور طوفان کی طرح سامی کی جانب بھاگتا ہوا آیا اور میرے سنبھلنے سے پہلے ہی اس نے سامی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شیر جب شیر سے گتھم گتھا ہو تو اس پر فائر کرنا تو آسان ہو جاتا ہے مگر جس شیر کو مارنا مقصود ہوتا ہے اس کو نشانے میں رکھنا خاصا دشوار ہو جاتا ہے۔ میرے لئے مشکل یہ تھی کہ اندھیرے میں قطعی معلوم نہیں ہو سکتا تھا کہ سامی کون ہے اور جارح شیر کون سا ہے۔ مجھے صرف اتنا سنائی دے رہا تھا کہ میرا سامی اس کے ساتھ لڑ رہا تھا اور شیر کے دھاڑنے سے پورا باڑہ لرز رہا تھا۔ ایک قیامت سی مچی ہوئی تھی۔ اسی لڑائی میں شیر کا پاؤں لیمپ پر پڑا اور وہ گھاس کر گر کر ٹوٹ گیا۔ لیمپ کا تیل گھاس پر گرتے ہی شعلے سے بھڑک اٹھے۔ گھاس پھوس کا وہاں خاصا

بتلا تھا کہ معاً موگاٹا کا شیطانی تہقہہ باڑے کی فضا میں گونجا۔ اس کے قہقہے میں خوں آشام شیر جیسی فتح کا غرور بھی تھا اور دہشت بھی۔ میرے اعصاب پر نفرت و غضب طاری ہو گیا اور بندوق کے دستے پر گرفت مضبوط ہو گئی۔

سامی کی موت سے میں شدید غم و غصے میں تھا۔ جونہی میں نے موگاٹا کا تہقہہ سنا تھا تو میں آپے سے باہر ہو گیا۔ میں نے بندوق کے دستے پر گرفت مضبوط کی اور اس جانب دیکھنے لگا جدھر سے موگاٹا کا تہقہہ سنائی دے رہا تھا۔

آگ کا الاؤ بھی میری آتش انتقام کی طرح بھڑک رہا تھا اور روشنی میں رقص اجلی شروع ہو چکا تھا۔ موگاٹا الاؤ کے پاس کھڑا تھا۔

”موگاٹا..... اچھا ہوا تم آ گئے۔ میں آج تیری بدروحوں اور دیوتاؤں کو آگ کے اس جہنم میں جلا کر راکھ کر دوں گا۔“ میں بندوق سیدھی کر کے اس کی طرف بڑھا تو تیزی سے بھڑکتی ہوئی آگ میری جانب بڑھنے لگی۔ موگاٹا ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر قہقہے لگانے لگا۔ میں الاؤ کے پاس پہنچا تو موگاٹا الاؤ کے دوسری جانب کھڑا تھا۔ آگ کے منتقم شعلوں کے لباس میں موگاٹا کا عکس کسی شیطانی ہیولے کی طرح لہرا رہا تھا۔ میں نے اس وقت ایک عجیب بات دیکھی۔ موگاٹا کے دائیں بائیں دو سیاہ چیتے کھڑے تھے۔ ان کی آنکھیں نار ایلین کی طرح جل رہی تھیں۔ سحر زدگی اور طاغوتیت سے بھرپور ان کی آنکھوں میں مجھے موگاٹا کی روح نظر آئی۔ مجھے گمان ہوا کیا یہ اس چیتے کی نسل میں سے ہیں جو کچھ دیر پہلے اس اجنبی دو شیرہ کے تیر کا نشانہ بنا تھا۔

”آؤ صاحب آؤ۔ یہ آگ ہمارے دیوتاؤں کا قہر ہے۔ اسے دیکھو۔ تم نے ہمارے محافظوں کو مار ڈالا صاحب۔ تم بہت ظالم ہو۔ یہ دیکھو۔ تم سے اپنا انتقام لینے آئے ہیں“ اس نے اپنے دائیں بائیں کھڑے چیتوں کی طرف اشارہ کیا اور وہ دونوں چیتے مجھ پر نظریں گاڑھے الاؤ کے ساتھ ساتھ سرکتے ہوئے میری جانب بڑھنے لگے۔

آپ شاید میری اس داستان کو وہم و گمان کا حصہ تصور کر رہے ہیں کہ شکاریات کے لذت کدے میں پراسرار ریت اور طلسمات کہاں سے نمودار ہو گئے ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا

ہوں کہ جنگلوں اور بیابانوں کی دنیا ایک عجوبہ واسرار کے سوا کچھ نہیں۔ ایسے جنگلوں میں جہاں گھپ اندھیرے ہوں اور جہاں علم کی روشنی نہ پہنچی ہو وہاں کے قبائل کے عقائد ایسے ہی مافوق الفطرت ہوتے ہیں جیسے کہ مجھے ”موئی“ قبیلے کے پراسرار شخص موگاٹا کا سامنا کرتے ہوئے پیش آرہے تھے۔ میں نے اس سے قبل نہ یہ سنا تھا اور نہ ہی دیکھا تھا کہ کوئی پراسرار وچ ڈاکٹر جانوروں کو اپنا اسیر بنا کر ان سے اپنے کام لیتا ہے۔ مگر موگاٹا کو دیکھ کر مجھے پراسرار اور حیرت و تعجب کی دنیا کے اس ہیرو کو تسلیم کرنا پڑا کہ بعض انسانوں کے پاس ایسی قوتیں ہوتی ہیں جن کے ذریعے سے خون آشام درندوں کو مطیع بنایا جاسکتا ہے۔

سیاہ چیتوں کو عفریت کی مانند اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر میں چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ ایک چیتا الاؤ کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب سے گھیرا کاٹ کر میری طرف آ رہا تھا لہذا میں نے سوچا کہ پہلے کس چیتے کو نشانہ بناؤں۔ یہ بڑی پھرتی اور حاضر الدماغی کا کھیل تھا جو ذرا سی غفلت اور تاخیر کے باعث موت کے کھیل میں بدل سکتا تھا۔ میں نے ایک لمحے میں ایک عجیب فیصلہ کیا کہ مجھے چیتوں کو نشانہ بنانے کی بجائے موگاٹا کو نشانہ بنانا چاہئے کیونکہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اگر یہ چیتے کسی پراسرار قوت کے تابع ہو کر مجھ پر حملہ کرنے آرہے ہیں تو میں گولیوں سے انہیں ہلاک نہیں کر پاؤں گا۔ بالفرض اگر انہیں ہلاک کرنے میں کامیاب ہو بھی گیا تو موگاٹا میرے لئے ایک نئی مصیبت پیدا کر دے گا۔ یہ خیال برق کی طرح میرے ذہن میں ابھرا تھا اور میں نے عین اس وقت جب دونوں چیتے مجھ سے بیس بیس گز کے فاصلے پر رہ گئے تھے۔ موگاٹا کے سینے کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

گولی کی گرجدار آواز کے ساتھ ہی موگاٹا کی دلدوز چیخ ابھری اور وہ الاؤ کے دوسری جانب قلابازی کھا کر گر گیا۔ گولی چلاتے ہی میں نے چیتوں کی جانب دیکھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ ساکت ہو گئے تھے۔ میری بندوق دونوں تھی بارود کی میرے پاس کمی نہیں تھی۔ میں نے فوراً اپنے دائیں جانب کے چیتے کو بھی نشانے پر لیا اور چشم زدن میں اسے لقمہ اجل بنا دیا۔ چیتا بائیں جانب قلابازی کھا کر الاؤ میں جاگرا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے بائیں جانب دیکھا تو اس جانب والا چیتا اٹنے قدموں پیچھے ہٹا ہوا دکھائی دیا۔ میں نے مزید کچھ سوچے بغیر بندوق میں بارود بھرا اور پھر اس عفریت کو نشانے پر لینا چاہا تو وہ برق کی طرح اندھیروں میں بھاگ گیا۔

چند لمحوں کی اس جنگ میں میرے اعصاب پھول کر رہ گئے تھے۔ ایک قیامت تھی جس کا میں نے سامنا کیا تھا۔ ایک شکاری کے لئے بالعموم ایک وقت میں دو تین درندوں کو ہلاک کرنا اتنا مشکل نہیں ہوتا مگر جب سامنا درندوں سے بڑھ کر ماورائی قوتوں کے مالک کسی شیطان سے ہو جائے تو بیچارے شکاری کو اپنے لئے ہر طرف خطرات ہی خطرات دکھائی دیتے ہیں۔ میں نے موگاٹا کو مار کر جیسے سکون کی سانس لی۔ الاؤ میں گرنے والے چیتے کو آگ نے بھون ڈالا تھا اور اس کے جلنے کی بو سے فضا میں ناگواری سی حلول کر گئی تھی۔ میں الاؤ کے دوسری جانب موگاٹا کی لاش دیکھنے کے لئے بڑھا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ گولی لگنے کے بعد موگاٹا قلابازی کھا کر گر گیا تھا مگر وہاں موگاٹا کی لاش دکھائی نہیں دی۔ میں حیران ہو کر دائیں بائیں دیکھنے لگا موگاٹا کی لاش پھر بھی دکھائی نہ دی۔ میں نے جبکہ کر اس جگہ پر دیکھا جہاں موگاٹا کے گرنے کی توقع تھی۔ آگ کی وجہ سے اس جگہ کی ساری گھاس جل چکی تھی اور اب جگہ پر سیاہ راکھ بکھری ہوئی تھی۔ میں نے راکھ پر ہاتھ رکھ کر دیکھا تو مجھے وہاں کچھ کیلا کیلا سا لگا۔ میں نے ہاتھ کو روشنی میں کر کے دیکھا تو اس پر خون کے سرخ نشان نظر آئے۔ یہ موگاٹا کا خون تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ گولی کھانے کے باوجود وہ بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ گولی اس کے سینے کی بجائے بازو وغیرہ پر لگی ہوئی تھی تو وہ بھاگ گیا۔ اگر سینے میں لگی ہوتی تو وہ کبھی بھی بھاگ نہ پاتا۔

میں گھاس پر اس کے خون کی لکیر تلاش کر کے اس جانب بڑھنے لگا جدھر موگاٹا بھاگ گیا تھا۔ مجھے اس وقت ایک عجیب خوف ستانے لگا تھا کہ اگر ”موئی“ قبیلے کے لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میں نے ان کے وچ ڈاکٹر کو گولی مار دی ہے تو وہ میرے بدن سے گوشت ٹوچ ٹوچ کر کھا جائیں گے۔ یہ قبیلے کسی طور پر اپنے وچ ڈاکٹر کی توہین برداشت نہیں کر سکتے۔ انہیں یقین ہوتا ہے کہ اگر ان کے روحانی پیشوا کو ذرا بھی تکلیف پہنچے گی تو دیوتا ان کے قبیلے پر عذاب نازل کر دیں گے۔ مجھے یقین تھا کہ اگر موگاٹا قبیلے میں واپس پہنچ گیا تو وہ قیامت پر پا کر دے گا۔ اس سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ اب تک وہ قبائلی سردار کے پاس جا پہنچا ہو اور وہ سب جوش انتقام میں مبتلا ہو کر میری جانب بڑھ رہے ہوں۔

اس وقت تک آگ پورے بازے میں پھیل چکی ہے اور اس پر قابو پانے کی کوشش

کرنا لا حاصل ہوتا۔ میں نے بے بسی سے اپنے پالتو مویشیوں کی طرف دیکھا جو آگ سے بچنے کے لئے بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ بہت سے مویشی تو آگ کی نذر ہو چکے تھے اور بہت سے باڑے کی دیواریں پھانسنے کی کوشش میں اس سے ٹکرا رہے تھے۔ میں نے یہ سوچ کر باڑے کے گیٹ کو کھول کر مویشیوں کی اس جدوجہد کو آسان بنا دیا کہ بے کسی کی حالت میں آگ کا لقمہ بننے سے بہتر ہے کہ یہ بے چارے جنگل میں نکل جائیں۔ ممکن ہے اس طرح بہت سے موت کے منہ سے نکل جانے میں کامیاب ہو جائیں۔ حالانکہ ایسا ناممکن ہی تھا کیونکہ میں محسوس کر رہا تھا کہ باڑے کے باہر اس کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بہت سے خوں آشام بھوکے درندے اس آس پر بیٹھے ہوں گے کہ کب بھولے سے کوئی جانور باڑے سے نکلے اور وہ اس کے گوشت سے اپنے پیٹ کے جہنم کی آگ بجھا سکیں۔ مگر مجھے کسی معجزہ کی خاطر یہ ”رسک“ لینا ہی تھا۔

آگ کے جہنمی شعلے میرے جھوپڑے تک پہنچ گئے تھے۔ اسی لمحہ مجھے ایک احساس ہوا کہ اس وقت میرے پاس چند گولیاں تھیں۔ شکار کا باقی سامان جھوپڑے میں تھا۔ اپنی حفاظت کے خیال سے میں آگ سے بچتا ہوا جھوپڑے کی طرف بھاگا مگر میری یہ بھاگ دوڑ اس وقت ناکام ہو گئی جب میرے مویشی اندھا دھند ہر اس حالت میں مجھ سے آٹکرائے۔ میں کوشش کے باوجود جھوپڑے تک نہیں پہنچ سکا تھا اور پھر کچھ ہی دیر بعد جب آگ جھوپڑے کے سر تک پہنچی تو شعلوں نے پورے جنگل میں سویرا کر دیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد اندر رکھے بارود اور گولیاں حدت آتش کی وجہ سے پھٹ گئے اور دھماکے سے پورا جنگل لرز اٹھا۔ دھماکوں کے ساتھ ہی میرے دائیں بائیں سے شوں شوں کرتے ہوئے گولیاں گزریں اور کئی مویشی میرے سامنے ہی تڑپ کر گر گئے۔ پہلے تو مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آنا فانیہ کیا ہو گیا ہے۔ دھماکوں کی شدت سے مویشی تڑپ تڑپ کر کیوں گر رہے ہیں۔ پھر یہ خیال آتے ہی رگوں میں سردی پھیل گئی کہ اندر میرے تھیلے میں بارودی گولیاں بھی رکھی تھیں جو آگ لگنے سے پھٹ گئی اور وہ گولیاں پھٹنے کے بعد پھیل گئی تھیں۔ میں خوش قسمتی سے گولیوں کی زد میں آنے سے بچ گیا تھا ورنہ ایک آدھ گولی بھی چھو لیتی تو یقیناً میں بھی ان مویشیوں کی طرح بے کسی سے پڑا تڑپ رہا ہوتا۔

شدت جذبات سے مغلوب ہو کر میں نے بندوق کو سینے کے ساتھ بھینچ لیا۔ جھوپڑے میں دھماکے ہو رہے تھے اور مویشی تڑپتے ہو کر باڑے سے نکل گئے تھے۔ میرے پاس صرف چار گولیاں تھیں۔ کمر سے خنجر ہنوز لٹکا ہوا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ موت کے رقا صوں کے درمیان میں صرف تنہا تھا اور میری حفاظت کا سب سے بڑا ہتھیار مجھے اپنی بے ثباتی کا احساس دل رہا تھا۔ چار گولیوں سے تیز دھار خنجر سے درندوں سے بھرے اس جنگل میں میں کہاں تک زندگی کے حصول کے لئے لڑ سکتا تھا اور پھر ”موئی“ موت بن کر میرے پاس پہنچنے والے تھے۔ میں کہاں تک لڑتا۔ مگر ہزار مایوسیوں اور اندیشوں کے باوجود میرے اندر کاشکاری ہتھیار پھینکنے پر آمادہ نہیں تھا۔ میرے پاس صرف ایک چانس رہ گیا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے میں یہاں سے بھاگ جاؤں۔

میں آشفٹ حال باڑے کے گیٹ کی طرف بڑھا کچھ ہی دیر بعد میرے اعصاب تن گئے۔ پھر میرے اندر کاشکاری بیدار ہو گیا۔ اس وقت یہاں سے فرار کا واحد سہارا وہ آگ تھی جس کی روشنی دور دور تک پھیل چکی تھی یا پھر میری بندوق۔ جس کی دونوں نالیوں میں گولیاں بھر چکا تھا۔ باڑے کے باہر مجھے شیروں اور چیتوں کے بھاگتے ہوئے مویشیوں پر چھپتے ہوئے مناظر دکھائی دیئے۔ میرے وہ مویشی جن کی میں کئی سالوں سے بڑی حفاظت کے ساتھ نگہبانی کر رہا تھا آج یوں ان درندوں کا لقمہ بن رہے تھے جنہیں کبھی میرے باڑے کے اندر گھسنے کی جرات نہیں ہوتی تھی۔ جی میں تو آیا کہ ان میں سے ایک دو شیروں کو بھون ڈالوں جو بے رحمی سے میرے پالتو مویشیوں کی کمریوں پر سواری ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس طرح میں بالکل نہتہ ہو جاتا اور میں بھی ان درندوں کی خوراک بن جاتا جو میرے مویشیوں کو من و سلوی سمجھ کر کھا رہے تھے۔

میں چند مویشیوں کی آڑ لے کر اس جانب بڑھنے لگا جدھر میرے خیال میں خوفناکی قدرے کم تھی۔ یہ راستہ ”موئی“ کے جھوپڑوں کی طرف جاتا تھا۔ میں اس وقت بھول گیا کہ میں ایک موت کی طرف بھاگ رہا ہوں تو موت کا دوسرا پھندا لئے کھڑے ہوں گے۔ (میں کسی طرح درندوں کے چنگل سے نکل تو آیا تھا مگر جونہی میں اس کشادہ راستے پر ہوا جہاں سردار مورژوا کا جھوپڑا تھا تو میرے قدم خود بخود رک گئے۔ جھوپڑوں کے درمیان آگ کا بڑا

سالاؤ جل رہا تھا اور موروثا سمیت سارے قبائلی وہاں اکٹھے ہو کر اپنے نیزوں کو ہوا میں لہرا رہے تھے۔ ”موئی“ جب کسی قبیلہ یا دشمن سے جنگ کرنے کے لئے اس کی جانب بڑھتے ہیں تو سب سے پہلے مقدس آگ جلا کر اس کے سامنے نیزے لہرا کر عہد کرتے ہیں کہ یا تو خود مر جائیں گے یا اپنے دشمن کو جہنم واصل کریں گے۔

میں ایک بار پھر مشکل میں پھنس گیا تھا تاہم میرا حیوان باطنی پوری طرح بیدار تھا۔ میں آپ کو اپنے حیوان باطنی کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں کہ یہ مجھ پر کس طرح قابض ہوتا ہے۔ اگرچہ ہر انسان کے اندر ایک حیوان کی جبلت ہوتی ہے مگر بہت سوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا حیوان باطنی کس قسم کے جانور کی خصوصیت کا حامل ہے۔ کچھ لوگ اپنے اندر ملی جیسی خصوصیات رکھتے ہیں اور کچھ شیروں جیسی۔ کچھ لوگ چھچھوند جیسے ہوتے ہیں تو ان کے اندر بھی اس جیسی خصوصیات ہوتی ہیں تو کچھ لوگ بن مانسوں، بندروں، گیدڑوں، بھیڑیوں جیسے ہوتے ہیں۔ ہر انسان کے ماتھے اور اس کی آنکھوں سے اس کے اندر کے جانور کی پچپان کی جاسکتی ہے۔ مگر اس کے لئے انسان شناسی اور جانور فنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کم از کم میرے اندر جو جانور تھا وہ بہت توانا اور باغی بھی تھا اور معاملہ فہم بھی۔ یہ اکثر مجھے زیر کر لیتا تھا۔ مجھے اپنے حیوان باطنی سے آشنائی بہت دیر بعد ہوئی تھی اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اس داستان کے درمیان جہاں مجھے اس آگہی سے دوچار ہونا پڑا، اس کا قصہ بھی وہیں پر سنائوں گا۔ فی الحال میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ ”موئی“ سر اپنا منتقم..... پیمان آ میز جذبات کے ساتھ باڑے کی طرف بڑھنے لگے تھے۔ میں اس دوران راستے سے ہٹ کر ایک بڑے درخت کی آڑ میں ہو گیا اور جھوپڑوں کے الاؤ کی طرف دیکھنے لگا۔ مجھے موگاٹا وہاں کھڑا نظر آیا۔ وہ بائیں جانب کو قدرے جھکا ہوا تھا اور غالباً بار بار ہاتھ لگا کر اپنے کاندھے کے اس زخم کو دیکھ رہا تھا جو میری گولی نے اسے دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جھوپڑوں کے پیچھے غائب ہو گیا۔ وہ یقیناً اپنے اس مسکن میں چلا گیا تھا جہاں بیٹھ کر سارا سارا وقت پر اسرار عملوں میں مشغول رہتا تھا۔

”موئی“ نیزے لہراتے ڈھول بجاتے اور شور مچاتے اچھلتے ہوئے باڑے کی طرف بڑھنے لگے تو عین وقت پر میرے بہت سے مویشی ان کی جانب آئے تو انہیں پکڑنے لگے۔ اس لمحہ سردار موروثا کی آواز گونجی۔

”ان جانوروں کو پکڑ لو۔ یہ ہمارا مال غنیمت ہے“ وہ چند نیزوں کی مدد سے مویشیوں کو پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور وہ انہیں ہانکتے ہوئے جھوپڑوں کی طرف لے گئے۔ اپنے مویشی جھوپڑوں کے عقب میں باندھتے تھے۔

میں دم سادھے اپنے ان ”خیر خواہوں“ کو دیکھ رہا تھا جنہیں کبھی میں ہاتھ کا چھال بنائے رکھتا تھا۔ مجھ سے پہلے میرے والد نے اور پھر میں نے قبیلے کے لئے بہت سی خدمات انجام دی تھیں۔ انہیں خوں آشام درندوں سے بچایا تھا اور ان کیلئے کشادہ جھوپڑے تعمیر کرائے تھے۔ ان کے لئے پانی کا تالاب بنوایا تھا اور انہیں پالتو مویشی بھی دیتے رہتے تھے۔ مگر آج یہ سب میرے خون کے پیاسے تھے۔

موئی نیزوں کو لہراتے ہوئے میرے پاس سے گزر گئے میں نے اس دوران تہیہ کر لیا تھا کہ میں کسی طرح یہاں سے چھپ کر نکلوں گا اور موگاٹا کو ہلاک کر کے سانگ پھاں فرار ہو جاؤں گا۔ میں نے جب محسوس کیا کہ میرے لئے راستہ قدرے صاف ہے تو درختوں کی آڑ میں جھوپڑوں کی طرف بڑھنے لگا۔ یہ درخت اور راستے میرے دیکھے بھالے تھے۔ اس لئے اندھیرے میں بھی مجھے چلنے میں دشواری نہیں تھی۔ مگر جونہی میں نے قدم اٹھائے تو مجھے لگا جیسے میرا پاؤں کسی سخت جھاڑی کی گرہ میں پھنس گیا ہے۔ میں نے زور لگا کر پاؤں نکالنا چاہا تو بے بس ہو کر رہ گیا۔ پاؤں ذرا سا بھی نہیں اٹھ رہا تھا۔ اسی لمحہ مجھے محسوس ہوا کہ میرا دوسرا پاؤں بھی اس جھاڑی میں پھنس گیا ہے اور یہ جھاڑی میرے قدموں کو اس کی طرح جکڑنے لگی ہے۔ میں پریشان ہو گیا کہ یہ کیا مصیبت آگئی ہے۔ میں نے کمر سے خنجر نکالا اور اندازے سے تاریکی میں ان جھاڑیوں کو کاٹنے کی کوشش کرنے لگا جو میرے پاؤں کو بندھیوں تک کو قید کر کے بیٹھ گئی تھیں۔ جونہی میں خنجر کے ساتھ نیچے جھکا تو مجھے خوفناک پھنکار سنائی دی اور اسی لمحہ جھاڑیاں بیشمنی انداز میں میری مانگوں کے گرد حصار تنگ کرنے لگیں۔ خوفناک پھنکار سننے ہی مجھے سمجھ آ گئی کہ مجھے ”موئی“ کے جنگلوں کے ایک عفریت اڑدھانے جکڑ لیا ہے۔ یہ اڑدھا جو شیر کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو اس کی ہڈیوں کا سرمہ بنا دیتا ہے۔

نیا نیا پیرس سے ہو کر آیا تھا۔ وہاں ایسے مسخرے بہت عام مل جاتے ہیں۔ نائٹ کلبوں کے باہر، کسینو کے آس پاس جو اے لینڈ کے اندر..... مسخروں کے بھیس میں وہ ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے تھے کہ انسان ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو جاتا۔ موگر بھی مجھے مسخرہ ہی لگتا تھا۔ اس کا سر معمول سے بڑا تھا۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئیں..... ٹانگیں پتلی سی بازو لیے مگر ہاتھ چھوٹے۔ بے حد پھرتیلا اور تیز رفتار تھا۔ ہر وقت ہنستا رہتا تھا۔ اس کے علاوہ مجھے اس کا کوئی اور مشغلہ نظر نہیں آیا تھا۔ میں اس کی ان حرکات سے تنگ آ کر کہا کرتا تھا۔

”موگر اگر تم انسانوں کی طرح کھانا نہیں کھاؤ گے تو تم میں اور موسیثیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ویسے میری تجویز ہے کہ یہ موسیثی بھی اس موقع پر تمہیں مس کرتے ہوں گے۔ تم کھانا بھی ان کے ساتھ ہی کھایا کرو۔ یعنی ان کا چارہ“

وہ میری بات سن کر ہنستا اور کہتا ”باس کاش..... ایسا ہو جاتا۔ میں انسان کی بجائے جانور ہی ہوتا“

اگر تم جانور ہوتے تو کون سا جانور بننا پسند کرتے“ میں پوچھتا

وہ کہتا ”کوئی سا بھی“

”مثلاً شیر، ہاتھی، چیتا یا کتا“

”نہیں باس..... ایسا بالکل نہیں چاہوں گا“ وہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ جوڑ کر

میری طرف دیکھتا ”میں بھیئس ہوتا یا گائے“

میں اس سے بہت پوچھتا کہ آخر تم گائے یا بھیئس ہی کیوں بننا پسند کرتے تو جواب

میں وہ دیر تک ہنستا رہتا اور کہتا ”یہ معصوم جانور ہیں۔ میں چاہتا کہ میں انسانوں کے کام آتا اور

جانوروں کی نسل مجھ سے بڑھتی۔“

وہ عجیب فلسفی شخص تھا۔ میں آج سوچتا ہوں کہ خدا نے اس شخص کو کتنی پوشیدہ خوبیوں

سے مالا مال کیا ہوا تھا۔ موگر واقعی ایک حیرت انگیز شخص تھا۔ ایک روز وہ بڑی پریشان سی حالت

میں میرے پاس آیا اور میرے قدموں میں سر رکھ کے رو دیا۔

”باس..... تم اپنا فیصلہ واپس لے لو“

میں نے اسے اوپر اٹھایا اور کہا ”کون سا فیصلہ“

اژدھاری کی طرح میری ٹانگوں سے لپٹا ہوا تھا اور اس کی گرفت لمحہ بہ لمحہ مضبوط اور تنگ ہو رہی تھی۔ جونہی مجھے یقین ہو گیا کہ میں ایک مصیبت سے نکل کر موت کے دوسرے شکنجے میں پھنس گیا ہوں تو خوف سے کلیجہ منہ کو آ گیا۔ شکاری کی جبلت ہوتی ہے کہ وہ شکار کو کچھ فاصلے سے شکار کرتا ہے یا پھر جب درندے سے دو بدوڑنے کا موقع آئے تو تب بھی شکاری کے پاس اپنی حفاظت کا کچھ چانس ہوتا ہے۔ مگر جب درندہ یا کوئی موزی عفریت اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو اس کی مدافعت اور جارحیت کا نیا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ مجھے اب اندازہ نہیں تھا کہ اژدھے کا منہ کس جانب ہو گا۔ میرے خیال کے مطابق اس کو اوپر کی جانب اپنی گرفت بڑھانی چاہئے تھی۔ لیکن اژدھا کی گرفت میری پنڈلیوں سے شروع ہو کر گھٹنوں کے اوپر تک محدود تھی اور اس جگہ پر اس کا دباؤ بڑھا ہوا تھا۔ مجھے اس کا سر نظر آ جاتا تو چشم زدن میں اپنے تیزخبر سے کاٹ کر پھینک دیتا۔ مگر سر نظر تو آتا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اگر میں نے اندازے سے اژدھے کے بل کھائے وجود کو اسی کی طرح کاٹ دیا تو یہ خونی اژدھا میرے لئے مصیبت بن جاتا۔ اس کا باقی ماندہ حصہ بھی مجھے اپنی گرفت میں لے لیتا اور میری ٹانگوں کی ہڈیاں ٹوٹ کر رہ جاتیں۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ اس طرح گھائل ہونے پر اژدھا میرے بدن کا کوئی حصہ اپنے منہ میں جکڑ لیتا اور میرے بدن کا وہ حصہ اس کی گرفت میں آنے کے بعد بے جان تو ہٹے میں بدل جاتا۔ اس کے منہ سے اپنے بدن کے اس حصے کو چھڑانا عذاب بن جاتا۔ میں اس طرح کا ایک منظر پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔

یہ چند سال پہلے کی بات تھی۔ اس روز موسم بہت خوشگوار تھا۔ میرے ساتھ میرا ایک ذاتی ملازم موگر تھا۔ وہ موسیثیوں کو ہانک کر اکٹھا کرتا تھا۔ بڑا عجیب شخص تھا۔ موگر موسیثیوں کی زبان سمجھ لیتا تھا۔ میرے لئے وہ بے حد قیمتی بھی تھا۔ وہ مجھے موسیثیوں کے مسائل بتایا کرتا تھا۔ پہلے پہل تو میں اس کی باتیں سن کر ہنس دیا کرتا تھا۔ میں اسے ایک مسخرہ ہی سمجھتا تھا۔ میں چونکہ

”میں نے سنا ہے تم نے اپنے مویشی قبیلے کے سردار کو دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“
”تمہیں کس نے کہا؟“

”مجھے سردار کی بیوی نے بتایا ہے کہ موگر تمہارا باس بہت جلد اپنے مویشی کو دیکھ کر واپس اپنے دیس چلا جائے گا۔“

”وہ جھوٹ بولتی ہے یا اس نے تجھے چھیڑا ہوگا؟“ میں نے کہا ”میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔“ ایسے اگر میں ایسا کر بھی دوں تو تجھے کیا پریشانی ہے۔“

”نہیں باس ایسا نہ کرنا“ وہ آنسوؤں کے ساتھ رونے لگا۔ ”موٹی مجھے ان مویشیوں کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔“

”انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ تم سے بہتر ان مویشیوں کا دوست کون ہو سکتا ہے؟“
”موگر کہنے لگا ”باس! ان کا کہنا ہے کہ موگر ان کے مویشیوں کی عادتیں خراب کر دیتا ہے۔“

”تم بھی ایسا نہ کیا کرو“ میں نے شرارتاً کہا! ”تمہاری اپنی عادتیں خراب ہیں تو جانوروں کی عادتیں بھی بگاڑتے ہو گئے۔“

”باس..... وہ جو سردار ہے ناں..... مجھ سے چڑتا ہے۔ اس کا بس چلے تو میری کھال میں بھس بھر دے۔“

”تری اس کے ساتھ کیا دشمنی ہے؟“ میں نے دریافت کیا۔

”اصل میں اس کے جانور مجھ سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ مورژا اپنی ایک گائے پر بہت ظلم کرتا تھا۔ گائے مجھ سے شکایت کرتی تھی اور روتی رہتی تھی۔ ایک روز میں نے گائے سے کہا کہ آج اگر مورژا اوودھ دھوتے وقت تجھے مارے تو تم اسے ٹکر مار دینا۔ میں تمہارا رسہ کھول دوں گا لہذا تم جنگل میں بھاگ جانا۔ اس شام مورژا تو اس کا اوودھ دھونے نہ آیا البتہ اس کی چھوٹی بیوی گائے کے پاس آئی اور حسب عادت اس نے بھی معصوم گائے کو ڈنڈے سے مارنا شروع کر دیے۔ گائے نے اسے ایک زوردار ٹکر مارا اور مورژا کی بیوی قلابازی کھا کر نیچے گر گئی۔ اس کی پسلی کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ میں نے جلدی سے گائے کی رسی کھول دی اور وہ جنگل میں بھاگ گئی۔ اس روز مورژا کے سارے مویشیوں نے گائے کی اس جرات

اور دلیری پر اسے شاباش تھی۔ باس میں تو جانوروں سے محبت کرنے والا انسان ہوں۔ مجھے انسانوں سے اتنی محبت نہیں ہے۔ مورژا کو جب واقعہ معلوم ہوتا تو اس نے مجھ پر بہت ظلم کیا مگر میں کسی طرح اس کے ہاتھوں سے بھاگ نکلا۔

موگر مجھے ایسی ہی دلچسپ کہانیاں سناتا رہتا تھا۔ معصوم اور سادہ ذہن کا مالک تھا۔ میں نے کبھی اس کی تنصیح نہیں کی تھی۔ میں نے اس کو مورژا کے تشدد سے بھی بچائے رکھا تھا۔ میں نے موگر کی صلاحیتوں سے بھی کئی بار فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ مجھے مویشیوں کی سوچ اور ان کے معمولات سے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ کبھی کبھار تو وہ مویشیوں کی فرمائشیں بھی لے کر آ جاتا اور کہتا کہ آج فلاں گائے..... فلاں بھینسے اور فلاں جانور کا دل پہاڑوں کی اترا کی میں جا کر چارہ کھانے کو نہیں چاہتا۔ وہ جنگلی بوٹیاں کھانا چاہتے ہیں۔ اس پر میں ہنس دیتا اور اسے کہتا کہ پھر تم خود ہی ان کی فرمائش پوری کرو۔

اسی طرح میرے ساتھ ہنسی خوشی دن کاٹ رہا تھا کہ ایک روز جب موسم بہت خوشگوار تھا اور شام ہو رہی تھی۔ ہم اپنے باڑے میں آ رہے تھے۔ میں اپنے پالتو بھینسے پر سوار تھا۔ ہندوق میرے ہاتھوں میں تھی۔ میں کسی ہوشیار جرنیل کی طرح اپنے جانوروں پر نظر رکھے انہیں جنگلی درندوں سے بچاتے ہوئے باڑے میں لا رہا تھا کہ یکایک میرے دو بھینسوں کی آپس میں ٹھن گئی۔ دونوں نے سینک ایک دوسرے میں پھنسا دیئے اور دھکیلے ہوئے جنگل کی طرف بڑھ گئے۔ موگر نے دیکھا تو انہیں چھڑانے کے لئے بھاگا۔ وہ ان کی بولی بھی بول رہا تھا مگر بھینسے تو خونخوار ہو چکے تھے۔ لڑتے لڑتے دونوں جنگل میں گھس گئے اور موگر بے چارہ بھی ان کے پیچھے جنگل میں گھس گیا۔ میں نے موگر کو آواز دی کہ وہ اس طرح جنگل میں نہ جائے۔ کوئی درندہ اسے پکڑ لے گا۔ مگر وہ میری بات نہ مانا تو میں بھی اپنے بھینسے کو اس طرف لے گیا اور اپنا لمبا خنجر موگر کی طرف پھینک کر کہا۔

”موگر اپنی حفاظت کے لئے یہ خنجر لے لو“
موگر نے خنجر اٹھالیا اور پھر جنگل میں گھس گیا۔ بھینسوں کی لڑائی کی وجہ سے جنگل کے اس حصہ میں درختوں اور جھاڑیوں پر قیامت برپا تھی۔ دونوں نے تباہی پھیلانی تھی۔ میں تذبذب میں تھا کہ پھرے ہوئے ان دونوں بھینسوں کو یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں یا

موگر نے دسوا انداز میں میری طرف دیکھا اور کہا: ”باس اب یہ دونوں بچھتا رہے ہیں مگر ان کے سینک نہیں نکل رہے۔ تمہیں دیوتاؤں کی قسم ہے باس تم ان کے سینک نکالنے کے لئے میری مدد کرو“

لیکن میرے بولنے سے پہلے ہی وہ کچھ ہو گیا جس کا مجھے خدشہ تھا۔ دو شیر کسی عفریت کی طرح ہوا میں چھلانگ لگا کر بھینسوں کے اوپر آ گرے تھے۔ ایک کا آہنی پنجہ موگر کے کاندھے پر پڑا تھا اور وہ چیخ مار کر گر گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے شیروں نے دونوں بھینسوں کو گھاس پر گرایا اور ان کے زخروں سے کاٹ دیئے۔ موگر ان سے کچھ فاصلے پر ایک جھاڑی میں گرا ہوا تھا۔ میں اس تک پہنچ نہیں سکتا تھا کیونکہ اس طرح شیر ہم پر بھی حملہ کر سکتے تھے۔ میں نے فوراً بندوق سیدھی کی اور دونوں شیروں کو چشم زدن میں ہلاک کر دیا۔ انہیں ہلاک کرنا اس لئے آسان ہو گیا کہ دونوں اپنے اپنے شکار کھانے میں مشغول تھے۔ مجھے جب یقین ہو گیا کہ دونوں درندے ہلاک ہو گئے تو موگر کی طرف بھاگا مگر اسی لمحہ موگر کی دلدوز چیخ گونجی اور اس جھاڑی پر زلزلہ سا طاری تھا جس میں وہ گرا تھا۔ میں بھاگ کر پہنچا تو وہاں کا منظر دیکھ کر میرے روٹھے کھڑے ہو گئے۔

موگر کو ایک بڑے قد آور خوں آشام اژدھے نے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور اس کے پورے بدن کے گرد بل کھا کر رسی کی طرح اسے جکڑا ہوا تھا۔ یہ جھاڑی اس اژدھے کا مسکن تھی۔ موگر جب اس پر گرا تو اس وقت یقیناً اس کے حواس قابو میں نہیں تھے۔ اژدھے نے طیش میں آ کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ میں اژدھے پر گولی نہیں چلا سکتا تھا۔ کیونکہ اس طرح گولی موگر کو بھی لگ جاتی۔ موگر کے کاندھے سے خون بہہ رہا تھا اور اس کے دوسرے ہاتھ میں خنجر دبا ہوا تھا۔ میں نے کہا

”میں نے کہا موگر خنجر سے اسے کاٹ دو“

موگر کو جیسے ہوش آ گیا۔ اس نے موزی اژدھے کے بل کھائے جسم کو خنجر سے اس طرح کاٹ دیا جیسے درخت کی لٹکی ہوئی شاخ کو کاٹا جاتا ہے۔ مگر جونہی اژدھا دھواں میں بنا اس نے اپنے خون خونی جڑے موگر کی گردن پر جمادیئے۔ اژدھے نے اس وقت گہری پھکار بھری تھی۔ اس کا منہ کھلا تو اس کے دہانے میں موگر کا سر بھی آ سکتا تھا۔ میں جلدی سے بھاگا تاکہ

پھر باقی مویشی باڑے میں لے جاؤں۔ میں نے دیکھا کہ میرے سارے مویشی ایک جگہ اکٹھے ہو گئے تھے اور ہماری جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ نہ جانے اس وقت میرے دل میں یہ خیال کیسے آ گیا کہ یہ سب موگر کو جنگل میں گھستے دیکھ کر پریشان ہو رہے ہیں۔ میں بھینسوں کو موگر کے رحم و کرم پر چھوڑ کر جانے کا فیصلہ کیا کیونکہ شام اب ڈھل رہی تھی اور خوں آشام درندوں کا جنگل سے باہر نکلنے کا وقت ہو رہا تھا۔ اگر کچھ دیر اور ٹھہرتا تو مویشیوں کو خیریت سے واپس نہیں لے کر جاسکتا تھا۔ میں نے موگر کو آواز دی۔

”موگر میں مویشی لے کر جا رہا ہوں۔ جب یہ دونوں سدھر جائیں تو انہیں لے آنا۔“

یہ کہہ کر میں مویشیوں کو باڑے کی جانب ہانکنے لگا تھا کہ دو تین شیروں کی اکٹھی گرج سن کر میرے قدم رک گئے۔ میں نے اس جانب دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ جنگل کے شیروں نے بھینسوں کو مال غنیمت سمجھ کر ہڑپ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

میں نے موگر کو آواز دی ”باہر آ جاؤ۔۔۔۔۔ شیر آ گئے ہیں“

وہ چلایا ”باس تم مویشی لے جاؤ۔ میں انہیں چھوڑ کر نہیں جاسکتا۔“

موگر ضدی اور خود سر ہو گیا تھا۔ میں جانتا تھا اگر اس سے ذرا بھی سستی ہو گئی تو جنگلی درندے اس کو کاٹ کر رکھ دیں گے۔ یہ سوچ کر میں بھینسے سے اترا اور جنگل کی طرف بھاگا۔ ”موگر باہر آ جاؤ۔ میں آ رہا ہوں“

اس ٹانے شیروں کی ایک زوردار گرج نے مویشیوں کو تتر بتر کر دیا اور وہ سب باڑے کی جانب منہ کر کے بھاگے۔ یہی وہ لمحہ تھا جب دونوں بچھڑے ہوئے بھینسے بھی جنگل سے باہر نکلے مگر ان کے سینک ہنوز آپس میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان کے منہ اور نتھنوں سے جاگ نہ رہی تھی۔ ان کی مزاحمت اور جارحیت کم ہو گئی تھی اور دونوں آپس میں سر جوڑے ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے موگر انہیں سمجھا رہا تھا اور ان کے سینک نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شیر ایک بار پھر دھاڑے اور اس بار وہ جنگل کے کنارے پر تھے۔ میں نے موگر سے سخت لہجے میں کہا ”اوبد بخت انسان شیر آ گئے ہیں۔ انہیں دفع کرو اور ادھر آ جاؤ“

موگر کی گردن اس سے چھڑا سکوں۔ موگر بری طرح تڑپ رہا تھا۔ میں نے اژدھے کے کٹے ہوئے حصہ کو پکڑا تو اس سے خون پھوار کی طرح نکل رہا تھا۔ اس کے پیٹ سے چھوٹے موٹے جانوروں کے ٹکڑے بھی نکل رہے تھے جو اس کی تازہ کھائی ہوئی خوراک تھی۔ میں نے اس کی غلاظت کو نظر انداز کر دیا اور اسے زور سے پیچھے کو کھینچا۔ اژدھا میں ابھی تک جان تھی۔ میرے زور لگانے کے باوجود اس نے گردن نہ چھوڑی۔ میں نے پھر زور سے پیچھے کو کھینچا تو اژدھے کے ساتھ ساتھ موگر بھی کھینچا چلا آیا۔ میں نے آج تک ایسا سانپ یا اژدھا نہیں دیکھا تھا جو اپنے جڑے ایک بار گاڑنے کے بعد اپنا منہ نہیں اٹھاتا۔ میں موگر کی گردن اژدھے کے جڑوں سے نہ نکال سکا اور میرا وہ قیمتی انسان میرے سامنے تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ خاصی تگ و دو کے بعد جب اس کی گردن چھڑائی تو اژدھے کے دانت اس کی گردن چیر کر دوسری طرف نکل گئے تھے اور اس کی گردن شکنجے کی طرح اس کے منہ میں دب کر پچک گئی تھی۔ اس کی گردن کسی لوٹھڑے کی طرح اس کے تن کے ساتھ لٹک گئی تھی۔ میں اسے بڑی مشکل سے اپنے کاندھے پر اٹھا کر باڑے میں پہنچا تھا۔ میرا بھینسا شیروں کی دھاڑ سن کر بھاگ گیا تھا۔ اس لئے مجھے پیدل ہی اس کی لاش باڑے میں لانی پڑی۔

میں آپ کو اس منظر دنگداز کی داستان کیسے سناؤں کہ جب میں موگر کی لاش باڑے میں لایا تو صدمہ سے میرے پالتو مویشیوں کے دل بھی تڑپ اٹھے تھے۔ میں نے کسی جانور کو انسان کے مرنے پر اتنا سوگوار نہیں دیکھا تھا مگر جب اس کی لاش کو باڑے کے درمیان میں رکھا تو مویشی اس کے گرد سوگوار سے کھڑے ہو گئے۔ گائے اور بھینس تو موگر کے تلوؤں کو چاٹ کر اسے جگانے کی کوشش بھی کرتی رہی تھیں اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس روز مجھے موگر کی پراسرار صلاحیتوں کی صداقت پر یقین آ گیا۔ گائے اور بھینسوں نے نئی روز تک چارہ بھی نہیں کھایا تھا اور دودھ بھی دھونے نہیں دیتی تھیں۔ ان کی سوگوار نے مجھے بھی موگر کا غم کھانے پر مجبور کر دیا۔ اس کی موت کے صدمہ نے مجھ پر رقت طاری کر دی اور میں سوچنے لگا کہ موگر واقعی ایک حساس انسان تھا۔ اس کی صحبت نے جانوروں کے دلوں میں بھی اپنی جگہ بنا لی تھی مگر ہم انسانوں کے دل تو انسانوں سے متنفر ہوتے ہیں۔

موگر کے بعد آج میں ایک موذی اژدھے کے شکنجے میں تھا اور موت کی رسیاں

میرے بدن کو بے دردی سے کس رہی تھیں۔ میری ہڈیاں چرمرہ ہو رہی تھیں اور سانس سینے میں اٹک گئی تھی۔ اسی لمحے سامنے سے دو موٹی میری سفید گائے کو ہانگ کر اپنے باڑے میں لے گئے اور اسی لمحہ اذیت سے چیخ میرے لبوں میں دب کر رہ گئی۔ اس وقت میں نے فوری فیصلہ کرتے ہوئے موگر کے نقش قدم پر چلنے کا منصوبہ بنایا البتہ یہ طے کر لیا کہ جونہی اژدھا اپنے دانت میرے بدن پر گاڑے گا میں اس کا بھی سدباب کر دوں گا۔ لہذا میں نے جھک کر اژدھے کے بدن کو پکڑا اور اسے خنجر سے کاٹ دیا اور پھر اسی لمحہ میں نے دائیں جانب قلابازی کھائی تھی تاکہ اژدھا کٹتے ہی جب تڑپے گا تو میری مزاحمت کے رد عمل میں اس کی گرفت کچھ تو کمزور ہو جائے گی۔

میرا اندازہ درست نکلا۔ اژدھے کی پکڑ کچھ کم تو ہو گئی مگر اس نے طیش میں آ کر میری پنڈلی پر اپنے دانت گاڑ دیئے اور مجھے یوں لگا جیسے آگ میں دکتی ہوئی دو سلاخیں میرے گوشت میں اتر گئی ہیں اور میری ٹانگ دو بھاری پتھروں کے بوجھ تلے دب کر پس گئی ہے۔ میں نے درد کی شدید کیفیت میں بھی حواس قابو میں رکھے اور فوری طور پر پنڈلی کے اس حصہ میں جہاں اژدھے نے دانت گاڑھے ہوئے تھے اپنے خنجر کی تیز دھار سے اس جگہ کو یوں چھیل دیا جیسے لکڑی کے اوپر سے چھال اتاری جاتی ہے۔ خنجر کی تیز دھار اور میرے زوردار دباؤ نے اژدھے کے منہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ مگر اس کے دونوں دانت میری پنڈلی میں ہی رہ گئے۔ اس دوران میں نے ایک بار پھر قلابازی کھائی تھی اور میں جنگل کی اس راہگزر پر آگرا تھا جدھر سے گزرے تھے۔ ادھر قدرے روشنی تھی۔ میری ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ اژدھے کے نوکیلے دانت فولادی کیلوں کی طرح پنڈلی میں ٹھنسنے ہوئے تھے۔ میں نے بڑی مشکل سے انہیں نکالا اور پھر بے پناہ تکلیف کے باوجود میں نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی۔ مگر ہائے ری قسمت۔ میں موت کے ایک اور چنگل میں پھنس گیا تھا۔ ایک نے مجھے دیکھ لیا تھا اور اس نے اپنے ساتھیوں کو خبردار کر کے نیزہ میری طرف پھینک دیا تھا جو سیدھا میرے پاؤں کے انگوٹھے کے درمیان میں آ کر گر اٹھا اور میں اس جگہ ساکت و جامد ہو گیا۔ میں نے اس لمحے بندوق کو کندھے سے اتارنا چاہا تو اپنی بے بسی اور بے دھیانی پر سر پکڑ کر رہ گیا۔ میری بندوق تو اژدھے کے ساتھ جنگ کے دوران جھاڑیوں میں گر گئی تھی جسے تلاش کرنا اب بے سود تھا۔

تھکے کا سہارا بھی نہیں تھا۔ میرے سامنے موگانا کا عفریت کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شیطانیت تھیں۔ موٹی مجھے نہتا کر چکے تھے۔ میرا خنجر بھی ان کے قبضے میں تھا۔ گویا میرے بچنے کا کوئی امکان نہیں تھا لیکن میں نے خود کو چیتے کے آگے بے بس نہیں ہونے دیا۔ البتہ مجھے اس کی آنکھوں کی پراسراریت دیکھ کر جھرجھری محسوس ہو رہی تھی لہذا میں نے اس کی آنکھوں سے نظریں چرانے کا فیصلہ کیا مگر یہ ایک شکاری کے اصولوں کے منافی بات تھی۔

شکاری کی آنکھ ہی کا یہ کمال ہوتا ہے کہ وہ شکار پر اپنی نظر مرکوز کر کے اس کے تیوروں کو بھانپتا رہتا ہے پھر اسے نشانے پر لیتا ہے۔ کافی عرصہ سے درندوں کے درمیان میں رہنے اور ان کا شکار کھیلتے ہوئے مجھے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ کون سا درندہ کس جانب سے حملہ کرے گا اور اس کی خلاف معمول حرکت کون سی ہو سکتی ہے۔ پس میں نے اپنے اندر کے خوف کو ختم کرنا شروع کیا اور اپنے باطنی حیوان کو جگانے لگا۔ یہ سارا لحاظ کا کھیل تھا۔ چیتا حملہ کرنے کے لئے جس کڑوٹ پر اپنے بدن کو سیکیڑ رہا تھا اس کا مطلب تھا کہ یہ سیدھی نشست لینا چاہتا ہے۔ میں نے بھی کن اکھیوں سے دائیں بائیں دیکھ لیا تھا کہ چیتے کے سیدھا حملہ کرنے کی صورت میں مجھے کس جانب تحفظ مل سکتا تھا۔ یہ میری خوش بختی ہی تھی کہ مجھے اپنی بائیں جانب دس قدم کے فاصلے پر ایک نیزہ زمین میں گڑا ہوا نظر آیا۔ اس کے اوپر کپڑے کی رنگ برنگی جھنڈیاں لہرا رہی تھیں۔ یہ موگانا کا مخصوص جھنڈا تھا۔ اس لمحے میرے ذہن میں یہ ترکیب آئی کہ جونہی چیتے نے مجھ پر حملہ کیا تو میں اپنی پوری قوتوں کو مجتمع کر کے اس نیزے کو حاصل کر لوں گا اور پھر اسی کی مدد سے چیتے کا مقابلہ کروں گا۔

اسی دوران چیتے نے برق کی سی رفتار سے مجھ پر چھلانگ لگا دی تھی۔ خدا جانے اس وقت مجھ میں اتنی پھرتی کہاں سے آگئی تھی۔ حالانکہ میری ٹانگ سے خون کافی بہہ چکا تھا اور اس میں شدید درد بھی ہو رہا تھا۔ چیتا میرے سر کے اوپر تک پہنچا ہی تھا کہ میں نے بائیں جانب قلابازی کھائی اور پھر دوسری ہی زقند میں نیزے تک پہنچ گیا۔ میں نے وحشیوں کے انداز میں نیزہ زمین سے اکھاڑا اور وحشیانہ چیخ ماری۔ میرا حیوان باطنی بھی انگڑائی لے کر پوری طرح چوکس ہو گیا تھا۔ اور اس کی حیات اسے چاروں طرف کے حالات سے مطلع کرنے لگیں۔

چیتے نے زمین پر گر کر ہی کروٹ لی تھی اور میری طرف دوڑا تھا۔ جونہی وہ مجھ

میں جنگلی درندوں اور اس کی سیاہ و مہیب دنیا کے قبائلیوں کے درمیان پھنس کر رہ گیا تھا۔ میں ان جنگلیوں کو جانتا تھا کہ انتقام اور دشمنی میں یہ لوگ انسان نہیں درندے بن جاتے ہیں اور اپنے دشمنوں کا گوشت بڑی رغبت سے کھاتے ہیں۔ ایک موٹی ہوا میں اچھلتا ہوا میرے پاس پہنچا تو اس دوران دوسرے بھی بھاگتے ہوئے آئے اور اپنے نیزوں کی انیاں میرے بدن میں چھوتے ہوئے موگانا کے مسکن میں لے گئے۔ موگانا کا مسکن کیا تھا، ایک عفریت تھا۔ اس کے جھونپڑے کے باہر جانوروں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں اور ان کی ہڈیوں اور سروں پر اس نے رنگ برنگے کپڑے لٹکائے ہوئے تھے۔ موگانا کا یہ طلسم کدہ جنگل کے کنارے پر تھا۔ اس وقت موگانا غالباً جھونپڑے میں تھا مگر جب ”موٹی“ اپنی مخصوص آواز میں چلائے۔

”اے عظیم موگانا! تیرا نافرمان تیرے پاس کھینچ لائے ہیں“

اس کے جواب میں ایک درندے کی غراہٹ سنائی دی۔ غالباً چیتے کی غراہٹ تھی۔ جھونپڑے کا پردہ ہٹا اور ایک سیاہ چیتا دروازے پر نمودار ہوا۔ اس کے عقب میں موگانا کھڑا تھا۔ یہ چیتا بھی انہی چیتوں جیسا تھا جنہیں میں نے باڑے میں ہلاک کیا تھا۔ موگانا کی آنکھوں میں قہر تھا۔ وہ چیتے کی کمر پر ہاتھ رکھ کر باہر نکلا۔ اس کے کاندھے سے ابھی تک خون بہہ رہا تھا۔ موگانا نے زہریلی نظروں سے مجھے دیکھا۔ پھر ایک ہاتھ سے اپنے زخمی کاندھے کا خون لگایا اور اپنے چیتے کے لبوں پر مل دیا۔ چیتے نے سرخ زبان لبوں پر پھیر کر خون چاٹ لیا اور انگڑائی لے کر اپنا سیاہ چمکیلا بدن کسے لگا۔ یہ دیکھ کر سب گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے اور مجھے چیتے کے سامنے اکیلا چھوڑ کر مسکن سے باہر جا کھڑے ہوئے۔

چیتے کو حملہ کرنے کے انداز میں دیکھا تو میرے اندر کا شکاری بھی بیدار ہو گیا۔ میرے آس پاس، چاروں طرف میرے دشمن کھڑے تھے اور مجھے اپنی مدافعت کے لئے کسی

بخود کھڑے تھے۔ میں نے غراتے ہوئے موگانا سے کہا ”اگر اپنی سلامتی چاہتے ہو تو انہیں حکم دو کہ میری بندوق اٹھا کر لائیں“

موگانا نے ہاتھ سے انہیں اشارہ کیا اور کہا ”بھاگو اور اس کی بندوق لے آؤ“

اس دوران میں موگانا کو دھکیلتا ہوا اس کے جھونپڑے کے پاس لے گیا اور اس کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اسی لمحہ میرے ذہن میں موگانا کی پراسرار بیت کا احساس ہوا اور میں نے سوچا کہ اگر اس شیطان انسان نے کوئی جادو وغیرہ کر کے مجھے لاچار کر دیا تو میں کیا کروں گا۔ میں اس کی پراسرار قوتوں کا قائل ہو چکا تھا۔ لہذا مجھے جو سمجھ آئی اس کے مطابق پہلے میں نے موگانا کا منہ کھولا اور پھر چابک اس کے منہ میں یوں ڈال دی جیسے گھوڑے کے منہ میں راس ڈالتے ہیں۔ میں نے چابک کو اس کی گردن کے پیچھے سے جکڑ لیا تھا۔ اس کا منہ کھلا تھا اور میرے دباؤ سے وہ تلملانا لگتا تھا۔ موگانا نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا کہ کوئی شخص اسے اس طرح لاچار کر سکے گا۔ وہ اپنے کالے علوم پر بہت زیادہ فخر کرتا تھا۔ خونی درندوں کے درمیان شب و روز گزارنے والا شخص واقعی ایسی قوتوں کا مالک ہو جاتا ہے کہ کوئی درندہ اس کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ لیکن میں نے جب اسے گھائل کر لیا تو وہ میرے ہاتھوں میں تڑپنے لگا تھا۔ میں نے اس روز بھر پور سفاکی دکھائی اور اس وقت تک اسے تڑپاتا رہا جب تک موٹی میری بندوق اٹھا نہیں لائے۔ میں نے بندوق اس کے ہاتھ سے لی اور اسے کاندھے پر ڈالا اور چیخ کر قبیلے کے سردار سے کہا۔

”مورژوا آگے بڑھو اور اپنے موگانا کی بے بسی پر آنسو بہاؤ..... ادھر آؤ اے احسان فراموش شخص..... میں نے تجھے تیرے قبیلے میں سب سے زیادہ مالدار بنایا مگر تو نے اس خبیث بوڑھے کے اشارے پر مجھے برباد کر دیا۔ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا..... مورژوا“

مورژوا نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے میرے سامنے آ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کا خوف و ہراس نہیں تھا۔ اس نے نیزہ اپنے سامنے زمین پر گاڑھا وہ بولا ”صاحب اگر تم موگانا کو چھوڑ دو..... تو میں ضمانت دیتا ہوں تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ لیکن اگر تم نے ہمارے عظیم موگانا کو مار ڈالا تو میں اپنے دیوتاؤں کی قسم کھا کر کہتا ہوں تم پھر یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکو گے۔ قبیلے کے چپے چپے پر موت پھندے لگائے گی تم کسی صورت یہاں سے فرار نہیں ہو

سے دو قدم پر پہنچا میں نے نیزہ پوری قوت کے ساتھ تاک کر اس کی دو آنکھوں کے درمیان مارا اور نیزے کی انی اس کی کھوپڑی کی ہڈی کو توڑ کر اندر گھس گئی۔ چھتے کے زور اور نیزے کے ردعمل میں مجھے جھٹکا لگا اور میں زوردار جھٹکے کے ساتھ پیچھے کو گر گیا۔ یہ وہی لمحہ تھا جب موگانا ہاتھ بلند کر کے زوردار آواز میں بڑبڑایا تھا اور اس کی آواز پر دو موٹی گدھوں کی طرح اڑتے ہوئے میرے پاس پہنچے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ انہوں نے آتے ہی مجھے نیزوں کے حصار میں لیا اور میرے کھڑے ہونے تک موگانا ہاتھ میں شیر کی کھال سے بنی ہوئی چابک لے کر میرے سر پر پہنچ گیا تھا۔ اس نے آتے ہی چابک مجھ پر برسانی شروع کر دی تو دونوں پیچھے ہٹ گئے۔

”سفید چمڑی والے..... تو ہمارے دیوتاؤں کا دشمن ہے۔ تو نے موگانا کی شیطانی قوتوں سے معرض وجود میں آنے والے درندوں کو مار دیا ہے تو میں بھی تجھے مار ڈالوں گا“

موگانا ہڈیاں بکتا ہوا مجھ پر چابک برساتا رہا۔ میں اس کی چابک کے وار سے بچنے کی کوشش کرتا تو دونوں اپنے نیزے سیدھے کر لیتے اور میرے بدن پر کچو کے لگانے لگتے جس سے نیزے کی تیز انبوں نے میرے بدن میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کر دیئے جس سے خون رسنے لگا۔ میں اس افتاد پر پریشان تھا اور میرا ذہن بھی چکرانے لگا تھا۔ مجھے اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو میں ہجیمان کی بڑھتی ہوئی شدت کے تحت موگانا کے ساتھ اس وقت لپٹ پڑا جب وہ چابک مارنے کے لئے میرے بہت قریب آ گیا تھا۔

موگانا بھی بری طرح گھائل تھا۔ اس کے بازو سے ابھی تک لہو بہہ رہا تھا۔ میں نے اس کی گردن کے گرد بازو کا حصار قائم کیا اور پھر تیزی سے اس کے ہاتھ سے چابک چھین لی اور اس کا سخت حصہ موگانا کے زخمی شانے پر زور سے مارا تو وہ بلبلاتا اٹھا۔

”پیچھے ہٹ جاؤ..... ورنہ میں تمہارے موگانا کو مار ڈالوں گا“

میں وحشیوں کے انداز میں چیخا اور اس کے ساتھ ہی کہا ”جاؤ اور اس جھاڑی سے میری بندوق اٹھا کر لاؤ“

سہم کر پیچھے ہٹ گئے تھے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ موگانا جیسا دلیر اور خوفناک شخص کسی بھیگے ہوئے گھائل پرندے کی طرح میرے قبضے میں آ جائے گا۔ موٹی دم

مورژوا کی بات ٹھیک تھی۔ میں موگانا کو قتل کر بھی دیتا تو مجھے کوئی فائدہ نہیں ملتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ مورژوا میں لاکھ برائیاں تھیں مگر جب وہ کوئی عہد کرتا تھا تو اس کو پورا بھی کرتا تھا تاہم میں نے کہا ”مورژوا! یہ خبیث موگانا عظیم نہیں ایک ذلیل اور شیطان شخص ہے۔ اس نے تمہیں برباد کر دیا ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ مجھ سے پہلے میرا باپ بھی یہاں رہا تو اس نے تمہیں اس جنگل کے درندوں سے بچایا اور پھر میں نے بھی تمہارے اس جنگل کو جنت بنا دیا۔ موگانا بد نیت آدمی ہے۔ یہ تمہیں برباد کر دے گا۔ اس لئے تم اس کی خاطر مجھ سے دشمنی نہ کرو“

مورژوا ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا اور پھر بولا۔

”صاحب! میں تمہارے اور تمہارے باپ کے احسانات تسلیم کرتا ہوں مگر ہم اپنی روایات کے باغی نہیں ہو سکتے۔ تم باہر کے آدمی ہو۔ ہم اپنے آدمیوں پر تمہیں کسی صورت افضل نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے تم یہاں سے چلے جاؤ۔“

مورژوا کی قبائلی عصبيت بالاخر ظاہر ہو گئی۔ وہ نیزہ زمین سے اکھاڑ کر سینہ تان کر چلایا ”اے عظیم موگانا کی روحوں تم گواہ رہنا۔ میں عظیم موگانا سے عہد وفاداری نبھاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں ہمارا عظیم موگانا اس سفید چمڑے والے شخص کے انتقام سے بچ جائے۔ مگر اے روحوں تم یہ بھی جان لو کہ میں اس شخص کو زندہ سلامت دیکھنا چاہتا ہوں اور اسے جنگل سے نکال رہا ہوں۔“

مورژوا کا رویہ میرے لئے ناقابل فہم نہیں تھا۔ اس نے اٹل فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر میں نے موگانا کو چھوڑ دیا تو وہ مجھے یہاں سے زندہ سلامت نکال دے گا۔ مگر مجھے موگانا کی خباثت سے کچھ بعید نہیں تھا۔ میں نے کہا ”مورژوا اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ موگانا مجھ پر کوئی حملہ نہیں کرے گا۔ اگر میں نے اسے چھوڑ دیا تو یہ زہریلا سانپ مجھے ڈسنے کی کوشش کرے گا۔“

”اے عظیم موگانا کیا تم اس کو معاف کر دو گے۔“

میرے خدشہ کے جواب میں مورژوا نے موگانا سے پوچھا تو اس نے فوراً اثبات میں سر ہلایا۔

”موگانا پر مجھے اعتبار نہیں ہے مورژوا..... مگر میں تمہارے اعتماد پر اسے چھوڑ رہا

ہوں“ ہی کہہ کر میں نے چابک اس کے منہ سے نکالی اور اسے مورژوا کی طرف دھکا دے دیا۔ موگانا گر تپڑتا موگانا کے پاس پہنچا اور پلٹ کر قہر آلود نظروں سے میری جانب دیکھنے لگا۔

”موگانا..... میں جانتا ہوں تو ایک پراسرار انسان ہے۔ مگر میں نہیں جانتا کہ تجھے میرے ساتھ کیا دشمنی ہے۔ لیکن ایک ایسی بات ہے جو میں جانتا ہوں“ یہ کہہ کر میں نے مورژوا کی طرف دیکھا۔

موگانا زہر خند مسکراہٹ کے ساتھ بولا ”نی الحال تجھے نہیں بتاؤں گا تجھے مورژوا نے تحفظ دیا ہے تو پھر جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلا جا۔ اگر تو نے موئی کے جنگلوں میں ٹھہرنے کی کوشش کی تو تجھے جلا کر راکھ کر دوں گا۔“

”اے عظیم موگانا..... میں اسے خود جنگل سے باہر چھوڑنے جاؤں گا“ مورژوا اس کے سامنے جھک کر بولا۔ موگانا نے اپنے زخمی کاندھے پر دھیرے سے ہاتھ پھیرا اور اپنے لہو کو لبوں پر پھیر کر کہنے لگا۔

”میں اپنے اس زخم کو بھول نہیں سکتا صاحب“ یہ کہہ کر وہ تیزی سے اپنے جھوپڑے میں داخل ہو گیا۔

مورژوا نیزہ لئے میری طرف آیا اور مجھے کہا ”آؤ میں تمہیں جنگل سے باہر چھوڑ آؤں۔“

میں نے پلٹ کر جھوپڑے کی طرف دیکھا اور پھر مورژوا کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا۔ اندھیرا اب چھٹ رہا تھا اور صبح کی نرم رو کر نہیں جنگل میں پھیل رہی تھیں۔ میرے بدن سے خاصا خون بہہ چکا تھا اور مجھ پر بھاگ دوڑ کی وجہ سے نقاہت بھی طاری تھی مگر میں نے اپنے حواس کو پھر بھی قابو کیا ہوا تھا۔ مجھے لڑکھڑاتے ہوئے دیکھ کر مورژوا نے کئی بار مجھے سہارا دینے کی کوشش کی تھی مگر میں نے ہر بار اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور کہا ”مورژوا ابھی میں اپنے قدموں پر چل سکتا ہوں۔“

راستے میں مجھے اس اجنبی دو شیزہ کا خیال آیا تو میں نے وہ جھاڑی تلاش کر کے اس کے پتے توڑ لئے جو وہ میرے لئے جنگل سے تلاش کر کے لائی تھی اور مجھے اس کا رس پلا کر مجھے صحت یاب کر دیا تھا۔ میں نے اس کے پتے چبانے کے بعد اس کا گودا پنڈلی کے زخموں پر لگایا

اور کچھ پتے چبانے کے بعد ان کا رس پی لیا تو کچھ ہی دیر بعد میرے بدن میں قوت سرایت کرنے لگی۔ مورژوا حیرت سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ پنڈلیوں سے خون رسنا بند ہو گیا تو اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے بندوق ہاتھ میں اٹھالی اور مورژوا سے کہا

”قبیلے کے دانشمند سردار میں تجھے ایک بات بتا دوں۔ میں نے واپس آتے ہوئے موگاٹا کی آنکھوں میں شیطانی چمک دیکھی تھی۔ وہ یقیناً مجھ پر حملہ کرے گا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں تو واپس چلا جا۔“

مورژوا سیدنتان کر بولا ”موگاٹا عظیم ہے ایسا نہیں کرے گا۔“

”یہ تمہارا وہم ہے۔ وہ درندہ ہے۔ اس نے تمہاری بیویوں پر نظر رکھی ہوئی ہے

مورژوا۔“

میری بات سن کر وہ اچھل پڑا ”تم..... یہ کیسے کہہ سکتے ہو“

”مورژوا کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے قبیلے کی روایت کیا ہے۔ تمہارے مرنے کے بعد تمہاری بیویاں اور سارے مویشی اس کے ہوں گے جو قبیلے میں سب سے زیادہ طاقتور ہوگا۔“

”مجھ سے زیادہ طاقتور کون ہے قبیلے میں۔ کس کی جرات ہے کہ وہ اپنے سرداری طرف نظر اٹھا کر دیکھے“ مورژوا نے قہر بھری نظر سے اپنے ان ساتھیوں کی طرف دیکھا جو ہمارے ساتھ آئے ہوئے تھے۔

”موگاٹا..... تجھے مار ڈالے گا مورژوا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے یہاں سے جاتے ہی وہ تجھے ختم کر دے گا۔ اس کی وجہ میں تمہیں بتانا ہوں“ یہ کہہ کر میں نے مورژوا کو ایک گرے ہوئے درخت پر بٹھایا اور کہا۔

”دیکھو مورژوا مجھے پہلے شک تھا مگر اب حالات کو دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ موگاٹا اگر تمہیں مارنے سے گریز کر رہا تھا تو اس کی وجہ صرف میں ہوں۔ وہ جانتا ہے کہ اگر اس نے تم پر ہاتھ ڈالا تو میں تمہارا دوست ہونے کی حیثیت میں تمہاری مدد کو پہنچ جاتا

اور اس طرح اس کا وہ خواب پورا نہ ہو پاتا جواب پورا ہونے والا ہے۔“

مورژوا میری بات سن کر غصے سے لرز اٹھا اور کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھو مورژوا۔ میری بات سنو۔ میں راستے پھر ان تمام باتوں پر غور کرتا رہا ہوں کہ موگاٹا آخر چاہتا کیا ہے۔ پس اس کی چال میری سمجھ میں آگئی ہے۔ اس نے پہلے تمہیں مجھ سے متنفر کرنے کے لئے اپنا جال پھیلایا۔ خدا کی مرضی سے اسی دوران میرے مویشی بیمار ہو گئے تو اس نے فوراً یہ منصوبہ بنایا تھا کہ تمہیں میرے خلاف کر دے۔ تم نے دیکھا کہ اس طرح ہم دونوں ایک دوسرے کے دشمن بن گئے تھے۔ کیا تم میری بات سمجھ رہے ہو مورژوا۔“

اس نے سر ہلایا۔ تو میں نے کہا ”موگاٹا ایک شیطان ہے۔ وہ درندوں کا پجاری ہے اور یہی درندے اس کے اشاروں پر ناپتے بھی ہیں۔ موگاٹا تمہارے قبیلے میں سب سے طاقتور ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ تمہیں مار کر وہ تمہاری بیویوں اور مویشیوں پر بھی قبضہ کر لے۔“

میں جوں جوں موگاٹا کے شیطانی منصوبے کے بارے میں سوچتا رہا مجھ پر اس کی سازشیں کھلنے لگیں۔ مجھے یقین سا ہو گیا تھا کہ اگر میرا ذہن صحیح سمت میں سوچ رہا ہے تو پھر موگاٹا ایک تیر سے دو شکار کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔ وہ مجھے اور مورژوا کو اکٹھے ہی مار ڈالے گا۔ یہ خیال آتے ہی میں نے چوکے ہو کر گرد و پیش میں دیکھا۔ اس دوران بہت قریب سے ایک شیر کے دھاڑنے کی آواز سنائی دی۔ مورژوا بھی کھڑا ہو گیا۔ میں نے بندوق کی گولیاں چیک کر لیں اور اس جانب دیکھنے لگا جدھر شیر دھاڑا تھا۔ اس طرف گھنی اور قد آور جھاڑیاں تھیں۔ ان پر لرزہ طاری تھا۔ جھاڑیوں کے اس طرح لرزے سے لگتا تھا کہ اس میں ایک سے زائد درندے ہیں۔ اسی لمحہ ہاتھی کے چنگھاڑنے کی آواز آئی اور پھر جھاڑیوں میں طوفان آ گیا۔ جھاڑیوں کے اندر سے شیر کے دھاڑنے اور ہاتھی کے چنگاڑنے کی آوازیں آرہی تھیں اور وہ جھاڑیاں سوکھے پتوں کی طرح بکھرنے لگی تھیں۔

جنگل کی دنیا میں یہ واقعہ انوکھا نہیں تھا۔ جھاڑیوں میں ہاتھی اور شیر کے درمیان جنگ ہو رہی تھی۔ جھاڑیاں ہمارے بہت قریب تھیں۔ میں نے مورژوا اور اس کے ساتھیوں کو فوراً وہاں سے ہٹنے کا اشارہ کیا اور ہم آگے بڑھ گئے۔ میں جانتا تھا کہ اس وقت جھاڑیوں کے قریب ٹھہرنا خطرناک ہوتا۔ ہاتھی اور شیر دونوں ہی پھرے ہوئے تھے۔ اچانک باہر نکلتے تو ان میں سے کوئی بھی درندہ ہم پر حملہ کر سکتا تھا۔ مورژوا بھی میری بات سمجھتا تھا لہذا ہم جلدی سے اس راستے پر ہوئے جو سانگ پھاں کی طرف جاتا تھا۔

ساگ پھاں یہاں سے 20 کوس کے فاصلے پر تھا۔ یہ دلدلی علاقہ تھا۔ میرا زیادہ دیکھا ہوا نہیں تھا۔ ہم کے جنگل کے کنارے پر پہنچ چکے تھے جب اچانک ایک چیتے کی غراہٹ سنائی دی تو اس کے ساتھ ہی ایک موئی نے بھی خوفناک چیخ ماری تھی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا تو ایک دھاری دار چیتا ایک موئی کو نیچے گرا کر اس کی گردن پر دانت گاڑے کھڑا تھا۔ اس سے قبل کہ میں بندوق سیدھی کرتا۔ مورژوانے اس سے پہلے ہی اپنا نیزہ چیتے کی طرف پھینکا مگر شومئی قسمت سے دوسرے موئی اچانک لڑکھڑایا اور نیزے کے راستے میں آ گیا۔ نیزہ اس کے سینے میں ترازو ہو گیا اور وہ چیتے کے اوپر گر گیا۔ چیتے نے پنجہ مار کر اس کو پرے ہٹایا اور کھڑا ہو کر مورژو کو دیکھنے لگا۔

چیتے کا یوں بے باکی سے اسے گھورنا کسی شیر کی مانند ہی تھا۔ عموماً شیر اپنے شکار کو ایسی نظروں سے دیکھتا ہے۔ ورنہ چار آدمی دیکھ کر چیتا بے باک نہیں ہوتا۔ چیتے کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا۔ دونوں اچانک موت کے منہ میں چلے گئے تھے اب صرف میں اور مورژو ہی رہ گئے تھے۔ اس سے قبل کہ چیتا مورژو پر حملہ کرتا، میں نے بندوق سیدھی کر کے اس پر فائر کرنا چاہا تو چیتا اچانک بائیں جانب زقند لگا کر جنگل میں غائب ہو گیا۔

”مورژو! چیتے نے دو انسانوں کا خون چاٹ لیا ہے۔ اب یہ ہم پر حملہ کرے گا۔“ میں نے اسے خبردار کیا اور کہا! ”ان دونوں کے نیزے پکڑ لو۔ میری بندوق میں صرف دو گولیاں ہیں۔ ہمارے پاس ہتھیاروں کی کمی ہے“ مورژو نے دونوں نیزے اٹھائے اور چونکے انداز میں اس جانب دیکھنے لگا جدھر وہ چیتا غائب ہوا تھا۔

”مورژو! تم مشکل میں پھنس گئے ہو میرے یار“ میں نے خلاف معمول تبسم خیز لہجے میں کہا۔ وہ میری طرف دیکھنے لگا ”اب تمہیں اکیلے ہی واپس جانا ہو گا۔ میں تو یہاں سے ساگ پھاں چلا جاؤں گا۔ ان راستوں پر اب خونی درندوں کی آمد شروع ہو چکی ہے۔“

مورژو کے چہرے پر خوف و ہراس اٹھ آیا اور وہ اس طویل خوفناک راستے کی طرف دیکھنے لگا جس پر چلتے ہوئے اسے واپس جانا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ جنگل کے درمیان سے گزرنے والے ہمیشہ دو دو تین تین ساتھیوں کے ہمراہ سفر کرتے ہیں۔ ایک ان خطرناک راستوں سے گزر نہیں سکتا۔

مورژو میری باتیں سن کر پریشان ہو گیا تھا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا تنہا واپس جانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہو گا۔ اس کے چہرے پر خوف و ہراس دیکھ کر میں نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔

”مورژو! میں آج بھی تمہارا خیر خواہ ہوں۔ بے شک تو نے موگاٹا کی سازش میں آ کر میرے خلاف جنگ شروع کر دی تھی مگر میں تجھے درندوں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑوں گا۔“ مورژو اظہار تشکر کے لئے میرے قدموں میں جھک گیا۔ مگر میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر سیدھا کر دیا اور کہا

”مورژو! میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میرے سامنے جھکا نہ کرو“

”صاحب۔ تم نے کیا سوچا ہے میں واپس کیسے جاؤں گا۔“

”دیکھو مورژو!۔ جہاں تک مجھے سمجھ آ رہی ہے۔ اس کے مطابق تو اب قبیلے میں تمہارا واپس جانا فضول ہے۔ موگاٹا اب تک تیری موت کا اعلان کر کے جشن منا رہا ہو گا اور تمہاری سب بیویاں اس کے لئے بناؤ سنگھار کر کے اس کے ساتھ اپنے حق وفاداری کی رسم نبھانے کی تیاریاں کر رہی ہوں گی اس لئے تم واپس جانے کا خیال چھوڑ دو۔“

میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گا“ مورژو کے چہرے پر چھایا ہوا خوف ختم ہو گیا تھا اور اس کی جگہ قبیلے کا جنگجو شجاع اور خونی سردار انگڑائی لے کر بیدار ہو گیا۔

”صاحب کیا تم نے مورژو کی طاقت نہیں دیکھی۔ میں اکیلا واپس جاؤں گا اور موگاٹا کو اپنے جشن منانے سے پہلے ہی مار ڈالوں گا۔“

”مورژو!۔ تم بھول رہے ہو موگاٹا کے پاس پراسرار طاقتیں ہیں۔ وہ تمہیں اپنے قریب بھی نہیں آنے دے گا۔“

مورژو شدت جذبات سے نیزہ زمین پر گاڑھ کر بولا ”مجھے اب اس کی شیطانی

تو توں سے کوئی خوف نہیں۔ میں اس کو اپنی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالنے دوں گا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی موٹی مرد زندہ ہو اور اس کی بیویوں اور مویشیوں پر کوئی دوسرا حق جتائے تو وہ پہاڑوں کو بھی ٹکریں مار مار کر پاش پاش کر دیتا ہے۔“

موٹی قبیلے کی یہ روایت بہت پرانی تھی۔ یہ لوگ ان دیکھے دیوتاؤں کے پجاری تھے تو ان کی شجاعت کو بھی چیلنج نہیں کیا جاسکتا تھا۔ مجھے مورژوا کی بدنی تو توں کا احساس تھا۔ یہ جب غصے میں آتا تو ہاتھی کو بھی اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر مار ڈالتا تھا۔ مورژوا کی یہ خصوصیت بھی تھی کہ وہ بلاوجہ اشتعال میں نہیں آتا تھا۔ اس میں صبر و استقامت اور دانش مندی بھی تھی ایسی باتیں عموماً جنگلی لوگوں میں خال ال ہی ملتی ہیں اس لئے میں مورژوا کی عزت بھی کرتا تھا اور اسے ہمیشہ نوازتا رہتا تھا۔

میں نے مورژوا کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور اس کا نیزہ زمین سے باہر نکالا اور اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ پھر کیا ”مورژوا میں جانتا ہوں میں جانتا ہوں کہ تم بے حد دلیر ہو اور جنگل کی اس دنیا میں تم سا کوئی بھی نہیں ہے۔ مگر میرے یار..... میں یہ بھی جانتا ہوں کہ میرا یہ دوست ایک عقل مند انسان ہے۔ وہ معاملہ فہمی کی بھی خصوصیت رکھتا ہے۔“

میری اتنی سی بات سے مورژوا کا غصہ سے بھرے ہوا سینہ معمول پر آ گیا۔ وہ بولا۔ ”مجھے احساس ہو رہا ہے صاحب۔ میں یہ جاننے لگا ہوں کہ موگاٹا نے واقعی میرے خلاف سازش کی ہے۔ میں اب اس بات پر شرمندہ ہو رہا ہوں کہ میں نے تمہاری دوستی اور خلوص پر شک کیا۔ حالانکہ موگاٹا تو کئی سالوں سے مجھے تمہارے خلاف ورغلا رہا تھا۔ مگر میں بلاوجہ تمہارے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھا رہا تھا۔ اس کے بعد موگاٹا نے میرے قبیلے میں کچھ نوجوانوں پر نظر التفات رکھی تھی وہ انہیں میری اور قبیلے کی نظروں میں ممتاز بنا رہا تھا۔ یہ دونوں نوجوان مجھے پسند نہیں تھے لیکن پچھلے کئی دنوں سے یہ دونوں غائب ہیں۔ میں سمجھا تھا انہیں جنگل میں درندوں نے شکار کر لیا تھا۔ میں نے ایک دو بار موگاٹا سے ان کے بارے میں دریافت کیا تھا۔ اس نے ٹال مٹول سے کام لیا تھا اور صرف یہ لفظ کہا تھا ”دیوتاؤں نے انہیں بلایا ہے۔ وہ واپس آ جائیں گے“ میں سوچتا ہوں کہ موگاٹا نے یہ کیوں کہا تھا۔ میں ذہن پر زور دوں تو مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ اس وقت جب موگاٹا نے دو نوجوانوں کو زبوتا اور موگی کے

بارے میں بتا رہا تھا کہ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک پیدا ہوئی تھی۔ تم ٹھیک کہہ رہے ہو صاحب۔ تمہارا اندازہ درست ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہوگا۔“

میں اس دوران حالات و واقعات پر خاصا غور کر چکا تھا اور مستقبل کا لائحہ عمل مرتب کر رہا تھا۔ میں نے کہا ”ہمارے پاس دور استے ہیں۔“

”وہ کیا“ اس نے پوچھا۔

”ایک تو یہ کہ تم میرے ساتھ سانگ پھاں چلو اور وہاں کے قبیلے کی مدد حاصل کر کے ہم واپس آئیں۔ اور دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم دونوں اپنے قبیلے میں واپس چلے جائیں۔“

”تو پھر فیصلہ ہو گیا“ مورژوا بولا ”ہم واپس چلیں گے۔ ویسے بھی سانگ پھاں والوں سے ہماری دشمنی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا اس دشمنی کو پروان چڑھانے میں بھی موگاٹا کا ہاتھ ہے۔ اودہ صاحب۔ میں جوں جوں اس شیطان کے بارے میں سوچ رہا ہوں مجھے اس کی سازشوں سے آگاہی حاصل ہو رہی ہے۔“ مورژوا غصے سے مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔ ”وہ چھڑ جتنا آدمی ہے مگر کام اپنے قد سے بڑے کر رہا ہے۔ اگر اس کے پاس دیوتاؤں کی قوتیں نہ ہوتیں تو میں اسے دو انگلیوں میں دبا کر مسل دیتا۔“

”موگاٹا ایک عفریت ہے مورژوا۔ تمہارے مذہبی عقائد نے تمہیں اس کے جال میں پھنسا دیا ہے۔ میں تمہاری دنیا کا آدمی نہیں ہوں۔ میں نے روشنیوں والے شہر دیکھے ہیں۔ تہذیب و تمدن کو دیکھا ہے۔ اس لئے میں ایسے کسی شخص کو نہ مانتا جو پر اسرار قوتوں کے ذریعے درندوں کو اپنا مطیع بنالیتا ہے مگر اب مجھے تمہارے آس پاس رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے ہیں اور مجھ پر بھی جنگلی دنیا کے اثرات غالب آ رہے ہیں اس لئے میں موگاٹا کی شیطانی قوتوں کو تسلیم کرنے لگ گیا ہوں۔ میں اس تجربہ سے گذرا ہوں۔ مورژوا۔ اس لئے میں اس کے خلاف قدم اٹھانے سے پہلے اپنی دفاگی پوزیشن بہتر بنانا چاہتا ہوں۔“

مورژوا نے استفہامیہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

”مجھے بارود چاہئے مورژوا۔ میرے پاس صرف دو گولیاں ہیں جو بندوق میں بھری ہیں“

”ہمارے پاس نیزے اور تیر ہیں کیا یہ کافی نہیں ہیں“ مورژوا نے کہا۔

”ان کی اپنی اہمیت ہے۔ لیکن تم جانتے ہو کہ جو کام بندوق سے لیا جاسکتا ہے

تیر و کمان اور نیزے وہ کام نہیں کر سکتے۔

”صاحب“ مورژ واچونکا ”میں ایک ایسا ٹھکانہ جانتا ہوں جہاں سے بارود مل سکتا ہے“ اس نے کہنا شروع کیا۔

”موگنا کے جھونپڑے کے پیچھے سے ایک راستہ اس پہاڑی گھپا میں جاتا ہے جہاں موگنا اکثر جایا کرتا ہے۔ میں ایک بار اس کے ساتھ وہاں گیا تھا۔ یہ راستہ ایک جنگل کے درمیان سے گزرتا ہے اور یہاں وحشی درندے ٹہل قدمی کرتے رہتے ہیں۔ تم یقین کرو کہ موگنا ان درندوں کے درمیان سے اتنی آسانی کے ساتھ گزر جاتا ہے کہ تمام درندے اس کو عقیدت اور ممنونیت سے دیکھتے ہیں۔ میں بہت خوفزدہ تھا مگر موگنا نے مجھے کہا تھا کہ ڈرو نہیں۔ ٹھہرو میں تمہیں یہ بتا دوں کہ موگنا نے گھپا میں جانے سے قبل ایک عجیب سی چربی میرے پورے بدن پر مل دی تھی جس سے عجیب سی بو آتی ہے۔ یہ ایسی بو ہے جیسی شیر کے پاس سے آتی ہے۔“

”تم نے گھپا میں کیا دیکھا“ میں نے اشتیاق و حسرت کے ساتھ کہا
”گھپا میں..... صاحب۔ اس گھپا میں دو بند و قیں تھیں بالکل ایسی جیسی تمہارے پاس ہیں۔ بارود بھی بہت سارا ہے۔ اور اس کے لئے تمہارے جیسے کپڑے ہیں وہاں۔ روشن قدیلیں ہیں۔ اس لالین جیسی..... جیسی تمہارے پاس تھی۔ موگنا کی پہاڑی گھپا میں شیر اور سیاہ چیتے پھرہ دیتے ہیں اور جب تک موگنا وہاں رہتا ہے یہ درندے اس کے تلوے چانتے ہیں“

مورژ وا کی زبانی موگنا کے اسرار جہاں کا ایک راز میرے سامنے آیا تو میں حیران رہ گیا۔ مجھے آج تک علم نہیں ہوسکا کہ یہ پراسرار شیطان انسان جنگل سے باہر بھی اپنا کوئی ٹھکانہ رکھتا ہے۔ میں نے پوچھا ”تم نے پوچھا نہیں تھا کہ اس نے یہ اسلحہ کہاں سے حاصل کیا تھا“

”میں نے پوچھا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ یہ سامان اس نے سانگ پھاں کے ایک شکاری کو مار کر حاصل کیا تھا۔ وہ اس شکاری کا نام نہیں جانتا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ شکاری اس کی گھپا میں پہنچ گیا تھا اور اس نے موگنا کی پراسرار قوتوں کے راز پال لئے تھے۔ موگنا نے اسے مار دیا تھا اور اس کی لاش کو گھپا میں ہی رکھ چھوڑا۔ موگنا نے اس کی لاش کو کیڑوں اور درندوں کی خوراک بننے سے بچانے کے لئے ایسی چربی چڑھا دی تھی جس سے وہ آج بھی

محفوظ ہے۔“

”موگنا وہاں روزانہ جاتا ہے“

”میرا خیال ہے کہ اس سیاہ رات کو وہاں جاتا ہے جس رات آسمان روشن نہیں ہوتا۔ میں بھی اسی رات اس کے ساتھ گیا تھا“

”اس رات تم نے وہاں اور کیا دیکھا۔ موگنا وہاں کیا کرتا رہا تھا“ میں نے دریافت کیا۔
”مجھے اس نے کھانے پینے کے لئے جنگلی پھل دیئے تھے اور کہا تھا کہ گھپا سے باہر نہ نکلوں۔ وہ خود باہر نکل گیا تھا۔ مجھے بس اتنا یاد ہے کہ گھپا سے باہر نکلتے ہی موگنا نے غراہٹ پیدا کی تھی اور پھر ایسا لگا جیسے بہت سارے درندے باہر اکٹھے ہو گئے ہیں اور ہیجان کے عالم میں غرانے لگے ہیں۔ موگنا کی غراہٹ ان کی غراہٹوں میں مل گئی تھی اور میں ان میں امتیاز نہیں کر سکا تھا کہ ان میں سے موگنا کی غراہٹ کون سی تھی۔ وہ بھی درندہ بن گیا تھا۔ ہاں وہ جب واپس گھپا میں آیا تو اس کی شکل ہی بدلی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سیاہ چیتے کی طرح چمک رہی تھیں اور اس کے منہ سے خون رال کی طرح بہہ رہا تھا۔ اس نے اس روز انکشاف کیا تھا کہ یہ درندے دیوتاؤں کے محافظ ہیں اور وہ ان درندوں کا بچاری ہے۔“

”درندوں کا بچاری“ میں بھونچکا رہ گیا۔ پھر مجھے اس تلخ اور فضول سی حقیقت کو تسلیم کرنا ہی پڑا۔ سیاہ چیتوں کا طاغوتی قوت کے تابع ہو کر مجھ پر حملہ کرنا اسی سلسلے کی کڑی ہو سکتی تھی۔ میں ابھی انہی سوچوں میں غطال تھا کہ مجھے اپنے آس پاس موت کی سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ درختوں پر چھپھاتے پرندے کسی آفت کو دیکھ کر اڑ گئے تھے اور درختوں اور جھاڑیوں پر ناچتے کودتے بندروں نے چلانا شروع کر دیا تھا اور پھر چھلانگیں مارتے ہوئے غائب ہو گئے تھے۔

مورژ وا کے اعصاب بھی تن گئے اور وہ نیزے پر گرفت مضبوط کر کے چاروں طرف گھوم کر گھنے درختوں اور جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا پھر ایک دم ہی وہ میرے عقب کی جانب رخ کر کے فضا سوگھنے لگا۔

”چیتا“ اس نے غراتے ہوئے کہا۔ اسی لمحہ جھاڑیوں میں یکایک سرسراہٹ ہوئی اور لگا جیسے کوئی چیز ان جھاڑیوں کا لبادہ اتار کر باہر نکلی ہے۔ یہی وہ لمحہ جاکسل تھا جب مورژ وا

کی آنکھوں سے وحشت اور درندگی ٹپک رہی تھی۔ میں نے اس کی ہیئت کذا کی کو نظر انداز کیا اور اس کے سینے پر گودہ لیپ دیا۔ چیتے کا مغز کھاتے رکا اور کچھ حصہ میری طرف بڑھا کر بولا۔

”صاحب! دیوتاؤں نے مجھ پر رحم کھایا ہے اور مجھے اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ موگاٹا کا کوئی واراب مجھ پر کارگر نہیں ہوگا۔ اگر تم بھی یہ مغز کھالو تو تم بھی محفوظ ہو جاؤ گے۔ اس نے خراب بھری انگڑائی لی۔

میں اس کا ہاتھ پیچھے ہٹا کر بولا ”میں نہیں کھا سکتا یہ“

”صاحب۔ میں نے کیا سوچ کر اس کا مغز کھایا ہے۔ تم جانتے ہو“ مورژوانے کہا

”میں نہیں سمجھ سکا“ میں نے اعتراف میں سر ہلایا۔

”یہ چیتا بھی موگاٹا کی طاغوتی قوتوں کے تابع تھا۔ میں نے اس کا مغز کھالیا ہے

اور اس طرح موگاٹا کی وہ قوتیں جو اس چیتے میں تھیں اب میرے اندر آ گئی ہیں“

میں نے تہقیر لگایا اور کہا ”مورژوا یہ بہت ہی فضول بات ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

بالفرض ایسا ہو بھی جائے تو اس کا مطلب ہے تم بھی اس چیتے جیسے بن گئے ہو اور کسی بھی وقت مجھ پر حملہ کر سکتے ہو۔ لیکن میرا خیال ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ مغز کھانے سے تمہیں طاقت تو مل جائے گی کسی قسم کی طاغوتی طاقت نہیں ملے گی“

میری بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ بولا ”اگر ایسا ہوا صاحب تو تم مجھے فوراً گولی مار دینا“

”ایسا ہرگز نہیں ہو گا میرے یار“ میں نے اسے تسلی دی اور کہا ”آؤ اب موگاٹا کی گچھا

میں چلتے ہیں۔ کالی رات آنے میں ابھی ایک روز باقی ہے۔ ہم اس جگہ سے بارود اور ہندو قیس حاصل کرنے کے بعد موگاٹا پر حملہ کریں گے۔ ویسے بھی میں اس شکاری کو دیکھنا چاہتا ہوں جسے موگاٹا نے ہلاک کر دیا تھا۔“

”ہم وہاں کیسے جاسکتے ہیں“ مورژوانے حیرت سے کہا پھر خود ہی بولا ”ہاں چلو چلتے ہیں“

اس وقت خاصی دھوپ پھیل چکی تھی اور جنگل کے تاریک راستے روشن ہو چکے تھے۔

مورژوانے اپنے دونوں ساتھیوں کے نیزے بھی اٹھائے اور اپنا نیزہ بھی چیتے کے سر سے نکال لیا۔ ہم بہت احتیاط کے ساتھ واپس قبیلے کی جانب چلنے لگے۔ ہمیں خدشہ تھا کہ اگر کسی نے ہمیں دیکھ لیا تو وہ شور مچا دے گا۔ اس لئے ہم راستے سے ذرا ہٹ کر جنگل کے اندر ہی اندر اس

نے میرے سینے پر زور سے دھکا مارا کہ میں پیچھے کوالٹ گیا اور چشم زدن میں وہ ہو گیا جس کی میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ عین اسی وقت ایک سیاہ چیتا اڑتا ہوا اس جگہ پہنچا تھا جہاں کچھ لمحے پہلے میں کھڑا تھا۔ مورژوانے اسی دوران فلک شکاف نعرہ مارا تھا اور پھر فضا میں چیتے کی دلدوز غراہٹ گونجی تھی۔ مورژوانے اڑتے ہوئے چیتے کی پیشانی پر تاک کر ایسا نیزہ مارا کہ چیتے کا سر دھوڑوں میں بٹ گیا اور اس کا بھیجا چھل کر باہر نکل پڑا۔ اس دوران میں کروٹ بدل کر ایک طرف کو ہو چکا تھا بعد ازاں چیتا اس جگہ گرا جہاں پہلے میں گرا ہوا تھا۔

میں اٹھا اور مورژوا کو گلے لگایا اور کہا ”تم نے آج اس ظلم کی سیاہی دھو ڈالی ہے جو تم نے موگاٹا کا ساتھ دیتے ہوئے میرے خلاف کئے تھے۔“

مورژوا بھی بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گیا اور بولا ”صاحب! اس سے پہلے تمہارے والد نے مجھے ایک بار اس طرح گلے لگایا تھا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی تھی۔ ہم نے سنا تھا کہ گورے کالوں کے ساتھ ہاتھ بھی نہیں ملاتے اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے ہم گوری چمڑی والوں کو مار ڈالتے تھے اور ان کا گوشت بھون کر کھا جاتے تھے۔ لیکن تمہارے والد اور پھر تم نے اس فرق کو ختم کر دیا۔ آج میں تم سے عہد کرتا ہوں کہ جب تک مورژوا کی رگوں میں خون رہے گا وہ تمہاری حفاظت کرے گا اور تمہاری حفاظت میں جان بھی قربان کر دے گا۔“

یہ کہہ کر مورژوانے اپنے ایک مردہ ساتھی کا نیزہ اٹھایا اور اس کی نوک سے اپنے سینے پر سوراخ کیا۔ خون کی دھار اس کے سینے سے نکلی تو اس نے ہتھیلی آگے کر کے خون اس میں بھر لیا اور پھر سینے کے زخم سے بے فکر ہو کر اس نے خون سے بھری ہتھیلی میرے سامنے کی اور بولا

”صاحب یہ میرے عہد کی صداقت ہے۔“ اس نے خون میرے سر پر گرا دیا۔ مجھے اس کی جانثاری اور خلوص پر رشک آنے لگا مگر اس کے سینے سے بہتے خون کو دیکھ کر اس کے زخم کو بند کرنے کے لئے وہی جھاڑی تلاش کی جو میرے لئے مصلح کا درجہ رکھتی تھی۔ میں نے جھاڑی کو درختوں میں دبا کر اس کا گودہ تیار کیا اور مورژوا کے زخم پر لگانے کے لئے اس کی طرف آیا تو وہ اس دوران چیتے کے بھیجے کو ہاتھوں میں لئے مزے لے لے کر کھا رہا تھا۔ مجھے بے حد کراہت سی محسوس ہوئی مورژوا کے منہ پر خون لگا ہوا تھا اور وہ بھیجے کو ہاتھوں میں مسل کر کھا رہا تھا۔ اس

جانب بڑھتے رہے۔ جب وہ کے جھوپڑے ایک کوس کے فاصلہ پر رہ گئے تو میں نے مورژوا کو اپنے باڑے کی جانب چلنے کا مشورہ دیا۔ موگاٹا کے جھوپڑے کی عقبی طرف جانے کے لئے ایک راستہ میرے باڑے کی پچھلی جانب سے بھی جاتا تھا۔ یہ نشیبی اور پرخطر راستہ تھا۔ البتہ اس جانب سے جانے کا یہ فائدہ تھا کہ اس طرف کم ہی جاتے تھے۔

میں جوں جوں باڑے کے قریب پہنچ رہا تھا میرے جذبات مشتعل ہو رہے تھے۔ ہم جھاڑیوں میں چھپے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ مجھے جھاڑیوں میں اپنے پالتو مردہ مویشیوں کی آدھ کھائی لاشیں نظر آ رہی تھیں۔ یہ مویشی گزشتہ رات کے ہنگامے میں جنگل میں الجھ کر رہ گئے تھے اور انہیں شیروں پھتوں اور دوسرے جانوروں نے اپنی خوراک بنالیا تھا۔ ابھی تک جنگل کے چھوٹے موٹے جانور ان مویشیوں کی لاشوں سے چپٹے ہوئے تھے جو ہمیں دیکھ کر بھاگ جاتے تھے۔ میں خون کے آنسو پینے پر مجبور تھا۔ میرا سارا باڑہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ میرے جھوپڑے سے بھی دھواں اٹھ رہا تھا۔ ہم باڑے کی پچھلی طرف اس نشیبی علاقے میں پہنچے جہاں میں نے بیماری سے مرنے والے مویشیوں کی لاشیں پھینکی تھیں اور انہیں جنگلی جانور کھاتے رہے تھے۔ ہم دونوں زمین کے کٹاؤ میں بنے ہوئے جھاڑیوں سے بھرے راستوں پر نیچے اترنے لگے تو ایک موڑ کو کاٹتے ہی جونہی ہم ایک بڑی اور کشادہ گِلڈنڈی پر پہنچے تو راستے میں دو شیر مست و ملنگ ہوئے استراحت فرماتے نظر آئے۔ ہم دونوں ٹھٹھک گئے کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا۔ دائیں بائیں عمیق گڑھے تھے۔ آگے بڑھنے کے لئے ہمیں ان شیروں کو مار کر ہی راستہ مل سکتا تھا۔ میرے پاس بندوق تو تھی اور اس میں گولیاں بھی تھیں۔ اگر بندوق سے انہیں مار ڈالتا تو اس سے جنگل میں ہماری موجودگی موگاٹا کو بیدار کر دیتی اور پھر وہ ایک نئی مصیبت بن کر ہمارے سامنے آ جاتا۔ ویسے بھی ہمارے سامنے تمام راستے اندھے تھے۔ کچھ معلوم نہیں تھا کہ ان شیروں سے آگے کتنے درندے اور ہوں گے جو اسی طرح مویشیوں کا گوشت کھانے کے بعد قلیو لے فرما رہا ہوتے۔

مورژوا نے مجھے شش و پنج میں دیکھا تو سرگوشی کے عالم میں بولا ”میرے پاس تین نیزے ہیں ان دونوں کے لئے دو نیزے ہی کافی ہوں گے“

میں نے اسے منع کیا اور کہا ”میں ان شیروں کے ساتھ جنگ کرنے کے موڈ میں

نہیں ہوں“

”میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ شیر چوں چوں بھی نہیں کر سکیں گے۔“

”مورژوا ہمیں ایسی حماقت نہیں کرنی ہوگی۔ تم دیکھ رہے ہو کہ ہم اس وقت ایک ایسے مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے شیروں کو نشانہ بنانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ دونوں شیروں کے سر ایک دوسرے کے جسموں میں گڈمڈ ہو چکے ہیں۔ اگر میں گولی چلاؤں یا تم نیزے برساؤ گے تو نشانہ ان کے پیٹ یا ٹانگیں بنیں گی۔ اس سے وہ زخمی ہو جائیں گے اور وہ ہم پر حملہ کر دیں گے۔ نیزے ان پر پھینکنے کے بعد ہم نہتے ہو گئے تو پھر منزل تک پہنچنا دشوار ہوگا“

ہم دونوں فی الحال گِلڈنڈی کے اس مقام پر کھڑے تھے جہاں سے ہمیں آڑ بھی حاصل تھی۔ مورژوا بولا ”کیا ہم خاموشی کے ساتھ ان کے پاس سے گزر نہیں سکتے“

”اس سے بڑی بے وقوفی کیا ہوگی کہ ہم خود نوالہ بن کر ان کے منہ میں داخل ہو جائیں“ میں نے درشتی سے کہا اور پھر اسی لمحے ایک عجیب سے احساس اور دھم سے میرے بدن میں سنسنی پھیل گئی۔ مورژوا بھی چونکا ہو گیا اور ہڑبڑا کر پہلے سوئے ہوئے شیروں کو دیکھنے لگا جو ہر طرح کے خطرات سے بے نیاز ہو کر ایک دوسرے کے ساتھ باہم مل کر سو رہے تھے اور پھر وہ ادھر دیکھنے لگا جدھر سے ہم آ رہے تھے۔ وہ ہراساں تو نہ ہوا البتہ اس کے تیور اور جارحیت بڑھ گئی اور وہ بولا ”شیر آ رہا ہے صاحب“

یہ سنتے ہی میرے حواس اڑنے لگے کیونکہ ہمارے پاس پناہ کا کوئی راستہ نہیں تھا اور ہمارے دونوں طرف کے راستوں پر شیروں کا تسلط قائم ہو چکا تھا۔ اسی لمحہ میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی اور میں نے اسے کہا ”تمہاری حسرت اب پوری ہونے کا سہ آ گیا ہے۔ تم اس شیر کو اپنے نیزے کی مدد سے شکار کرو کیونکہ اس کا رخ تمہاری طرف ہوگا۔ تم اس کی پیشانی کو آسانی سے نشانہ بنا سکتے ہو۔ اور میں اس دوران ان شیروں کو راستے سے ہٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔“

یہ سنتے ہی مورژوا نے ایک نیزہ مجھے دیا اور دو نیزے ہاتھوں میں تول کر اس تنگ گِلڈنڈی کی طرف واپس ہو لیا جدھر سے شیر آ رہا تھا۔

خاموش نہیں ہوا بلکہ اس دوران نشیب میں پتھر بھی پھینکتا رہا۔ میں شیروں کو دھوکا دینے میں تو کامیاب ہو گیا تھا اور دونوں شیر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

دونوں گرائڈیل قسم کے درندے تھے۔ ان میں سے ایک بر شیر تھا اور دوسری شیرنی تھی۔ بر شیر کی گردن پر بھوری ایال تھی اور جلال و قہر سے اس کی آنکھیں نشیب کی طرف دیکھ رہی تھیں جبکہ شیرنی کی شفاف کھال ایال کے بغیر سنہری کرنوں کی طرح چمک رہی تھی۔ دونوں اندازہ کر رہے تھے کہ گائے کس جانب ہوگی۔ بر شیر نے فضا میں اپنے نتھنے پھیلانے اور گائے کی بو محسوس کر کے اس کی موجودگی کا اندازہ کرنے لگا۔ جبکہ شیرنی اپنے خمار میں شیر کی گردن کے ساتھ اپنا منہ سہلا رہی تھی۔ دونوں پر رومانس کا موسم تھا۔ لیکن ہماری بے جا مداخلت نے ان کی تنہائیوں کو منتشر کر دیا تھا۔ شیرنی طوعاً کرہاً اپنے نر کی تقلید میں اٹھ تو بیٹھی تھی مگر اس کا رویہ بتا رہا تھا کہ اسے فی الحال نئے شکار کو حاصل کرنے کی تمنا نہیں تھی۔

مجھے اسی وقت احساس ہو گیا کہ میں ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہا ہوں کیونکہ ایک گائے کی مصنوعی آواز سے شیروں کو جگایا تو جاسکتا ہے مگر جب تک انہیں گائے کے وجود کی بو نہیں آئے گی وہ کسی صورت اس جانب نہیں بڑھیں گے۔ ویسے تو پگڈنڈی کے نشیبوں میں مردار گائے کے تعفن سے بھری بدبو پھیلی ہوئی تھی مگر کسی زخمی اور زندہ گائے کی اپنی بو ہوتی ہے جسے گوشت خور درندے بخوبی پہچان لیتے ہیں۔ میں نے انہیں گائے کے دھوکا میں تو مبتلا کر دیا تھا مگر انہیں نشیب میں اترنے پر مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ بر شیر دوسرے شیروں سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ یہ شیر پہاڑوں اور ریتلے میدانوں میں رہنا پسند کرتا ہے جبکہ دوسرے شیر سرسبز جنگلوں کی دنیا میں حکمرانی کرتے ہیں۔ بر شیر اور دوسرے شیروں میں شکار پر حملہ کرنے کی اپنی جبلت ہوتی ہے۔ بر شیر شکار پر لمبی چھلانگ لگا کر حملہ نہیں کرتا بلکہ دوڑتا ہوا شکار کے پاس پہنچتا ہے اور پھر پنجہ مار کر اسے ہلاک کر دیتا ہے۔ بر شیر اور شیر میں پھرتی اور طاقت کا بھی بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ شیر پھرتی اور قوت میں چلتا پھرتا پہاڑ ہوتا ہے جبکہ بر شیر میں پھرتی اور کودنے کی زیادہ قوت نہیں ہوتی۔ بر شیر میں نہ تو اس قدر سکڑنے تیزی کے ساتھ مڑنے اور چھپنے کی تدبیر ہوتی ہے (جیسی کہ شیر میں ہوتی ہے) اور نہ ہی وہ شکار کی تاک میں بیٹھتا ہے۔

اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ بر شیر بے اعتنائی اور شان بے نیازی اور دیدہ

مجھے مورژوا کی طاقت اور شیر کو مارنے کے اس کے روایتی طریقہ پر کسی قسم کا شک نہیں تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر پگڈنڈی کی طرف سے آنے والا شیر تنہا ہے تو مورژوا کے لئے اس کو مارنا زیادہ مشکل نہیں ہوگا۔ لیکن اس وقت یہ مسئلہ میرے لئے جانکسل بن گیا تھا کہ میں ان دو شیروں کو اپنے راستے سے کیسے ہٹاؤں۔ معاً مجھے یاد آیا کہ مورژوا جس شیر کو مارنے گیا ہے وہ اتنی خاموشی سے نہیں مارے گا۔ شیر اسے دیکھ کر دھاڑے گا تو جواباً مورژوا بھی دوں کے انداز میں شیر کو چڑائے گا جس سے شیر اور مورژوا میں خونریز جنگ کا بھی امکان پیدا ہو سکتا تھا اور اس شور شرابہ کی وجہ سے یہ دونوں شیر اٹھ پڑیں گے۔ ایسی صورت میں ان کو روکنے کے لئے گولی چلائی جاسکتی تھی۔ یہ خیال آتے ہی پہلے میں مورژوا کی طرف لپکا اور اسے منع کر دیا کہ وہ شیر کو چڑانے کی حرکت نہ کرے۔ بلکہ جتنی خاموشی سے اسے ہلاک کر سکتا ہے کر دے۔

میں جلدی سے واپس لوٹا اور پھر میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور دونوں شیروں کے قریب کا نشانہ لے کر اس طرح پھینکا کہ پتھر زور شور سے لڑکھڑاتا ہوا نشیب میں پھسل جائے۔ پتھر عین نشانے پر گرا اور نیچے کوڑھک گیا جس سے دونوں شیر لحظہ بھر کے لئے چونکے اور ان کے سروں میں جنبش ہوئی۔ اسی لمحہ میں کسی زخمی گائے کے انداز میں بلبلایا۔ اور پھر ایک دوسرا پتھر نشیب میں گرا کہ دوبارہ سہ بارہ گائے کے انداز میں بلبلاتا رہا۔ مویشیوں کے پاس رہ رہ کر مجھے ان کے انداز میں بولنے، غرانے اور دھاڑنے کا طریقہ آ گیا تھا۔ میرا منصوبہ توقع کے عین مطابق پورا ہو گیا۔

میں نے شیروں کو دھوکا دینے کے لئے یہ تاثر پیدا کیا تھا تاکہ انہیں یہ محسوس ہو جائے کہ ایک تازہ شکار ان کے پاس پہنچ چکا ہے۔ میں نے جب دیکھا کہ تیر نشانے پر گرا ہے تو گائے کی آواز بار بار نکالتا رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ دونوں شیر پہلے تو اپنی روایتی شان بے نیازی کے ساتھ گردنیں اٹھا کر دونوں طرف کے نشیب میں دیکھنے لگے۔ میں گائے بن کر

دلیری کا مجسمہ ہے تو غلط نہیں ہگا۔ شیر حملہ میں نہیں رکتا جبکہ برتیز ٹراٹ یا گیلپ سے آکر شکاری کے سامنے ٹھہر جاتا ہے پھر پنجہ اٹھا کر جسم تولتا ہے اس کے بعد مارتا ہے۔

بر شیر کی قوت شامعہ شیر کی نسبت کم ہوتی ہے۔ شکاری بر شیر کو ایک خطرناک درندہ سمجھتے ہیں کیونکہ شیر کی نسبت اس پر گولی چلانا ایک امتحان سے کم نہیں ہوتا۔ بر شیر جب بھاگتا ہوا آتا ہے تو اس کے جسم پر نظر ٹھہرانا مشکل ہوتا ہے۔ اس کا بدن زمین پر پٹنڈولم کی طرح جھولتا ہوا آتا ہے اور نظر ٹھہرا کر اس کا کارگر گولی چلانا دوبھر ہوتا ہے۔ ویسے جب بر شیر انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی ہیبت ناک آواز غوہوں سے مشابہ ہو جاتی ہے اس کی قوت اور پیوڑے پن کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ آواز کس جانب سے آرہی ہے۔

میں نے کئی مرتبہ بر شیر کو انسان پر حملہ کرتے دیکھا ہے۔ میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ آغاز حملہ سے قبل یہ آواز شروع ہوتی ہے آواز ختم کرنے سے قبل بر شیر اپنی جگہ سے روانہ ہو چکا ہوتا ہے۔ اس آواز کی وجہ سے اکثر شکاری..... بر شیر اور اپنے درمیان کے فاصلہ کا اندازہ نہیں کر پاتے اور دھوکے میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بر شیر کی آواز کی گونج فضا کا سینہ شق کر دیتی ہے اور راہروں پر اپنا طلسم اس قدر مضبوط کر دیتی ہے کہ کہریں اس کی غراہٹ اور دھاڑ کر دور دور تک پھیلا دیتی ہیں اور کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ بر شیر جب دھاڑا تھا تو اس کے ارادے کیا تھے۔

شکاری عموماً یہ تصور کرتے ہیں کہ بر شیر فی الحال دھاڑ رہا ہے اور حملہ اس کے بعد کرے گا مگر ہوتا یہ ہے کہ بر شیر جب دھاڑتا ہے تو شکار اور شکاری کو اپنی آواز کی ہیبت اور سحر میں مبتلا کر دیتا ہے۔ چشم زدن میں بر شیر آواز کے خاتمہ سے قبل ہی شکار کے سر پر پہنچ چکا ہوتا ہے۔ بر شیر اور اس کی مادہ کے مزاج میں قدرے فرق ہوتا ہے۔ بر شیر اپنا شکار عموماً کم ہی کرتا ہے۔ اس کے لئے شکار اس کی مادہ کرتی ہے۔ اگر بر شیر کو ہوک لگی ہو تو با امر مجبوری وہ شکار پر نکلتا ہے۔ ورنہ پیٹ بھرا ہونے کی صورت میں وہ ایک ہی جگہ پڑا رہتا ہے۔ اس وقت جو صورتحال تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ شیرنی کا پیٹ بھرا ہوا تھا یا نیت میں فتور تھا جبکہ بر شیر کا پیٹ خالی تھا اور نئے تازہ شکار کا وجود تلاش کر رہا تھا۔

اس دوران میرے عقب میں مورژوا اور شیر کے درمیان جنگ شروع ہو گئی تھی۔ شیر بڑے زوردار انداز میں گر جاتا تھا اور پھر مجھے پگڈنڈی پر زلزلہ سا محسوس ہوا۔ شیر کی دھواڑ اور

اس کے دوڑنے سے اندازہ ہو گیا کہ مورژوا کا مد مقابل بھی بر شیر ہے۔ اس کے بھاری بھر کم وجود سے پگڈنڈی کی چکی زمین تھرا رہی تھی اور وہ غالباً دوڑتا ہوا اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میرے لئے یہ لحاظ کسی امتحان سے کم نہیں تھے، مجھے اپنے سامنے بھی نظر رکھنی تھی کیونکہ بر شیر کی دھاڑ سنتے ہی دونوں بر شیر بھی چونک پڑے تھے۔ شیرنی نے اپنے بر شیر کی ایال سے منہ نکالا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ اس وقت ایک عجیب بات ہوئی۔ شیرنی نے جس تیزی کے ساتھ ادھر دیکھا تھا اس میں حیرت بھی نظر آرہی تھی۔

اسی اثنا میں مورژوا کا مد مقابل شیر دوبارہ دھاڑا تھا اس کی دھاڑ سنتے ہی شیرنی نے پہلے بر شیر کو دیکھا پھر چشم زدن میں نشیب میں چھلانگ لگائی اور نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اپنی مادہ کو بھاگتے دیکھا تو بر شیر رعب شاہی سے غرایا اور کنارے پر آکر شیرنی کو دیکھتا رہا جو اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ بر شیر نے اب میری جانب رخ کر لیا تھا اور وہ بھی جواباً دھاڑا تھا۔ اس سے مجھے موگر یاد آ گیا اگر وہ میرے ساتھ ہوتا تو یقیناً شیروں کے درمیان ہونے والی اس دھاڑ اور شیرنی کے بھاگنے کا فلسفہ بیان کرتا۔ بر شیر کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو میں نے فوراً بندوق سیدھی کی لیکن پھر اس کو اپنے قدموں میں رکھا اور میں نے بھی نیزہ ہاتھوں میں لے لیا۔

بر شیر آہستہ آہستہ میری طرف بڑھ رہا تھا۔ اس دوران مجھے عقب سے بر شیر اور مورژوا کی دہشت گھری گونج سنائی دی اور پھر دوفر جذبات سے بھری مورژوا کی چپک سنائی دی ”صاحب! میں نے موزی کو مار ڈالا“ اتنی دیر میں میری جانب والا بر شیر بہت قریب آ گیا تھا اور پھر میری بوسوگھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔

مورژوا نیزہ لئے میرے پاس آ گیا اور جونہی اس نے بر شیر کو میری جانب بڑھتے دیکھا تو بولا

”صاحب پیچھے ہٹ جاؤ میں اس کو بھی مار ڈالوں گا“

مورژوا کا چہرہ بر شیر کے خون سے لٹھڑا ہوا تھا اور وہ اپنی سرخ زبان ہونٹوں پر پھیر کر خون چاٹ رہا تھا۔ اس کی شکل دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ انسان ہی تھا۔ اس کے چہرے سے درندگی اور وحشت ٹپک رہی تھی۔ میں نے اسے آگے بڑھا دیا اور کہا ”یہ بر ہے

مورژوا ذرا سنبھل کر، اس نے مجھے عجیب سی سرشار و متکبر نظروں سے دیکھا اور سینہ تان کر آگے بڑھ گیا۔

بر شیر غموں کر کے غرایا اور پھر بھاگتا ہوا مورژوا کی طرف بڑھا۔ میں اس کے پیچھے مورچہ سنبھال کر کھڑا ہو گیا تھا۔ میں نے ہندوق اٹھا کر کاندھے سے لٹکا لی تھی تاکہ اگر صورتحال توقع کے برعکس نکلے تو مجھے ہندوق کو ہی آخری سہارا بنالینا تھا۔ مورژوا دونوں پاؤں پھیلا کر قدرے جھکا دونوں ہاتھوں میں نیزے تولتا ہوا وہ اپنے قدموں پر کسی چٹان کی طرح جم گیا۔ بر شیر دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا اور پھر جلال شاہی کے ساتھ مورژوا کے سامنے آ گیا۔ مورژوا اسی لمحہ کا منتظر تھا۔ اس نے نیزہ تاک کر بر شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان مارنا چاہا تو اسی لمحہ بر شیر نے پنجہ اٹھایا اور اتنی تیزی کے ساتھ مورژوا کو مارا کہ اس کے ہاتھ سے نیزہ گر گیا۔ مورژوا اسی وقت مینڈک کی طرح چھدک کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا ورنہ بر شیر کا پنجہ اس کے سینے پر پڑتا تو اس کا کلیجہ پھٹ جاتا۔ بر شیر اور مورژوا دونوں ہی اپنے حملے کا کام ہوتے دیکھ کر جھلا گئے۔ بر شیر تیزی سے آگے بڑھا تو مجھے خدشہ ہوا کہ مورژوا کو اس بار بھی اسے نشانہ بنانے میں دقت پیش آ سکتی۔ مورژوا کی حیات بھی بیدار تھیں۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اتنے قریب سے بر شیر پر حملہ کرنا مناسب نہیں ہو گا یہی سوچ کر وہ دو قدم مزید پیچھے ہوا تو بد قسمتی سے اس کا ایک پاؤں پگڈنڈی کے کنارے کی کچی مٹی پر پڑا اور وہ ایک جانب کو لڑھک گیا۔

عین اسی وقت بر شیر اس کے سر پر پہنچ گیا۔ مورژوا آدھی پگڈنڈی پر تھا اور آدھا نشیب میں۔ بر شیر کی دسترس سے اسے بچانا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ میں جھٹ سے آڑ سے باہر نکلا اور نیزہ تان کر ہش ہش کر کے بر شیر کو اپنی جانب متوجہ کرنے لگا اور ساتھ ہی میں تیز آواز میں بولا ”مورژوا سنبھلنا“ یہ کہہ کر میں نے نیزہ ہاتھوں میں تولیا اور بر شیر کے ماتھے کا نشانہ لے کر نیزہ پھینک دیا۔ قبیلے میں رہتے ہوئے میں نیزے کی مدد سے جانوروں کا شکار کرنے میں ماہر ہو چکا تھا اور اس سے قبل کئی بار شیروں کو نیزے اور تیر کی مدد سے گھائل کر چکا تھا۔ بر شیر اپنی جگہ پر جمنا ہوا مجھے دیکھ کر گردن ہلانے لگا۔ نیزہ اس کے ماتھے کی بجائے اس کی آنکھ کے قریب لگا اور اس میں پیوست ہو گیا۔ بر شیر نے دلدوز غراہٹ لی اور اس نے آنکھ میں لٹکے ہوئے نیزے کو پنجہ مار کر نکال دیا۔ خون کا فوارہ اس کی آنکھ سے پھوٹ پڑا۔ مورژوا

بھی صورتحال سمجھ گیا تھا۔ اس نے غفلندی دکھائی اور خود کو نشیب میں گرالیا۔ زخمی بر شیر اپنا سارا غصہ اس پر نکال سکتا تھا اور اس بات کی توقع تھی کہ وہ اس پر کود پڑتا۔

بر شیر کی ایک آنکھ بند ہو گئی تھی اور خون آبشار کی طرح اس کی آنکھ سے پھوٹ رہا تھا۔ وہ غضب و کرب کے عالم میں گر جاتا تو جنگل اور نشیب میں ہلچل سی مچ گئی۔ اس سے قبل کہ بر شیر مزید قیامت مچاتا۔ میں نے مورژوا سے کہا ”مورژوا جلدی سے اٹھو اور نیزہ میری طرف پھینک دو“

مورژوا کسی جنگلی چھپکلی کی طرح ریٹکتا ہوا نشیب سے باہر نکل آیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر اسے اوپر کھینچ لیا اور پھر نیزہ مجھے دینے کی بجائے وہ بر شیر کی طرف بڑھ گیا۔ بر شیر ابھی تک اپنی جگہ پر کھڑا تھا اور دھاڑ کر اپنے غضب کی آگ تیز کر رہا تھا۔ اسی اثنا میں مورژوا اس کے قریب پہنچا اور پھر اس نے تاک کر نیزہ بر شیر کے سر پر دے مارا۔ نیزہ اس کے ماتھے کی ہڈی چیر کر اندر تک گھس گیا اور پھر بر شیر آخری بار غرا کر نشیب میں لڑھک گیا۔

مورژوا نے مجھے ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا ”آؤ صاحب جلدی سے نکل چلیں“ اب راستہ تو صاف ہو چکا تھا مگر اس کشمکش میں خاصا وقت گزر چکا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ بر شیر کے زخمی ہو کر دھاڑنے سے اگر کسی نے اس طرف توجہ دی تو ہمارے لئے اپنی منزل کی طرف بڑھنا مشکل ہو جائے گا۔ لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ہم جنگل کے اس عقبی جانب پہنچ گئے تھے جہاں سے موگاٹا کے خفیہ ٹھکانے پہاڑی گھسا کو راستہ جاتا تھا۔ مورژوا نے راستے کی نشاندہی کی اور پھر رک کر میرا چہرہ دیکھنے لگا۔

”صاحب ہم وہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ تمام راستے پر خونی درندوں کی حکمرانی ہے۔“

”اس کا حل ہے میرے پاس“ میں نے اسے تسلی دی اور کہا ”تم نے بتایا تھا کہ موگاٹا کے پاس ایسی چربی ہے جو بدن پر لگائی جائے تو درندے پاس نہیں آتے“

اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور سر ہلایا۔ پھر بولا ”وہ چربی تو موگاٹا کے جھوپڑے میں ہے“

”پہلے ہم موگاٹا کے جھوپڑے میں جائیں گے“

میں نے کہا تو مورثا کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا ”اس کے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہے“

ہم دونوں درختوں کی آڑ لے کر موگاٹا کے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگے تو جھاڑیوں میں خوفناک سانپوں اور چھوٹے موذی جانوروں سے بچ بچ کر نکلنا ہمارے لئے پل صراط پر چلنے کے مترادف تھا۔ مجھے سیاہ چیتے کے حملے کا بھی غدشہ تھا۔ یہ چیتے موگاٹا کی حفاظت کرتے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ یہ چیتے اس کے جھونپڑے کے پاس بھی ہوں گے۔ مگر خوش قسمتی ہمارا ساتھ دے رہی تھی۔ ہم موگاٹا کے جھونپڑے کے پاس پہنچے تو ہمیں ”بستی“ کی طرف سے ڈھول پیٹنے اور ہاؤ کاو کار کی آوازیں آنے لگیں۔ ڈھول ایک خاص ردھم میں بج رہا تھا۔ یہ آواز و آہنگ اس بات کی علامت تھا کہ بستی میں تمام اکٹھے ہیں اور کسی کی تاجپوشی کی جارہی ہے۔ میں نے مورثا کی طرف استہزاء سے نظروں سے دیکھا۔ اس کا چہرہ شدت غضب سے بگڑ رہا تھا۔ وہ بولا ”صاحب تمہاری بات ٹھیک نکلی ہے۔ موگاٹا بستی میں نئے سردار کی تاجپوشی کر رہا ہوگا۔ میں ابھی جا کر پوری بستی والوں کو بتا دوں گا کہ تمہارا سردار زندہ ہے۔ تم اس شیطان موگاٹا کی اطاعت چھوڑ دو“

میں نے مورثا کو سمجھا بھلا کر اسے خطرناک ارادوں سے باز رکھا۔ میں نے کہا ”اب تمہارا وہاں جانا موت کے منہ میں جانے کے مترادف ہوگا۔ تمہیں اپنا سردار تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ موگاٹا اب تک نیا سردار بنا چکا ہوگا“

موگاٹا کے جھونپڑے کا پردہ ہوا سے ہل رہا تھا۔ ہم نہایت تیزی کے ساتھ جھونپڑے میں داخل ہوئے اور مورثا کی نشاندہی پر وہ ڈبی حاصل کر کے اپنے بدنوں پر اس کی مالش کر لی اور پھر جھونپڑے سے باہر نکل آئے۔ اس چربی کے جادوئی اثرات کا ہمیں اسی وقت اندازہ ہو گیا تھا۔ ہم کچھ فاصلے پر ہی پہنچے تھے کہ ایک سیاہ چیتا اچانک جھاڑیوں سے نکلا اور ہمیں غضب ناک نظروں سے گھورنے لگا۔ مگر اگلے ہی لمحے فضا میں مانوس بوسو گھمتے ہی اس کی نظروں کا قہر بے بسی میں بدل گیا اور وہ کسی سحر زدہ غلام کی طرح ہمارے آگے آگے چلنا لگا۔ مورثا بولا ”صاحب یہ سب اس چربی کا کمال ہے۔ دیکھو یہ دشمن چیتا بھی ہمارا غلام بن گیا ہے۔“

میں نے راستے میں دونوں بر شیروں کی ہلاکت پر مورثا کی تعریف کی اور اسے

بتایا کہ کس طرح ایک نووارد بر شیر کے دھاڑنے پر شیرنی اپنے بر شیر کو دیکھ کر بھاگ گئی تھی۔ مورثا اساری بات سننے کے بعد ہنسا اور کہنے لگا ”صاحب! وہ شیرنی اصل میں اس بر شیر کی مادہ تھی جسے میں نے ہلاک کر دیا۔ اس نے پہچان لیا ہوگا کہ اس کا حقیقی شریک حیات آپہنچا ہے لہذا وہ یہ جانتے ہی بھاگ گئی تھی۔ بڑی بے وفا تھی وہ شیرنی“

مورثا ہنستے ہنستے رکا پھر بولا ”صاحب میری بیویاں بھی اس شیرنی جیسی بے وفا ہو چکی ہیں۔ دیوتاؤں کی قسم میں واپس آؤں گا اور پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں مار ڈالوں گا۔ اس وقت وہ موگاٹا کے آگے پیچھے ناچ رہی ہوں گی۔“ ایک کر بناک تنگی اس کے چہرے پر عود آئی تھی۔ میں خاموش رہا۔ ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے گھنے جنگل کا راستہ کھلتا جا رہا تھا۔ سورج بلند قامت گھنے جنگلوں کی تاریکیاں چیر کر اپنی روشنیاں پھینک رہا تھا۔ سیاہ چیتا ہمارے آگے آگے چل رہا تھا۔ راستے میں جتنے بھی شیر اور چیتے آئے، ہمیں دیکھتے ہی وہ سر جھکا دیتے اور پھر ہم خاصی مسافت طے کر کے جنگل سے باہر نکل آئے تو سامنے خوش جمال سرسبز پہاڑی کا علاقہ شروع ہو گیا۔ ہم چیتے کی راہنمائی میں گھبراہٹ کی جانب بڑھے تو ایک درجن بھر سیاہ چیتے اور شیر پتھروں کی اوٹ سے نکل کر ہمارے سامنے آ گئے۔ وہ سب غرانے لگے۔ غیر ارادی طور پر میرے ہاتھ بندوق پر سخت ہو گئے مگر مورثا بے فکری سے ان کے درمیان سے گزرتا ہوا گھبراہٹ میں داخل ہو گیا۔ میں کن اکھیوں سے درندوں کو دیکھتا رہا۔ پھر میں جونہی گھبراہٹ میں داخل ہونے لگا ہماری راہنمائی کرنے والا چیتا یکدم میرے قدموں سے لپٹ گیا اور پاؤں چاٹنے لگا۔ مجھے کچھ سمجھ نہ آئی تو میں نے شفقت بھرے انداز میں اس کے سر پر تھپکی دی اسے پھلانگ کر گھبراہٹ میں داخل ہو گیا۔

گھبراہٹ ایک اسرار جہاں تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی میری نظر اس وجود بے کس پر پڑی جس کی لاش نہ جانے کب سے حنوط کر کے یہاں رکھی ہوئی تھی۔ میں گھبراہٹ کا جائزہ لینے لگا۔ میری نظر خاکی پینٹ شرٹ پر پڑی جو غالباً اس شکاری کی تھی جس کی لاش یہاں محفوظ تھی۔ میں اس کی تلاشی لینے لگا تو اس کی جیب میں سے ایک سرمبر لٹافہ ملا اس پر درج نام پڑھتے ہی میری روح کانپ اٹھی۔ اس پر موٹے موٹے الفاظ میں جارج فرینڈس لکھا ہوا تھا۔ یہ خط پیرس سے آیا تھا۔ میں نے دوبارہ لاش کی طرف دیکھا اور پھر یہ سمجھ میں دینے لگی کہ یہ انکل

کی شکل میں بیٹھے غرار ہے تھے اور ایک بھاری قامت کا سیاہ جنگلی بلا کسی شہنشاہ کی طرح ان کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے گپکھا کے دروازے پر دیکھ کر اس بلے نے اپنی سیاہ شیطانی نظروں سے میری جانب دیکھا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ آنکھیں اور چہرہ کسی درندے کا نہیں بلکہ کسی عورت کا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی اس نے اپنا منہ آسمان کی طرف کیا اور دلدوز انداز میں غرانے لگی۔

جارج کی لاش تھی جو سانگ پھان میں رہتے تھے۔ وہاں دو ہندو قیس بھی رکھی تھیں۔ ایک ہندو ق کے دستے پر انکل جارج کا نام کندہ تھا جو اس شبہ کو یقین میں بدلنے کے لئے کافی تھا کہ موگاٹا نے انکل جارج کو اس وقت قتل کیا ہوگا جب وہ پیرس سے آنے والے خط کو موصول کرنے کے لئے سانگ پھان سے نکل کر وہاں سے چار کوس دور ٹاؤن میں گئے ہوں گے مگر واپسی پر موگاٹا کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہو گئی تھی۔ خط انکل جارج کے کسی دوست کا تھا۔ اس میں انہوں نے آخر میں انکل جارج کی بیٹی روزی کو پیارا بھرا سلام کہا تھا۔ اس نے انکل جارج کو مشورہ دیا تھا کہ وہ روزی کے بہتر مستقبل کے لئے اسے پیرس بھیج دے اور اپنی طرح سے روزی کو جنگلوں میں خوار نہ کرتا پھرے۔

میں نے خط اپنی جیب میں ڈالا اور انکل جارج کی لاش کے پاس آ کر احتراماً جھکا تو میری آنکھیں نہ جانے کیوں بھیگ گئیں۔ انکل جارج میرے والد کے دوست تھے۔ میں نے انہیں دیکھا تو نہیں تھا مگر ان سے ملاقات ہوئی بھی تو کن حالات میں۔ ان کی بے جان آنکھیں کسی کے انتظار میں کھلی ہوئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے انکل جارج کی روح اسی گپکھا میں کہیں موجود تھی اور مجھ سے ہمکلام ہو کر کہہ رہی تھی۔

”تم نے خونی موگاٹا کو قتل کر کے میرا بدلہ لینا ہے۔ میری روزی کو اپنی پناہ میں لے کر اس کی حفاظت کرنی ہے“ میں نے انکل جارج کی آنکھوں پر ان کی شرٹ ڈالی اور عہد کیا کہ میں ان کے قاتل موگاٹا کو عبرتناک سزا دے کر رہوں گا۔ اس دوران مورژا دوسری ہندو ق اٹھالایا اور بولا

”یہ ہندو ق بھی لے لو۔ بارود اس طرف ہے۔ میں نے سارا بارود تھیلے میں ڈال رہا ہوں“ یہ ہندو ق نہ جانے کس بے کس شکاری تھی اور موگاٹا نے کہاں سے حاصل کی تھی۔ میں نے وہ ہندو ق مورژا کو پکڑائی اور انکل جارج کی ہندو ق کو عقیدت کے ساتھ چوما۔ پھر اسے چیک کر کے اس میں گولیاں بھر لیں اور باقی گولیاں اپنے کمر بند کے تھیلے میں ڈال لیں۔

اسی دوران ایک عجیب بات ہوئی۔ باہر موجود تمام سیاہ چیتے اور شیر خرمنستی کے عالم میں غرانے لگے تھے۔ اس لمحہ ان کی غراہٹوں کے درمیان ایک انوکھی قسم کی غراہٹ سنائی دی اور میں گپکھا سے باہر جھانکنے لگا۔ باہر کا منظر ہی عجیب تھا۔ گپکھا کے محافظ سیاہ چیتے اور شیر دائرے

تک اس نسل میں تمہاری دیوی نہیں دیکھی۔“ میرے لہجے میں تسخر بھی تھا۔

وہ بولا ”موگاٹا نے کہا تھا کہ جب بھی اسے مارنے کی کوشش کی جائے گی تو ماگود یوی اس کی حفاظت کے لئے ظاہر ہو جائے گی۔ موگاٹا نے بتایا تھا کہ ماگود یوتا کی شکل سیاہ بلے جیسی ہے لیکن اس کے چہرے پر ماگود یوی کی آنکھیں ہیں۔“ میں اس کی بات سن کر مزید پریشان ہو گیا۔ میں نے اسے کہا

”پھر کیا کریں۔ کیا تمہاری دیوی ہم پر رحم کھائے گی۔“ میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

”لیکن ایک بات ذہن میں رکھ لو کہ اگر واقعی یہ تمہاری دیوی ہے تو پھر موگاٹا کو خبر ہو جائے گی کہ ہم اس کی گچھا میں پہنچ چکے ہیں۔ وہ ہمیں گھر کر مار ڈالے گا۔“

مورژا پر میری بات نے اثر نہیں ڈالا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دیوی ماگود دیکھ کر اس کی روح پرواز کر گئی ہے۔ ایسی صورت میں مورژا مجھے بری طرح پھنسا سکتا تھا۔ میں درندوں کی اس دنیا کے پراسرار ماحول سے سخت الجھن کا شکار ہو گیا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ میں کیا کروں۔ میں نے مورژا کو اب کی بار جھجھوڑا اور کہا ”مورژا اگر تم اسی طرح بت بنے رہے تو یہ درندے ہمیں چیر پھاڑ کر کھا جائیں گے“

اس وقت تک خوب اجالا تھا اور شام ہونے میں ایک پہر باقی تھا۔ ہر شے اجلی تھی۔ سورج جنگل کے اوپر تھا اور اس کی کرنوں سے سرسبز پہاڑی علاقے میں نکھار سا آیا ہوا تھا۔ چھوٹے بے ضرر پرندے اپنا اپنا پیٹ بھرنے کے لئے سبزے میں گھوم پھر رہے تھے۔ میں نے جب دیکھا کہ مورژا کی حالت اعتدال پر نہیں آ رہی ہے تو میں نے بندوق کا رخ ماگود یوی کی طرف کیا۔ یہ دیکھتے ہی مورژا اچھل کر میرے اوپر گرا اور مجھ سے بندوق چھیننے لگا۔ میں اس کی یہ حرکت دیکھ کر شپٹا گیا۔ ہم دونوں ہی نیچے گر گئے تھے۔ اس سے قبل کہ وہ پہاڑ جیسی قامت والا شخص مجھ پر غالب آ جاتا اور کچھ ہی دیر بعد وہ مجھ سے بندوق چھین لیتا۔ میں نے اس سے جان چھڑانے کا فیصلہ کر لیا۔

مورژا پر ہیجان طاری ہو رہا تھا اور اس کے منہ سے کف بہنے لگی تھی۔ ایک کی وہ عجیب سی غراہٹ کے ساتھ مجھ کو کاٹنے کی کوشش کرنے لگا تو مجھے اچانک وہ سیاہ چٹیا یاد آ گیا

مورژا ابھی اس عجیب الخلقت جانور کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔ میں نے آج تک ایسا خوفناک اور پراسرار بلا نہیں دیکھا تھا۔ بلے نے ہماری جانب دیکھا اور بڑے عجیب اور دردناک انداز میں چیخنے لگا تھا۔ میں نے مورژا سے کہا

”تم نے اس بلے کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے“

مورژا امنہ سے کچھ نہ بولا تو میں نے اس کی جانب دیکھا۔ شیردل مورژا کا رنگ فق ہو چکا تھا اور آنکھوں سے خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ زمین پر جھک رہا تھا۔ اس نے تمام ہتھیار زمین پر رکھ دیئے اور پھر بلے کی طرف منہ کر کے سجدے میں گر گیا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہچکیاں بھر بھر کے رونے لگا۔ میں اس کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔

”مورژا..... مورژا.....“ میں نے اسے جھجھوڑ کر اٹھانا چاہا مگر وہ کسی صورت اٹھ نہیں رہا تھا بلکہ پہلے سے بھی زیادہ شدت سے رونے لگا تھا۔

”مورژا اب بھی تم نہ اٹھے تو میں بلے کو گولی مار دوں گا“ میری بات سنتے ہی وہ میکا کی انداز میں اٹھا اور ہڑبڑا کر بولا۔

”صاحب ایسی غلطی نہ کرنا ورنہ تم پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہو جائے گا“

ان جنگیوں کی سب سے بڑی مصیبت ان کے اندھے عقائد اور فرسودہ رسم و رواج ہوتے ہیں۔ نہ جانے کب کہاں اور کس حالت میں انہیں اپنا کوئی دیوتا نظر آ جائے تو وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ اس وقت میرے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا تھا۔ مورژا اتھر تھرکا پتے ہوئے مجھے کہنے لگا۔

”صاحب یہ..... یہ ہماری دیوی ہے۔“

”دیوی“ میں نے تعجب سے کہا ”مورژا یہ تمہاری دیوی کیسے ہو گئی۔ میں نے آج

کبھی کبھار وہ منہ آسمان کی طرف اٹھا کر چیخنے لگتی تھی۔

میں گپکھا کے دروازے پر کھڑا ہو کر پورے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ میری نظر دو سو گز کے فاصلے پر گھاس چرتے ہرنوں پر پڑی۔ بہت سے ہرن ماحول کی کدورت اور خطرناکی سے بے پرواہ ہو کر خوراک حاصل کرنے میں مشغول تھے۔ معاً مجھے خیال آیا اور میں نے ایک بندوق گپکھا میں رکھ دی اور باقی دونوں بندوقوں کو اپنے ساتھ اٹھالیا۔ ایک بندوق کاندھے سے لٹکا دی اور دوسری کو ہاتھوں میں اس طرح پکڑ لیا جیسے کوئی فوجی ریکی کے انداز میں بندوق اٹھا کر چلتا ہے۔ نیزہ میں نے اپنی کمر کے ساتھ باندھ لیا تھا۔ مجھے درندوں نے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ سب چربی کی مہک سے مدہوش تھے۔

میں ایک چھوٹی سی چٹان کے پاس پہنچا اور ہرنوں کو دیکھنے لگا۔ میں نے ہاتھ میں پکڑی بندوق نیچے رکھی اور کمر سے نیزہ کھول کر ایک موٹے تازے ہرن پر اپنی نظریں گاڑ دیں۔ پھر جب ہرن میری نظروں کے ترازو میں ٹھہر گیا تو نیزہ پوری قوت سے اس کی طرف اچھالا۔ نیزہ ہرن کے پیٹ سے آ رہا ہو گیا اور وہ قلابازی کھا کر نیچے گر گیا۔ میں جھٹ سے اس تک پہنچا۔ ہرن ابھی تک تڑپ رہا تھا۔ میں نے خنجر سے اس کی گردن کاٹ دی اور پھر اس کو اٹھا کر گپکھا کے پاس لے آیا اور اسے درندوں کے پاس لا کر پھینک دیا۔ ایک تازہ شکار دیکھتے ہی تمام درندے اس پر جھپٹ پڑے البتہ ماگودی بے نیازی سے چٹان پر بیٹھی رہی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی تشنگی تھی۔

میں دوبارہ ہرنوں کے شکار کے لئے اس چٹان پر گیا تو دیکھا ہرن وہاں سے بھاگ کر جا چکے تھے۔ میں نے بندوق اور نیزہ سنبھالا اور ہرنوں کے شکار میں نکل گیا۔ میرے سامنے تاحد نظر اونچی اونچی جنگلی سرسبز گھاس تھی۔ اس تنگ دود کا مقصد یہ تھا کہ میں ان درندوں کو اچھی خاصی غذا فراہم کر کے انہیں گپکھا سے دور کر دینا چاہتا تھا۔ شیر اور چیتے کی عادت ہے جب ان کا پیٹ بھر جائے تو وہ استراحت پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ اگر یہ درندے کسی طاغوتی طاقت کے تابع نہیں ہیں تو وہ لازماً پیٹ بھرنے کے بعد آرام کی تلاش میں نکل جائیں گے۔

اس طرح مجھے گپکھا میں بیٹھ کر موگا ٹا کا انتظار کرنے میں زیادہ خطرات کا سامنا نہیں

جس کا مورژوانے بھیجا کھایا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ سیاہ چیتے کے بھیجے نے اس پر اثر دکھانا شروع کر دیا تھا اور اب اس کی طاغوتیت ظاہر ہو رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا مورژو امیر کے لئے بیکار ہو گیا تھا۔ میں نے اس کو اپنے اوپر سے اچھالنے اور اس کے خونخوار ارادوں سے محفوظ رہنے کے لئے پوری طاقت صرف کی اور پھر کچھ دباؤ پیچھے ڈال کر اسے نیچے گرا کر خود اس کے سینے پر چڑھ گیا۔

مورژو کی آنکھوں میں سیاہ چیتے کا عکس نظر آ رہا تھا۔ اور وہ بری طرح دھاڑ رہا تھا۔ میں نے کمر بند سے خنجر نکالا اور دل پر جبر کر کے تیزی سے خنجر اس کے دل میں اتار دیا۔ مجھے مورژو کو ہلاک کرنے کا افسوس تو ہوا مگر اب اس پر درندگی اور باؤلا پن طاری ہو گیا تھا۔ اگر میں اس کو سنبھال کر رکھتا تو مجھے یقین نہیں تھا کہ میں جنگل کی اس مہیب ہولناک اور پراسرار دنیا سے باہر نکل جاؤں گا۔ مورژو نے خون بھری ہتھکی لے کر دم توڑ دیا۔

میں نے اس کی لاش درندوں کی طرف لڑھکادی تو موگودیو سمیت تمام درندے اس پر جھپٹ پڑے اور چند منٹوں میں ہی مورژو کی لاش چٹ کر گئے۔ اس دوران میں سوچتا رہا کہ مجھے یہاں سے کیسے نکلنا چاہئے۔ میرے پاس اپنے بچاؤ کے لئے تین بندوقیں اور خاصا بارود اکٹھا ہو گیا تھا۔ میرے پاس اس چربی کی خاصی مقدار تھی۔ میں نے اپنے بدن پر ایک بار پھر چربی کی خاصی موٹی تہہ چڑھا دی۔ اس کا مجھے خاطر خواہ فائدہ ہوا۔ تمام درندے اور موگودیو کے تیور اب بدل گئے تھے اور وہ مجھے ممنونیت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ شاید اس کی وجہ چربی کی مہک تھی یا مورژو کی خون آلود لاش۔ سب درندے مجھے تشکر بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

یقین کیجئے اس وقت میرے احساسات پر چھائی ہوئی خوف و ہراس اور سحر زدگی کی دھند چھٹ گئی تھی۔ مورژو کی قربت سے نکلنے ہی میرے اندر کا شکاری پوری آب و تاب کے ساتھ زندہ ہو گیا تھا اور میں نے ہر طرح کے طاغوتی اور شیطانی ماحول کو دل و دماغ سے نکال دیا تھا۔

میں نے ایک بات خاص طور پر نوٹ کی تھی۔ شیر اور سیاہ چیتے ماگودیو کی گرد دائرہ بنا کر بیٹھے ہوئے تھے اور وہ کبھی مجھے دیکھتی اور کبھی اپنے ارد گرد بیٹھے عقیدت مند درندوں کو۔

رہے گا۔ بالفرض یہ درندے غذا کھانے کے بعد بھی آرام کرنے نہ جاتے تو مجھے اپنے بچاؤ کا متبادل راستہ تلاش کرنا پڑتا۔ میں نے یہ تو دیکھ لیا تھا کہ اس چربی کی وجہ سے تمام درندے مجھ سے مانوس تھے اور میری جان کو کوئی خطرہ نہیں تھا۔ جب تک میرے پاس چربی تھی میں بندوق چلائے بغیر ان کے درمیان رہ سکتا تھا مگر کب تک؟ موگاٹا کے آنے پر ممکن تھا چربی بھی کارآمد نہ رہتی اور اس کے احکامات کے تابع درندے مجھ کو چیر پھاڑ کھاتے۔ یہی سوچ کر میں نے ہرن کی بجائے اس جنگلی بھینسے کو شکار کرنے کا فیصلہ کیا لیکن پھر مجھے ایک خیال آیا کہ میں اس بھینسے کو درندوں تک کیسے پہنچاؤں گا۔ جنگلی بھینسا کسی پہاڑ کی طرح ہوتا ہے اسے مارنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا ہے۔

جنگلی بھینسے کے غضب میں وحشت ہوتی ہے۔ اس کی دلیری اور وحشیانہ حملوں کی شیر بھی تاب نہیں رکھتا۔ اکیلا شیر ایک جنگلی بھینسے کو ہلاک نہیں کر سکتا بلکہ دو شیر مل کر جنگلی بھینسے پر حملہ کرتے ہیں۔ اگر جنگلی بھینسا اپنی مادہ کے ساتھ ہو یا مندے میں ہو تو شیروں کو مجال نہیں ہوتی کہ ان پر حملہ کر سکیں۔ شیر بڑی حسرت اور رغبت سے جنگلی بھینسے کا گوشت کھاتے ہیں۔ شاذ و نادر ہی کوئی اکیلا جنگلی بھینسا ان کی گرفت میں آجائے تو یہ اس کا گوشت کھانے کے بعد اگلے چوبیس گھنٹوں تک شکم سیر رہتے ہیں اور صرف استراحت فرمانے میں مست رہتے ہیں۔

مجھے اپنے مقصد کے حصول کے لئے جنگلی بھینسے کو مارنا تھا مگر مجھے ہی نظر آ رہا تھا کہ جنگلی بھینسا آسانی سے میرے قابو میں نہیں آئے گا۔ مجھے جنگلی بھینسے کو شکار کرنے کا تجربہ تو تھا مگر اس وقت حالات مختلف تھے۔ ایک بار جنگلی بھینسا میرے باڑے میں گھس آیا تھا۔ وہ کیچڑ میں لت پت تھا اس کی کھال پر کیچڑ کی موٹی سی تہہ چڑھی تھی۔ جنگلی بھینسے کی کھال اتنی موٹی ہوتی ہے کہ اس پر عام گولی اثر نہیں کرتی۔

میں نے اس جنگلی بھینسے کو باڑے سے نکالنے کے اعشاریہ 577 کی سخت گولی اس پر داغ دی مگر گولی لگتے ہی خشک مٹی کی موٹی تہہ گرد کی طرح اڑ گئی اور بھینسے کو زیادہ نقصان بھی نہیں پہنچا تھا۔ البتہ اس نے غضبناک ہو کر میری ایک گائے کو اتنی زور سے ٹکرماری تھی کہ بے چاری دوسری سانس بھی نہ لے سکی تھی۔ اس پر میں نے اس کے سر کا نشانہ لے کر بارہ بور کی بندوق کے تین فائر کیے بعد دیگرے کئے اور اس کی کھوپڑی اڑا دی تھی۔ مجھے یاد ہے موگر نے

ایک بار نیزے کی مدد سے جنگلی بھینسے کو مارنے کی کوشش کی تھی۔ نیزہ اس کی کھال سے ٹکراتے ہی زمین پر گر گیا تھا۔ اس کی کھال ڈھال کی طرح ہوتی ہے۔ اس پر چربی کی موٹی تہہ ہوتی ہے جو کھال پھٹنے نہیں دیتی اور معمولی گولی کو ٹھنڈا کر دیتی ہے۔

جنگلی بھینسا اپنی وحشت اور سینگ کے معاملے میں روئے زمین کے بہت سے درندوں پر تفوق رکھتا ہے۔ آزاد جنگل میں پروان چڑھنے والے جنگلی بھینسے قد و قامت میں سیاہ پہاڑ کی طرح ہوتے ہیں۔ ان کے سینگ سیدھے اور نیچے کی طرف جھکے ہوئے یا اوپر کو اٹھے ہوئے ہوتے ہیں۔ سینگوں کا درمیانی فاصلہ خاصا ہوتا ہے۔ اس کے سینگ چار یا پانچ فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ اس کا قد 6 فٹ اور وزن دو ہزار پونڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس گرائنڈیل جانور پر شکاری اور شیر کے علاوہ کوئی دوسرا حملہ کرنے کی جرات نہیں کرتا۔ شیر جب اسے شکار کرتا ہے تو اس کے لئے دو شیر بیک وقت حملہ کرتے ہیں۔ ایک شیر اس کی گردن پر جھپٹتا ہے تو دوسرا اس کی ٹانگوں کو پچھلی جانب سے کاٹنے کی کوشش کرتا ہے۔ جب تک اس کی پچھلی ٹانگوں کو کاٹ نہیں دیا جاتا جنگلی بھینسا بے بس نہیں ہوتا۔ شکاری کو اسے شکار کرنے کے لئے اس کے دل یا دماغ کا نشانہ لینا پڑتا ہے۔ اگر اس پر مقررہ ہدف کے بغیر بیسیوں گولیاں بھی برسائی جائیں تو ہلاک نہیں کیا جاسکتا۔ جنگلی بھینسا جیسیم جانور ہے اس لئے شکاری کا نشانہ عمدہ ہونا چاہئے۔ اتنے بڑے جسم میں صرف تین مقام ایسے ہیں جو شکاری کے لئے کارآمد ہوتے ہیں۔ سر، گردن اور دل۔ بعض اوقات سر کا صحیح مقام اور ایسا زویہ ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔ جہاں سے گولی گزر کر اس کے دماغ تک پہنچے۔ اس وقت معلوم نہیں ہوتا کہ جانور کس پوزیشن میں کھڑا ہوا ہے۔ دل پر گولی پہنچانے کے لئے کھال، گوشت چربی اور ہڈی کو توڑنا پڑتا ہے اور اس کے لئے طاقتور بندوق چاہئے ہوتی ہے۔ البتہ اس کی گردن کا مخصوص مقام قدرے آسان ہوتا ہے۔ گردن جس مقام پر جسم سے ملتی اور باہر نکلتی ہے اس خط سے چار انچ آگے اور گردن کے اوپر کے کنارے سے چھ انچ نیچے گولی کے لئے موثر ترین مقام ہے۔ شکاری کا نشانہ ایسا ہونا چاہئے کہ جس مقام کو وہ جانور کی جسامت کے لحاظ سے منتخب کرے وہاں سے گولی ایک انچ بھی ادھر ادھر نہ پڑے۔ جنگلی بھینسا توانائی میں جتنا غضبناک ہے اتنا قوت شامعہ پر بھی دسترس رکھتا ہے۔ ہوا اس کے رخ پر ہو تو یہ شکاری اور شیر کی بو پالیتا ہے۔ لیکن قدرت نے

اس کی بصارت کو محدود رکھا ہے۔ چالیس پچاس گز پر کھڑے شکاری یا شیر کو پہچان نہیں سکتا۔ صرف اپنی قوت شامعہ سے محسوس کر لیتا ہے کہ اس کے ارد گرد کہیں خطرہ ہے۔

جنگلی بھینسا چونکہ شیروں کی مرغوب غذا تھا اس لئے اسے ہلاک کرنا میری اپنی زندگی کے لئے بہت ضروری تھا۔ میرے پاس جو بندوق تھی وہ بھینسے کا بھیجاڑا سکتی تھی۔ مگر میں بندوق استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بندوق کی آواز دور دراز تک سنی جاتی اور موگاٹا آواز کے تعاقب میں مجھ تک پہنچ سکتا تھا۔ اگرچہ اب میرے پاس اسلحہ بارود بہت تھا اور میں اگر چاہتا تو بندوق کے زور پر سینکڑوں ہلاک کر دیا مگر اس طرح زندگیوں کو ضائع کرنا میرا منشور نہیں تھا۔ میں نے جنگلی بھینسے کا بھرپور جائزہ لیا اور اس کے ہانکے کا ارادہ کیا۔

جنگلی بھینسا ڈھلوان پر اگی گھاس چرنے میں مشغول تھا۔ قدرتی طور پر اس چڑھائی کی طرف تھا جدھر سے گھاس تک پہنچنا آسان تھا۔ میں ڈھلوان اتر کر بھینسے سے پچاس گز تک پہنچا۔ میں نے واپسی کے راستے کا بھرپور جائزہ لیا اور منصوبہ بنایا کہ اگر میں بھینسے کو غضبناک بنا کر اپنے پیچھے حملہ آور ہونے کی دعوت دوں تو ممکن ہے بھینسے کو گھاس کے قریب لے جاؤں۔ بھینسا گھاس کے قریب پہنچ جاتا تو میں شیروں کو اس کی موجودگی کا احساس دلا سکتا تھا۔ کیونکہ شیر اپنے مانوس اور مرغوب شکار کی بو پالیتے۔

قدرت اس وقت میری رہنمائی بھی کر رہی تھی اور تعاون بھی۔ میں جب جنگلی بھینسے کے قریب پہنچا تو اس نے لمبے لمبے نیزوں کی طرح سینگ اٹھا کر ہوا میں سونگھا اور پھر کسی دھندلے سائے کو تلاش کرتے کرتے اس کی قوت شامعہ نے اسے میری موجودگی اور ہدف سے آگاہ کر دیا۔ میں بھینسے کے مزید قریب ہو گیا۔ اب میرا اور اس کا فاصلہ تیس گز رہ گیا تھا جنگلی بھینسے نے مجھے دیکھا تو نتھنے پھیلا کر میری طرف بڑھنے لگا۔ جنگلی بھینسا اپنی آزادی میں کسی کو مخل نہیں ہونے دیتا۔ بھینسا سرگوں کر کر میری طرف آہستہ آہستہ بڑھنے لگا تو میں بھی پیچھے ہٹا رہا۔ بھینسا فی الحال معتدل رفتار سے چڑھائی چڑھ رہا تھا۔ اس دوران میں نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور بھینسا کے سر کا نشانہ لے کر پھینکا تو پتھر اس کا سینگوں سے ٹکرا کر گر گیا۔ بھینسے کو میری یہ جرات پسند نہ آئی اور وہ غضبناک ہو کر چڑھائی چڑھنے لگا۔ جنگلی بھینسے کی یہ عادت ایسی ہے کہ جب وہ غضبناک ہوتا ہے تو اس کے نتھنوں اور منہ سے گرم بھاپ جیسی ہوا نکلنے لگتی

ہے۔ اس کی قوت شامعہ کمزور ہو جاتی ہے یہ بھینسا تیز نہیں دوڑ سکتا اور نہ ہی یہ پھرتی میں دوسرے جانور سے زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ مجھے اس کا یہ فائدہ ہوا کہ بھینسا جب تک چڑھائی کے پاس پہنچا میں گھاس سے سوگز کے فاصلے پر ایک بڑے پتھر پر چڑھ گیا۔ اوپر ہموار جگہ تھی۔ بھینسا مجھ سے پچاس گز کے فاصلے پر تھا اور وحشت سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ اسی لمحہ میں نے جنگلی بھینسے کے انداز میں آواز نکالی تو گھاس کے شیروں نے پلٹ کر میری جانب دیکھا۔ یہی وہ وقت تھا جب جنگلی بھینسا بھی ٹھٹھک گیا تھا۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ جب بھینسا غضبناک ہوتا ہے تو بزدلی نہیں دکھاتا۔ بھانگنے کی بجائے اپنی جگہ پر ڈٹ جاتا ہے۔ میں نے پتھر پر کھڑے ہو کر ایک پتھر اس کو مارا تو بھینسا دوبارہ آگے بڑھنے لگا۔ خوش قسمتی سے شیروں نے بھینسے کی بو پالی اور سبھی شیر تیزی سے گھاس کا حصار چھوڑ کر جنگلی بھینسے کی بو کے تعاقب میں دوڑے۔ اس دوران میں پتھر پر ہی کھڑا رہا اور بندوق ہاتھوں میں یوں تھام لی کہ جیسے ہی کوئی درندہ برے عزائم سے میری جانب آتا میں اسے گولی مار ڈالتا۔

شیروں کے جتھے اور سیاہ چیتوں میں ہم آہنگی شاید ہی میں نے پھر کبھی زندگی میں دیکھی ہو۔ سبھی درندے پتھروں کی اوٹ سے نکلے اور جنگلی بھینسے کو دیکھ کر غرغانے لگے۔ جنگلی بھینسا اپنے سامنے موت کا حصار دیکھ کر رک گیا۔ شیر اور چیتے پاؤں پاؤں چلتے جنگلی بھینسے کی طرف بڑھے تو جنگلی بھینسے نے سر جھکا کر سینگ تان لئے اور کسی طوفان طرح شیروں پر حملہ آور ہو گیا۔ جنگلی بھینسا میرے پھیلائے جال میں پھنس گیا تھا اور اتنے زیادہ درندوں سے بچ نکلنا اس کے لئے کار دشوار تھا۔ شیروں اور چیتوں کو شکم سیر ہونے کے لئے بھرپور شکار مل چکا تھا لہذا میں وہاں ٹھہرنے کی بجائے گھاس کی طرف بڑھا تو موگر دیوی کو غائب پایا۔ میں گھاس کے اندر داخل ہو گیا اور پھر ارد گرد کی جگہوں کو کھنگال مارا مگر مجھے وہ سیاہ عفریت نہ ملا کہیں نظر نہ آیا۔ میں تھک ہار کر دوبارہ گھاس میں داخل ہونے والا تھا کہ اچانک موگاٹا کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی اور میرے قدم جہاں تھے وہیں جم گئے۔ موگاٹا گھاس کے اندر تھا اور بری طرح دہشت میں مبتلا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

”اے ماگودیو میرے بچاری درندے کہاں ہیں“

اس کے جواب میں ماگودیو کی دھاڑ سنائی دی ”میں تمہیں کئی چہروں سے جانا رہی

تھی لیکن تو اپنی خرمستیوں میں غرق تھا۔ اے موگنا تیری قوتیں کمزور ہو گئی ہیں۔ تیرے پالتو درندے اس شکاری کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ جب تک تو اپنی طاقتوں کو دوبارہ طاقت نہیں دے گا تو اس شکاری پر قابو نہیں پاسکے گا۔ جب تک اس کے بدن پر چربی جمی ہوئی ہے نہ تیرے درندے اس کو مار سکتے ہیں نہ ہی تیری شیطانی قوتیں اس کے بدن کے حصار کو پھاڑ کر اندر داخل ہو سکتی ہیں۔ اے موگنا میں نے مورژوا کو اس سے بدظن کر دیا تھا اور اس کو مورژوا کے ذریعے قابو کرنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ شکاری اس پر غالب آ گیا تھا۔“

موگنا کی لرزتی ہوئی آواز آئی ”اے دیوی ترا یہ درندوں کا پجاری تیری ہر فرمائش پوری کرے گا۔ تو ہی مجھے بتا کہ میں کیا کروں“

”موگنا..... کل سیاہ رات ہوگی۔ تو اس مردہ شکاری کی بیٹی کو یہاں لاکر قربان کر دے تو اس کو اپنی بیوی بنانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اس لئے اپنے ان دونوں محافظوں سے کہو کہ وہ روزی کو یہاں لے آئیں۔ تمہارا دشمن شکاری اس لڑکی کو بھی تلاش کر رہا ہے۔ تم نے اچھا کیا کہ اسے پکڑ کر چھپا دیا ہے مگر اب تجھے اپنی طاقتوں کے حصول کے لئے اسے قربان کرنا ہو گا۔“

ماگودیوی کی باتیں سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور لہو کی حدت سے میرا پورا بدن سلگنے لگا۔

روزی موگنا کی قید میں تھی۔ یہ انکشاف میری سماعت پر تازیانہ بن کر برسا تھا۔ ماگودیوی موگنا کو سختی سے ہدایات دے رہی تھی کہ وہ جلد از جلد شکاری کی بیٹی کو گھبھائیں لے آئے۔ موگنا نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور کہا ”اے ماگودیوی میں اسے لینے جا رہا ہوں۔ میرے دو جوان موگی اور زبوتا اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ اے دیوی تو جانتی ہے میں مورژوا کے بعد زبوتا کو قبیلے کا سردار بنا رہا ہوں۔ میں نے اسے اپنی پناہ میں رکھ کر اس کی تربیت کی ہے۔“

”موگنا تو کیا کر رہا ہے۔ مجھے اس سے غرض نہیں۔ جادفع ہو جا اور جلدی سے اس لڑکی کو لے کر آ تو دیکھ نہیں رہا تیری ماگودیوی کی پیاس اور بھوک بڑھتی جا رہی ہے“ ماگودیوی کی ہوس زدگی بڑھتی جا رہی تھی چیخ کے انداز میں بولی ”یہ تو اچھا ہوا اس شکاری نے مورژوا کو مار دیا اور اس کے لہو کی ایک بوند میرے خشک حلق میں پگھل گئی ورنہ اے موگنا تیری دیوی جیتے جی مر جاتی۔“

موگنا غائب ہا ہر نکلنے والا تھا کہ ماگودیوی نڈھال ہو کر بولی ”اے موگنا ایک بات یاد رکھنا اگر تو نے ماگودیوی سے عہد شکنی کی ہے تو میری قوتیں تیرا پیچھا کر کے تجھے مار ڈالیں گی۔ میں آج یہاں آئی ہوں مگر تو نے میری غذا یہاں نہیں رکھی۔ مجھ پر نقاہت طاری ہو رہی ہے اس لئے جلدی جا اور بھاگ کر اس دو شیرہ کو لے آ۔“

ماگودیوی کے یہ الفاظ سن کر میرے ذہن میں برق سی کوندی اور میں جھٹ سے کھپھا کی جھپلی جانب ایک گہرے کھڈے میں چھپ گیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ موگنا مجھے دیکھ لے۔ مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی تھی کہ ماگودیوی پر کمزوری غلبہ پا رہی تھی۔ اسے مارنا میرے لئے زیادہ مشکل نہیں رہا تھا۔ میرے لئے اگر مشکل مرحلہ تھا تو موگنا کو ہلاک کرنا تھا۔ اس سے قبل بھی موگنا کو ہلاک کرنے کی کوشش کر چکا تھا۔ میری گولیاں اس کو معمولی زخم دینے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ چھلا وہ تھا اور چشم زدن میں غائب ہو جاتا تھا۔ میں اسے مارنے

میں سی قسم کارسک نہیں لے سکتا تھا۔ میں تو اس وقت قدرت کی اس فیسی مدد پر بھی تشکر کا اظہار کر رہا تھا کہ یہ دونوں پراسرار وجود میری موجودگی کا احساس نہیں کر سکے تھے اور میں گھما کے پاس کھڑے ہو کر ان کی باتیں سنتا رہا تھا۔ میں کھڑے میں اترا اور موگا کاٹا گھما سے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ میری نظریں گھما کے دروازے پر تھیں اس لئے میں گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا لیکن پھر مجھے اس وقت احساس ہوا جب میرے اندر کے حیوان باطنی کی چھٹی حس بیدار ہوئی۔ مجھے لگا میرے پاس ہی کوئی دوسرا وجود کھڑا ہے۔

میں نے غیر محسوس انداز میں بندوق پر گرفت قائم کی اور پلٹ کر اس جانب دیکھا تو ایک جوان ترس خونخوار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا۔ یہ جانور بھیڑیے سے مشابہ ہوتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بھیڑیے جیسی درندگی ہوتی ہے مگر یہ خوفناک نہیں ہوتا اور نہ ہی حملہ کرتا ہے۔ چلتے چلتے منہ اس جنگلی جانور کے بارے میں کچھ بتاتا چلوں کہ ترس بھیڑیے اور کتے کی ملتی جلتی نسل میں سے ہے۔ اس کا منہ بھیڑیے جیسا ہوتا ہے لیکن پچھلا جسم اس قدر جھکا ہوا اور بے ڈھنگا ہوتا ہے کہ اسے دیکھ کر کراہت محسوس ہوتی ہے۔ اس کا رنگ زردی مائل خاکی اور اس پر سیاہ پٹے ہوتے ہیں۔ گردن موٹی سر چوڑا کان کھڑے اور تھوٹی سیاہ ہوتی ہے۔ یہ کتے، بکریوں، گدھوں اور مویشیوں کے بچے مار کر کھاتا ہے۔ مردار کھانے کا شوقین ہوتا ہے یہاں تک کہ مردار کی مسخ شدہ ہڈیاں اور مٹی میں ملے ہوئے خون کو بھی چاٹتا ہے۔ ترس کتوں کا بڑا دشمن ہے اور کمال فریب و چالاکی سے کتے کا شکار کرتا ہے۔ ترس کا قد 22 سے 27 انچ تک اور وزن ستر پاؤنڈ تک ہوتا ہے۔ میرے والد جب قبیلے میں آئے تھے تو اپنے ساتھ گھوڑوں کا ایک جوڑا بھی لے کر آئے تھے۔ ان کے پاس ایک پالتو کتا بھی تھا۔ میرے والد کو ترس سے شدید نفرت تھی اور وہ اس کے شکار پر ہر وقت آمادہ ہوتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ ترس شکاری کو زچ کر دیتا ہے۔

جب وہ نئے نئے یہاں آباد ہوئے تھے تو ایک شب جب چاندنی نے آسمان پر نور پھیلایا ہوا تھا قبیلہ اپنے کسی مذہبی عقیدے کی رسومات میں مستغرق تھا تو میرے والد اپنے باڑے میں واپس آ رہے تھے کہ معاوہ ایک دل فریب منظر کو دیکھ کر رک گئے۔ باڑے کے پاس درخت کم تھے اور ہموار زمین پر چاندنی کی چادر پھیلی ہوئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں ان کا پالتو کتا

باڑے کے دروازے پر کھڑا اس کتے کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا جو چاندنی طرف منہ کئے دم ہلا کر ناچ رہا تھا۔ میرے والد پہلے تو حیران ہوئے کہ یہ کتا یہاں سے آ گیا۔ پھر وہ جان گئے کہ یہ جنگلی کتے کی کوئی قسم ہوگی۔ اس وقت تک وہ ترس سے آگاہ نہیں تھے۔ چاندنی میں رقص کرتے ہوئے کتے کو دیکھ کر ہمارا کتا اس کے پاس جانے لگا تو جنگلی کتا، اٹھکلیاں کرتا ہوا کبھی ہمارے کتے کے پاس آتا اور کبھی چاندنی طرف منہ کر کے ناچنے لگتا۔ ہمارا کتا اس کے فریب میں آ گیا اور جونہی وہ اس کے قریب پہنچا اس نے یکا یک ہمارے کتے کو گردن سے پکڑ کر اس طرح دبایا کہ اس کی آواز بھی نہیں نکل سکی تھی۔ چشم زدن میں ہمارا کتا مر گیا۔ جنگلی کتا اسے گھسیٹ کر لے گیا۔ میرے والد اس کے پیچھے بھاگے لیکن وہ کتا جیسے وہ جنگلی تصور کرتے تھے ہمارے کتے کو چیر پھاڑ کر کھانے لگا۔

اگلے روز انکل جارج نے میرے والد کو بتایا کہ یہ جانور ترس کہلاتا ہے (ہمارے ہاں یہ جانور چرخ کے نام سے بھی معروف ہے) انکل جارج نے والد کو اس کا شکار کرنے کے طریقوں سے آگاہ کیا اور بتایا کہ اس پر گولی ضائع کرنے کی بجائے اسے نیزے سے مارنا چاہئے۔ کیونکہ یہ فریبی جانور ہے اور اس کے شکار میں تبھی لذت ملتی ہے جب اس کو اس کی فریب کاریوں سے ہی مارا جائے۔ میرے والد گھوڑے پر نیزہ سنبھال کر اسے مارتے تھے۔ ترس کی فریب کاری کو دیکھنے کے لئے یہی کافی ہے کہ یہ جب دوڑتا ہے تو لگتا ہے کہ یہ بھاگ نہیں رہا۔ جب گھوڑے پر اس کا تعاقب کیا جائے تو یہ دم بچا کر بھاگتا ہے۔ جونہی گھوڑا سوار قریب پہنچتا ہے اور اسے نیزہ پرونے کی کوشش کرتا ہے تو ترس یکا یک رفتار کھول دیتا ہے اور اتنی تیزی سے موڑ کاٹ کاٹ کر بھاگتا ہے کہ گھڑا سوار پکڑا کر رہ جاتا ہے۔

گھڑا سوار جب بھی پاس پہنچتا ہے تو یہ اسی طرح اسے چمکے دیتا ہے۔ میرے والد بتاتے تھے کہ شروع شروع میں اسے مارنے میں خاصی مشقت کرنا پڑتی تھی لیکن جب ترس نے باڑے کے معصوم جانوروں کو کھانا شروع کر دیا تو پھر انہوں نے کئی ہفتوں کی ریاضت کے بعد ترس کو مارنے میں مہارت حاصل کر لی۔ چونکہ یہاں ترس کا ذکر ہو رہا ہے تو اس کو شکار کرنے کا ایک آدھ واقعہ بھی سناتا چلوں۔ میں نے جب باڑے کی ذمہ داری سنبھالی تو کچھ ہی دنوں بعد ترس نے بچھڑے مارنے شروع کر دیئے۔ اس پر میں نے چند ساتھ لئے اور راتوں

کو پہرہ دیتے ہوئے تڑس کو دریافت کر لیا جو باڑے میں شب خون مارتا تھا۔ یہ دراز قامت اور خوب پلا ہوا تھا۔ اگلی صبح اس کی تلاش میں نکلے اور جلد ہی اسے ندی کے پاس دیکھ لیا۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بھاگ نکلا اور ہم نے اس کا تعاقب کیا اور اسے گھیرنے کے لئے دودو کی پارٹیوں میں جو ان تقسیم کر دیئے اور ہدایت کی وہ سب میرے دائیں بائیں پہلوؤں پر پھیل کر تڑس کو سیدھا جانے پر مجبور کریں۔ یہ تڑس غالباً ندی کی طرف پانی پینے کے لئے جا رہا تھا۔ گھوڑوں کے سموں کی آواز سن کر وہ پتھر کی آڑ میں کھڑا ہو گیا۔

اس سے مجھ کو اچھی طرح سمجھانے اور ہر پارٹی کو قائم کرنے کی پوری مہلت مل گئی جس پتھر کی آڑ میں چھپا تھا اس سے دائیں بائیں پچاس پچاس گز پر دونوں پارٹیوں کے پہنچ جانے کے بعد میں نے ٹراٹ سے روانہ ہونے کا اشارہ کیا۔ غالباً ہم تیس چالیس گز گئے ہوں گے کہ تڑس ایک دوسری جھاڑی کی آڑ سے تقریباً دو سو گز دور نظر آیا۔ ہم جو پتھر اس کی جائے پناہ سمجھ رہے تھے وہ اندازہ غلط تھا۔ تڑس اس کی آڑ لے کر آگے ہی آگے بڑھ رہا تھا۔ میں نے تیز گیلپ سے سیدھا اس کا رخ کیا اور جلد اس کے قریب جا پہنچا۔ تڑس سمجھ گیا کہ میں اس کے لئے ہی آ رہا ہوں۔ مجھ دیکھ کر وہ بھاگا۔ زمین ہموار تھی اور میں نے گھوڑے کو پوری گیلپ چھوڑ ڈالا تو اس میں اس تک نہ پہنچ سکا۔ ناچار میں رفتار کو چارج تک لایا اور اس کے قریب پہنچ کر نیزہ پسینہال کر جھکا۔ اب صرف اتنی ہی دیر تھی گھوڑے کو دبا کر نیزے کی انی اس کے پیٹ میں اتار دوں کہ دفعتاً وہ نوئے ڈگری پر مڑ گیا۔ گھوڑے کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ گھوڑا کبھی شکار کھیلنا بھی نہ تھا۔ گھوڑے کو روکتے روکتے بھی میں پچاس گز آگے نکل گیا۔

جب پھر میں نے اس کا تعاقب کیا تو تڑس مجھ سے ڈیڑھ سو گز پر تھا۔ میں اس کے سر پر پہنچا تو اس نے گھوڑے کو دیکھتے ہی پھر بائیں جانب دوڑ لگا دی اور سیدھا پہاڑی کے راستے پر ہولیا۔ میں بھی اس راستے پر ہوا مگر اس نے پھر چمک دیا اور اس چکر میں ستر گز دور نکل گیا۔ اب یہ آخری موقع تھا۔ پہاڑی کے دامن میں پتھر دور دور تک پھیلے ہوئے تھے اور مجھ سے ان کا فاصلہ اڑھائی سو گز تھا۔ میں طیش میں آ گیا اور اس معمولی جانور کی چالاکیوں کو اپنے لئے سبکی خیال کرتے ہی گھوڑے کو بے رحمی سے دبا کر اس کی جانب بڑھا۔ اس بار خیال آیا کہ کیوں نہ اسے گولی سے ہی اڑا دوں۔ مگر یہ ایک شکاری کی شان نہیں ہوتی۔ مجھے شرمندگی ہو

رہی تھی کہ تڑس مجھے چمکے دے کر بھاگ رہا ہے اور میں اس کو نیزے کی بجائے بندوق سے مارنے پر تل رہا ہوں۔ بہر حال میں جب گھوڑا دبا کر اس کے پاس پہنچا تو مجھے محسوس ہوا جیسے یہ تھک چکا ہے مگر جو نبی قریب پہنچا تو اس نے اپنا دبا ہوا دم یک دم کھول دیا اور تیزی سے پہاڑی کے شفاف اور ہموار میدان کی طرف نکل گیا۔ اسے قابو کرنے اور مارنے کے لئے مجھے دانتوں پسینہ آ گیا۔ میں تھک کر ٹوٹ گیا تھا مگر تڑس میرے قابو میں نہیں آ رہا تھا۔ ادھر میں نے جن مونیوں کو اس کے گرد گھیرا تنگ کرنے کا کہا تھا وہ اسے پوری طرح گھیرنے میں ناکام رہے تھے۔ کم از کم ڈیڑھ گھنٹے کی بھاگ دوڑ کے بعد میں نے مونیوں کے انداز میں اسے مارنے کا فیصلہ کیا تو مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو گئی۔

اس بار جب میں گھوڑے کو دبا کر تڑس کے قریب پہنچا تو گھوڑے کو اس کے دس قدم پیچھے رکھ کر اس کے برابر لایا اور پھر زمین پر کھڑے ہو کر نیزہ ہاتھوں میں تول کر اس پر دے مارا۔ اس بار تڑس کو بھاگنے کا موقع نہیں ملا۔ نیزہ اس کے کولہے کے اندر تک گھس گیا اور پھر میں گھوڑے سے کو دکر اس کے سر پہنچا اور نیزہ نکال کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور تڑس کو نیزے کے ساتھ ہی اوپر اٹھالیا۔ اس تڑس کو مارنے کے بعد میں نے بہت سے ایسے موذی جانور مارے تھے اور ایک مدت سے مجھے یہ دوبارہ باڑے کے پاس نظر نہیں آئے تھے۔ اس روز گھما میں تڑس کو اپنے اس قدر قریب دیکھا تو کراہت سے منہ بھر گیا۔ میں نے ایک پتھر اٹھایا اور اسے مارنے لگا تھا کہ گڑھے کی دوسری جانب سے اس کے دو تڑس بچے سامنے آ گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ یہ گڑھا ان کی گوی تھی۔ یہاں ایک سے زائد تڑس رہ رہے تھے۔ اس کے باوجود میں نے پتھر اٹھایا اور تڑس کو مار بھاگایا مگر گڑھے کے کنارے پر ٹھہر کر وہ دانت نکال کر غرانے لگا۔ تڑس خطرناک جانور نہیں تھا اس لئے میں اس کے ساتھ مزید الجھنے کی بجائے گھما کے پاس پہنچا تو اندر سے کسی کے ہانپنے کی آواز آرہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بوڑھا جانور نقاہت کے مارے دم توڑ رہا ہے۔

موگاٹا جاچکا تھا لہذا میں نے بندوق کو کاندھے سے لٹکایا اور نیزہ تھام کر اندر داخل

ہو گیا۔

”موگاٹا..... تم آ گئے“

ماگود یوی کی ہانپتی کا پتی آواز میری سماعت سے ٹکرائی

”موگا نا جلدی سے دوشیزہ کی گردن کاٹ دو۔ کل کی رات آنے سے پہلے ہی اسے

انجام تک پہنچا دو اور اس کے لہو سے میری دم توڑتی سانسوں کو بحال کر دو“

میں چار قدم آگے بڑھا تو دیکھا ناگود یوی انگل جارج کی لاش کے قدموں میں اونڈھی پڑی تھی۔ اس کا پورا وجود تھر تھرا کانپ رہا تھا۔

”موگا نا“ وہ لرزتی آواز میں بولی ”مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا۔ میری آنکھوں کے سامنے دھند کی سیاہی چھا رہی ہے جلدی اس کے خون کی بارش سے مجھے نہلا دو۔ اے موگا نا۔ اب کی بار تم مجھے جیون کی طاقت دو گے تو میں تمہیں ایک ایسا خوفناک عمل بتاؤں گی کہ تم اس کی طاقت سے ایک وقت میں کئی جگہوں پر موجود پائے جاؤ گے“

”ماگود یوی“ میں غضب سے بھرا ہوا بولا ”انھو ماگود یوی اور اپنی موت کا منظر دیکھ لو“ میری آواز سنتے ہی ماگود یوی کے بدن میں جھرجھری آئی ”تت..... تت..... تت..... تم مجھے ممت مارو۔ ممت..... میں تمہیں“

ماگود یوی تم کیسی دیوی ہو جس کی زندگی کی ڈور انسانوں کے لہو کی چند بوندوں کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ میں تمہاری یہ خواہش پوری کروں گا ماگود یوی۔ مگر یہ خون موگا نا کا ہوگا۔ اس کے بد معاش زبونا اور موگی کا خون ہوگا“

”تم جس کے خون سے بھی مجھے نہلاؤ گے۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں گی اے شکاری“

ماگود یوی چالاکی سے بولی ”مجھ پر ہر اس انسان کی خدمت واجب ہو جاتی ہے جو میرے لئے غذا کا بندوبست کرتا ہے“ ماگود یوی کی حالت بگڑ رہی تھی۔ ماگود یوی کی حالت بگڑ رہی تھی۔ یکا یک میرے دل میں ایک خیال بجلی کی طرح آیا اور میں نے فیصلہ کیا کہ کیا ہی لطف آئے گا اگر میں موگا نا کے خون سے اس کی دیوی کو خوش کر دوں۔

”ماگود یوی..... کیا تم اپنے عہد پر قائم ہو۔ اگر میں تمہیں خون کی چند بوندیں مہیا کر دوں تو کیا تری دم توڑتی قوتیں بحال ہو جائیں گی اور کیا تو موگا نا کے خلاف میری مدد کرے گی“ ”میں تجھ سے عہد کرتی ہوں اگر تم اس کا عملی ثبوت لینا چاہتے ہو تو سنو۔ میری

آنکھوں کے اوپر سے ایک بال توڑ کر اپنے پاس رکھ لو۔ جب یہ دیکھو کہ میں بدعہدی کرنے والی ہوں تو تم اس بال کو جلا دینا۔ میں جل کر راکھ ہو جاؤں گی اے رحمدل شکاری اور سنو..... میں نے یہ راز موگا نا کو بھی نہیں بتایا“

”میں تجھے چند بوتلیں دے رہا ہوں ماگود یوی“ اس وقت مجھ پر سحر زدگی کا عالم طاری تھا اور میں پر اسرار قوتوں کے وجود سے انکاری ہونے کے باوجود ماگود یوی کے ساتھ اشتراک عمل کرنے پر مجبور ہو رہا تھا۔ میں نے اس کی سحر انگیز آنکھوں کے اوپر سے ایک بال توڑا اور اسے اپنی جیب میں محفوظ کرنے کے بعد پیٹی سے خنجر نکالا اور زبان دانتوں تلے داب اپنی کلائی پر چیرا لگایا۔ تازہ اور گرم گرم خون کی بوندیں ماگود یوی کو پیش کیں تو اس کی سرخ زبان ندیدوں کی طرح میرے لہو کو چاٹ گئی۔ میں کلائی کو انگلی سے دبا کر زخم بند کرنے لگا۔ چند ہی لمحوں بعد ماگود یوی کے بھاری بھر کم اور پھیلے ہوئے وجود کے عضلات سکڑنے لگے اور اس کے اندر زندگی کی لہر دوڑنے لگی۔ چند ہی لمحے بعد ماگود یوی اپنی حشر سامانیوں کے ساتھ بیدار ہو گئی اور اس کی آنکھیں قہر و غضب سے سلگنے لگیں۔

”اے شکاری میں تیری شکر گزار ہوں۔ لیکن ابھی میں نڈھال ہوں“ وہ اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی تو میں نے زخم سے انگلی ہٹائی اور پاس پڑے ایک پیالے میں لہو بھر کر اسے پیش کر دیا۔ ماگود یوی کچھ ہی دیر بعد تازہ دم ہو گئی اور میرے ساتھ گکھا سے باہر نکل آئی اور چٹان پر بیٹھ گئی۔

شام ہو رہی تھی۔ جنگل کے پاس اپنی پناہ گاہوں میں لوٹ رہے تھے۔ پرندوں کی چچہاہٹ اور شور سے گکھا میں رونق بھر آئی تھی۔ موگا نا کے پالتو درندے پیٹ بھرنے کے بعد ایک بار پھر ماگود یوی کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے تھے اور سب کی نظریں ماگود یوی پر مرکوز تھیں۔ ماگود یوی نے فرط غضب سے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور وحشیانہ انداز میں چیخنے لگی۔ اس کی تقلید میں عام درندے دھاڑنے لگے۔ ماگود یوی نے مجھے اشارہ کر دیا کہ میں گکھا میں چلا جاؤں۔ میں گکھا میں داخل ہونے لگا تو نظر اچانک ایک دھاری دار چیتے پر پڑی جو گکھا کے دائیں جانب چٹان پر اس انداز میں لیٹا نظر آیا جیسے ابھی مجھ پر حملہ کر دے گا۔ میں نے ماگو دیوی کی طرف دیکھا تو اس نے مجھے کہا ”گھبراؤ نہیں میرے محسن تم اندر جاؤ۔ یہ ہمارا پالتو درندہ

نہیں ہے۔ بھول کر اندر آ گیا ہے“

میں گپکھا کے اندر گیا تو اسی لمحہ اس چپتے کے دھاڑنے کی آواز آئی اور یوں لگا جیسے وہ ماگود یوی پر حملہ کرنے کے لئے اس پر کود پڑا ہے۔ کیونکہ اسی لمحے میں ماگود یوی کی وحشیانہ چیخ بھی سنائی دی۔ لیکن یہ عجیب اتفاق تھا کہ موگانا کا دلخراش نعرہ بھی اسی لمحہ گونجا تھا۔ مجھے یوں لگا جیسے میں طوفان برق و رعد میں گھر گیا ہوں۔ مجھے گپکھا میں ہر شے لرزتی محسوس ہوئی تھی۔

اگر مجھے ماگود یوی نے اندر جانے کا حکم نہ دیا ہوتا تو میں اپنی آنکھوں سے اس منظر کو دیکھ سکتا تھا۔ دھاری دار چپتے کی دھاڑ موگانا کے پالتو چیتوں سے مختلف تھی اس لئے مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ دھاری دار چیتا شدید قسم کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ اس کی دھاڑ سے گپکھا پر قیامت کا لرزہ طاری تھا۔ موگانا اور ماگود یوی اس چپتے کی دھاڑ سنتے ہی ہولناک قہقہے لگانے لگے تھے۔ میرے اندر ایک عجیب سا ہيجان اور تجسس برپا ہو رہا تھا کہ میں باہر جا کر دیکھوں تو سہی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ اس لمحے مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں ماگود یوی مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہی اور مجھے اپنے جال میں پھانس کر بل میں گھسے ہوئے چوہے کی طرح مارنا تو نہیں چاہتی۔ مجھے توقع تھی کہ موگانا کے آتے ہی ماگود یوی اس پر اپنا قہر ڈالے گی لیکن دھاری دار چپتے کی غیر متوقع آمد سے لگ رہا تھا کہ ماگود یوی اور موگانا مل کر اس کا شکار کرنے والے ہیں۔ پھر مجھے روزی کا خیال آ گیا کہ موگانا تو اس کو لینے گیا تھا۔ کیا وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا ہے۔ ماگود یوی روزی کو دیکھ کر اپنے عہد سے مکر تو نہیں گئی۔ میں گپکھا میں کھڑا ہو کر سوچتا رہا اور پھر انکل جارج کی لاش پر ایک نظر ڈالنے کے بعد میں نے اپنی جیب سے ماچس نکالی اور آگ جلا کر ماگود یوی کے بال کو تھوڑی سی تپش دینے ہی لگا تھا کہ یکایک ماگود یوی کی دلخراش چیخ گونجی اور وہ کرب و ابتلا میں مبتلا ہو کر چلائی۔

”اے شکاری یہ ظلم نہ کرنا“

اطمینان بھری مسکراہٹ میرے لبوں پر کھل اٹھی۔ میں نے ماچس کی تیلی بجھا دی اور بال دوبارہ محفوظ کر لیا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ ماگود یوی کی جان اس کے بالوں میں ہے۔ لہذا اس نے جب مجھے چکمہ دینے کی کوشش کی تو میں اسے آنا فانا جلا ڈالوں گا۔

کچھ ہی دیر بعد مجھے احساس ہوا کہ چپتے کی دھاڑ ختم ہو چکی ہے اور باہر خاموشی کا عجیب سا طلسم طاری ہے۔ میں نے اشتیاق کے مارے باہر جھانکا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ

داغ دی۔ گولی نے اس کے سر کے پر نچے اڑا دیئے تھے لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ دوسرے درندے ایک دم کھڑے ہو گئے اور مجھے خونخوار نظروں سے گھورنے لگے۔ مجھے خیال آیا کہ میرے بدن کی وہ مانوس بو ختم ہو گئی ہے جو مجھے درندوں کے عتاب سے بچاتی تھی۔ میرے پاس چربی کی تھوڑی سی مقدار محفوظ تھی۔ لہذا میں جلدی سے گھما میں داخل ہوا اور چربی نکال کر اپنے بدن پر ملنے لگا۔ لیکن اس دوران کم و بیش درجن بھر شیر اور سیاہ چھتے گھما کے دروازے تک پہنچ چکے تھے۔

میں نے اس احساس کے ساتھ دوسری بھری ہوئی بندوق سے ان پر دو فائر کر دیئے کہ ابھی چربی کی بوفضا میں تحلیل نہیں ہوئی تھی۔ جب تک چربی کا سحر فضا میں منتشر ہوتا یہ درندے مجھ پر حملہ کر سکتے تھے۔ میں تنہا شخص ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔

دو گولیاں یکے بعد دیگرے چلیں تو آگے بڑھتے ہوئے دو چھتے ان کا شکار ہو گئے لیکن بھوری ایال والے شیر منہ کھولے میری طرف بڑھتے رہے۔ اس دوران میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی اور میں نے چربی کی معمولی سی مقدار ایک سوکھی ہوئی شاخ پر لگا لی اور اسے درندوں کی طرف پھینک دیا۔ شیر اس شاخ پر چھپنے لگا دوسرے ہی لمحے وہ خوں آشام درندے بھیگی بلیوں کی طرح دم ہلاتے اٹھنے قدموں پیچھے ہٹ گئے۔ یہ دیکھ کر میں باہر نکلا تو نتیجہ میری توقع کے برعکس نکلا۔ جونہی میں نے گھما سے باہر قدم رکھے تمام درندے ایک دم پھر خونخوار ہو گئے اور میری طرف بڑھنے لگے۔ میں جلدی سے گھما میں داخل ہو گیا لیکن اس بار تمام درندے اس شاخ کے پاس آ کر مودب سے ہو گئے اور مجھے لاچارگی سے گھورتے ہوئے واپس ہو گئے۔

میں اس فسانہ قدرت پر حیران تھا کہ جس چربی کی سحر انگیز بو انہیں معصوم درندہ بنا دیتی ہے وہ تو میرے بدن پر بھی لگی ہے لیکن وہ ایک شاخ پر لگی معمولی سی چربی سے خائف ہو کر واپس چلے جاتے ہیں مگر میرے بدن پر لگی اس کی خاصی مقدار انہیں میرا مطیع نہیں بناتی۔ میں نے اپنے بدن پر لگی چربی کو محسوس کرنے کے لئے گہری سانس بھری تو مجھ پر انکشاف ہوا کہ چربی کی بو تو ناپید ہو گئی ہے۔ میں اس کشمکش میں گرفتار تھا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اس چربی کی بو کی وجہ سے میں اور مورژا و درندوں سے محفوظ رہ کر یہاں پہنچے تھے مگر اب کی بار چربی

موگاٹا سیاہ چھتے پر سوار ہو کر ماگود یوی کے گرد چکر کاٹ رہا تھا۔ اس نے ہاتھ میں ایک جلتی ہوئی مشعل پکڑی ہوئی تھی۔ اندھیرا بڑھ رہا تھا اور مشعل کی زرد روشنی میں سیاہ درندوں کی آنکھیں لہو کے چراغوں کی طرح جل رہی تھیں۔ ماگود یوی نے اپنا سر پکڑا ہوا تھا اور بار بار اسے جھٹک رہی تھی۔ دھاری دار چیتا چٹان کے نیچے کچھ اس طرح پڑا تھا کہ اس کا سر اس کے تن سے جدا ہو کر دور پڑا تھا اور پیٹ کی الائنش دور دور تک بکھری ہوئی تھی۔ مشعل کی روشنی میں موگاٹا کا سیاہ بدن چمک رہا تھا۔ وہ خون میں لت پت تھا۔ غالباً اس نے چھتے کو اپنے ہاتھوں سے مارا تھا۔

ماگود یوی کسی تکلیف میں مبتلا تھی جبکہ موگاٹا اس کے گرد چکر لگاتا اور زیر لب کچھ بڑبڑاتا جا رہا تھا۔ اس کے چکر کاٹنے میں اب شدت آ رہی تھی۔ سیاہ چیتا دوڑنے کے انداز میں چکر کاٹ رہا تھا۔ جوں جوں موگاٹا کے چکر کاٹنے میں شدت آ رہی تھی ماگود یوی کی حالت گبڑتی ہی جا رہی تھی۔ ماگود یوی کی یہ حالت دیکھتے ہی میرے ذہن میں کوئنا سالپاکا اور میں نے جھٹ سے بندوق سیدھی کی اور موگاٹا کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ اس وقت موگاٹا ماگود یوی کے دائیں سمت پر تھا اور اس کی بڑبڑاہٹ تیز ہو چکی تھی۔ گولی کی آواز سے پورا جنگل تھرا اٹھا اور موگاٹا چھتے سمیت لڑکھڑا کر دور جا گر اٹھا۔

یہ سب کچھ آنا فانا ہو گیا تھا۔

گولی کی آواز نے موگاٹا کا سحر توڑ دیا تھا اور ماگود یوی ایک دم ہوش میں آ گئی تھی۔ اس نے پہلے میری طرف پھر موگاٹا کی طرف دیکھا اور پھر برق کی طرح زقند بھر کے وہ اس جانب کو کود گئی جہر موگاٹا اور اس کا چیتا گرے تھے۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ اس بار میری گولی نے موگاٹا کے سینے میں سوراخ کر دیا ہوگا اور اسے سانس لینے کی بھی مہلت نہیں ملے گی۔

میں بھی گھما سے باہر آ گیا لیکن اپنی احتیاطی تدابیر میں نے مد نظر رکھی تھیں۔ میں دبے پاؤں آگے بڑھنے لگا تو چٹان کے پاس بیٹھے موگاٹا کے پالتو درندے منہ اٹھا کر میری جانب دیکھنے لگے اور پھر دوسرے ہی ثانیے ان تمام درندوں کے تیور بدل گئے جو کچھ دیر پہلے مجھے ممنونیت کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ سب سے پہلے ایک بھاری جسامت کا شیر اپنے جارحانہ تیوروں کے ساتھ میری جانب بڑھا۔ اس کی سلکتی اور شیطانی آنکھوں میں خون بھرا ہوا تھا۔ زبان لبوں پر پھیرتا ہوا میری طرف بڑھا تو میں نے فوراً اس کے سر کا نشانہ لیا اور گولی

بدن پر ملی ہے تو درندے اس کو خاطر میں نہیں لارہے تھے۔ یا تو میرے ساتھ کوئی ایسا مسئلہ ہو گیا تھا کہ میرا بدن چربی کو قبول نہیں کر رہا تھا یا درندے اپنے آقا موگاٹا کی موجودگی میں میری حقیقت جان گئے تھے۔ بہر حال کچھ بھی تھا لیکن میں تو کبھی میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔ اگر اتفاق سے میرے ذہن میں یہ خیال نہ آتا اور میں شاخ پر چربی لگا کر باہر نہ پھینک دیتا تو یقیناً تمام درندے کبھاکے اندر آچکے ہوتے اور میرا ان سے بچ رہنا ممکن نہ ہوتا۔

درندے چٹان کے پاس بیٹھے تھے اور ان کی نظریں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میں نے اس دوران ایک رسک لیا اور کبھاکے باہر نکل کر شاخ اٹھالی اور پھر یہ دیکھنے کے لئے باہر کھڑا رہا کہ کیا یہ درندے اس شاخ کی موجودگی میں بھی مجھ پر حملہ آور ہوں گے کہ نہیں۔ میری حد سے بڑھی ہوئی بہادری یا بے وقوفی تھی کہ میں نے اس وقت اپنا ایک ایسا حفاظتی قلعہ مسمار کر دیا تھا جو ایک معمولی سی شاخ کے تن سے قائم تھا۔ جونہی میں نے شاخ اٹھائی تمام درندے ایک دم ہوشیار ہو گئے اور مجھ پر حملہ کرنے کے لئے اٹھے۔ میں سمجھ گیا کہ اس شاخ پر لگی چربی کا سحر ٹوٹ گیا ہے۔ لہذا میں نے اسے اس جگہ ڈال دیا اور کبھاکے واپس بھاگا مگر اس بار تمام درندے شاخ کے اوپر سے گزر کر کبھاکے داخل ہونے لگے تھے۔

میرے اوسان خطا ہونے والے تھے اور میری موت آنے میں کچھ ساعتیں ہی رہ گئی تھیں کہ میں نے ایک دوسری شاخ لی اور اس پر چربی مل کر درندوں کے اوپر پھینک دی۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ درندے شاخ کو سونگھتے ہی رک گئے لیکن اس کا بڑا نقصان یہ ہوا کہ شاخ کبھاکے دروازے کے عین بیچ میں گری تھی اور تمام درندے کبھاکے دروازے پر شاخ سے دو دو قدم پیچھے ہٹ کر بیٹھ گئے۔ وہ مجھے چیر پھاڑ دینے والی نظروں سے گھور رہے تھے۔ اب میں مکمل طور پر کبھاکے بند ہو کر رہ گیا تھا اور کچھ بعید نہیں تھا کہ اس عجیب الفطرت محرک چربی کی بوبک ختم ہو جائے گی اور یہ تمام درندے معمولی سی شاخ کو پھلانگ کر مجھ پر کود پڑتے۔ کچھ دیر تک میں درندوں کے مقابل کبھاکے بیٹھا رہا پھر میں نے بارود پر نظر دوڑائی تو میرے اندر بجلی سی کوندی۔ میں نے درندوں کا جائزہ لیا اور ان کی گنتی کرنے لگا۔ ان میں آٹھ بہر شیر اور چار سیاہ چیتے تھے۔ میرے اندازے کے مطابق فی الحال کبھاکے اتنے ہی محافظ درندے تھے۔ میری دونوں بندوقیں خالی ہو چکی تھیں۔ میں نے ان میں بارود بھرا اور پھر تیسری

بندوق کو ہاتھوں میں تول کر اس کی شست باندھی۔ میں نے اپنے بارود کا جائزہ لے لیا تھا۔ یہ بارود کم و بیش دو تین سو جانوروں کو مارنے کے لئے کافی تھا۔ لہذا میں نے یہ سوچ کر کہ اس وقت یہ درندے انجانی دیوار کی وجہ سے مجھ تک نہیں پہنچ رہے تو مجھے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس وقت بہر شیر سیاہ چیتوں سے آگے بیٹھے چاروں چیتے شیروں کے عقب سے گردنیں اٹھائے اپنے پنجوں پر یوں بیٹھے تھے جیسے انہیں جونہی موقع ملا وہ کسی آفت زدہ پرندے کی طرح اڑ کر مجھ تک پہنچ جائیں گے۔ مجھے سب سے زیادہ خطرہ بھی سیاہ چیتوں سے تھا۔ اس کا مجھ سے فاصلہ دس قدم ہوگا۔

کبھاکے اندھیرے میں ڈوب گئی تھی اور درندوں کے سیاہ بدن بھی اندھیرے کا حصہ بن رہے تھے۔ چٹان کے پاس پڑی کھاس پھونس موگاٹا کی گری ہوئی مشعل سے آگ پکڑ چکی تھی۔ اندھیرے میں بیٹھ کر درندوں کو شکار کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ اس طرح انہیں میرے عزائم کا پتہ نہ لگتا۔ میں نے پہلے ایک چیتے کے سر کا نشانہ لیا اور پھر دوسرا لمحہ ضائع کئے بغیر دونوں بندوق کی مدد سے دوسرے چیتے کو بھی شکار کر لیا۔ دونوں چیتوں کی کھوپڑیاں پاش پاش ہو گئی تھیں۔ میں نے جھٹ سے دوسری بندوق اٹھائی اور پھر پہلی صف میں بیٹھے دونوں شیروں کو اس طرح نشانہ بنایا۔ چند لمحے میں دو چیتے اور دو شیر ہلاک کر دیئے تھے۔ درندوں نے اپنے ساتھیوں کو خون میں لت پت دیکھا تو گولیوں کی دہشت نے انہیں مزید خونخوار بنادیا اور پھر اس سے قبل کہ وہ درندے آگے پیچھے ہوتے میں نے تیسری بندوق سے بھی دو شیروں کو نشانہ بنایا اور پھر جلدی سے تینوں بندوقوں میں گولیاں بھر لیں۔

میں نے آج تک اتنی تیزی اور آسانی سے اتنے درندے نہیں مارے تھے۔ یہ انہونی طاغوتی ماحول کی وجہ سے وقوع پذیر ہو رہی تھی۔ چھ درندے مارنے کے بعد مجھ پر دیوانگی طاری ہو گئی۔ درندوں بالخصوص چیتے کی نفسیات یہ کہتی ہے کہ وہ شکاری کو دیکھ کر اپنا راستہ بدل لیتا ہے۔ اگر اس کے دو تین ساتھی مار دیئے جائیں تو منظر سے ہٹ کر عقب سے حملہ کرتا ہے مگر یہ درندے موگاٹا کی سحری طاقتوں کے جال میں اتنے مضبوطی سے قید ہو چکے تھے کہ وہ خمد میں آ کر وہاں سے ہٹنے پر مائل نہیں ہو رہے تھے بلکہ جی داری سے خود کو ہلاکتوں کے منہ میں ڈال رہے تھے۔ مجھ پر اپنی جان کی حفاظت کا خیال اتنا غالب آچکا تھا کہ میں نے دوسری

بار بھی بندوقیں ان پر خالی کر ڈالیں۔ میں نے کچھ افراتفری بھی دکھائی تھی۔ میں نے بندوقیں دوسری بار بارود سے بھر لیں اور پھر اس اطمینان کے بعد گپکھا کے دروازے میں آ کھڑا ہوا کہ میں نے سارے درندے مار ڈالے ہیں۔

چٹان کے گرد آگ پھیل رہی تھی۔ ماگودیوی اور موگٹا کی کچھ خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں تھے۔ میں نے ارد گرد کا جائزہ لیا پھر مرے ہوئے درندوں کی گنتی کرنے لگا۔ میرے سامنے گیارہ درندے ابدی نیند سو رہے تھے۔ میں نے پہلے جب ان کی گنتی کی تھی تو یہ بارہ تھے لیکن اس وقت تین سیاہ چیتے اور آٹھ شیر میری گولیوں کا نشانہ بنے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ ایک سیاہ چیتا موقع سے فرار ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس پر دہشت طاری ہو گئی ہے اور وہ بھاگ گیا ہے اس کے باوجود میں نے احتیاط کی اور گپکھا سے باہر نہیں نکلا۔

مجھے اب ماگودیوی کا انتظار تھا۔ رات گہری ہو رہی تھی اور جنگلی پرندوں حشرات الارض اور جگ رتنے کے عادی جانوروں کے شور سے جنگل کا سکوت درہم برہم ہو رہا تھا۔ مجھے یہ رات گپکھا میں ہی گزارنی تھی۔ گپکھا میں مکمل اندھیرا تھا۔ میں اندھیرے میں رہ کر ساری رات نہیں گزار سکتا تھا۔ نہ معلوم کس وقت کوئی موذی جانور اندر داخل ہو کر مجھ پر حملہ آور ہو جاتا۔ میں اس سحر زدہ شاخ پر انحصار بھی نہیں کر سکتا تھا تاہم میں نے اسے دروازے پر ہی رہنے دیا۔ میں نے آگ جلانے کے لئے گپکھا کے اندر رکھی خشک گھاس کو درندوں کے اوپر سے گزر کر باہر رکھا اور اسے آگ لگا کر گپکھا کے اندر داخل ہو گیا۔ اس آگ کی روشنی گپکھا کے اندھیرے کو ختم کرنے لگی۔ میں اس قدر اطمینان سے گپکھا میں داخل ہوا جیسے میرے لئے اندر سکون اور راحت ہے۔ مجھے کسی قسم کا خوف نہیں رہا تھا۔

جنگل کی مہیب و تاریک دنیا میں زندگی گزارتے گزارتے خوف و ہراس میری رگوں سے نکل گیا تھا۔ لیکن میں جونہی اندر داخل ہوا مجھے سیاہ چیتے کی غراہٹ سنائی دی اور اسی لمحے گپکھا کے کونے میں دو سلگتی آنکھیں دکھائی دیں۔ میں نے جھٹ سے بندوق اس کی جانب اٹھائی مگر میری بد قسمتی کہ چیتے نے مجھے موقع ہی نہیں دیا۔ میں نے گولی چلا تو دی تھی اور اس کے جواب میں سیاہ چیتے کی دلخراش دھاڑ بھی سنائی دی تھی لیکن ایک مہیب سیاہ سایہ مجھ پر اس قدر زور سے گرا تھا کہ میں اس کے بوجھ تلے دب کر رہ گیا۔ سیاہ چیتا گولی کھانے کے باوجود مجھ پر

حملہ آور ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور اس نے مجھے اپنے خونی پنوں اور دانتوں سے اڈھڑ کر رکھ دیا تھا۔ سیاہ چیتے کا وزن بھاری چٹان جتنا ہوگا۔ میں اچانک حملے سے حواس باختہ ہو گیا تھا اور اس وقت اس کے رحم و کرم پر تھا۔ چیتے نے اپنے دانت میرے بائیں شانے میں گاڑ دئے تھے اور جھٹکے سے شانے کا گوشت اکھاڑ کر ہڑپ کر گیا۔ میرے ذہن پر موت کی تاریکی چھا گئی اور مجھے کچھ ہوش نہ رہا کہ میں کہاں ہوں۔

نہ جانے میں کب تک ہوش و حواس سے بیگانہ رہا تھا۔ میرے ذہن پر تاریکیاں مسلط تھیں اور کانوں میں سیاہ چیتے کی دھاڑ سنائی دے رہی تھی۔ مجھے احساس ہو رہا تھا کہ میں موت کی گہری وادیوں میں اندھا دھند نیچے نیچے اتر رہا ہوں۔ مجھے ایک جانب سے روشنی کی لہر سی لہراتی نظر آئی کوئی میرا نام لے کر مجھے پکار رہا تھا۔ میں دیوانہ وار اندھیروں میں بھاگ رہا تھا۔ روشنی کی لہر بہت جلد مجھ تک آ پہنچی اور میری آنکھوں کے سامنے چھایا اندھیرا چھٹنے لگا۔ روشنی کے ہیولے میں روزی کا چہرہ نمایاں ہو رہا تھا۔ لیکن اس وقت تک مجھ پر سیاہ چیتے کے عفریت کا خوف ہی جاگزیں تھا۔ میں چلایا۔

”روزی وہ سیاہ چیتا“

روزی نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور مسیحاؤں کے رحم آمیز انداز میں بولی ”میں تمہارے پاس ہوں آنکھیں کھولو۔ سیاہ چیتا مر گیا ہے“ میری بند آنکھوں کے پوٹے کھول کر نور کے ہیولے کو اس میں لہرانے لگی اور پھر میں نے ایک دم جیسے آنکھیں کھول دیں۔ میں ایک سیاہ چٹان پر لیٹا ہوا تھا۔ سورج میرے سر پر چمک رہا تھا۔ میری ایک جانب روزی بیٹھی تھی۔ اس کا ستا ہوا چہرہ میری آنکھیں کھلتی دیکھ کر کھل اٹھا۔ اس نے کاندھے پر کمان لٹکائی ہوئی تھی۔

”اٹھو۔ دیکھو ماحول کتنا صاف ہو چکا ہے“

”روزی تم..... تم کہاں چلی گئی تھی“ پھر میں اٹھا تو نقابہت سے میرا سر چکرا گیا ”موگٹا..... ماگودیوی..... سب کہاں ہیں۔ تم زندہ ہو روزی“ میں نے خواب ناک انداز میں اسے دیکھا اور بے یقینی سے قرب و جوار میں دیکھنے لگا۔ ہم دونوں گپکھا سے کچھ فاصلے پر بیٹھے تھے۔

”میں تمہیں سب کچھ بتاتی ہوں۔ لیکن پہلے کچھ کھا لو تمہارا بہت سا خون بہہ چکا

ہے“

میں نے اپنے زخمی شانے کی طرف دیکھا تو روزی بولی ”میں نے اس پر جڑی بوٹیوں کا لیپ کر دیا ہے۔ زخم بہت گہرا ہے۔ ظالم تمہارا گوشت کھا گیا ہے۔“

”ماگود یوی کہاں ہے روزی۔ اوہ میرے خدا..... تم موگاٹا کی قید میں تھی“ میں نے بولنا چاہا تو روزی نے اپنا دودھیا ہاتھ میرے منہ پر رکھا اور بولی۔

”ابھی خاموش رہو۔ میں نے کہاں ناں کہ سب کچھ بتاؤں گی“

میں اسے مہربان نظروں سے دیکھنے لگا تو وہ سیاہ چٹان پر جما ہوا گورگائے کا دودھ کھرپنے لگی۔ پھر وہ میرے لئے پانی لائی اور جیسے ہوئے دودھ کو اس میں گھول کر مجھے پلانے لگی۔ گورگائے جنگل کی دنیا میں ایک ایسا معصوم جانور ہے جس کا دودھ اس کے بوجھ سے دب کر چٹانوں پر بہہ جاتا ہے اور پھر گاڑھا ہونے کی وجہ سے جم جاتا ہے۔ جنگلی لوگ اس دودھ کی تلاش میں سارا سارا دن چھوٹی چھوٹی چٹانیں کھنگالتے پھرتے ہیں۔ گورگائے کا دودھ طاقتور غذا ہوتا ہے اگر یہ کسی سوکھے اور مرمل انسان کو بھی پلایا جائے تو وہ چند روز میں طاقتور ہو جاتا ہے۔

دودھ پیٹ میں اترا تو میری رگوں میں توانائی کا تلاطم برپا ہونے لگا۔ اس وقت سورج خوب چمک رہا تھا اور اس کی تپش سے جنگل کے اس خطہ سرسبز میں عجیب سی سرشاری کا احساس ہو رہا تھا۔ کئی برس پہلے جب میں پیرس میں تھا دوستوں کے ساتھ سن باتھ کے لئے سمندر کنارے جایا کرتا تھا اور ساری دوپہر سمندر کی طرف سے آنے والی نم آلود خوشگوار ہواؤں میں چمکتے سورج کی تیز کرنوں سے محفوظ ہوا کرتا تھا۔ یہی احساس مجھے اس وقت ہو رہا تھا جب میں سیاہ چٹان پر لیٹا ہوا تھا اور روزی میرے پاس بیٹھی تھی۔ میری طبیعت قدرے بحال ہو گئی تھی۔ میں روزی سے ایک بار پھر استفسار کرنے لگا۔

”روزی تم مجھے یہاں کس طرح لائی ہو“

اس کے چہرے پر شدید اضطراب اور غم کی گھنائیں چھا گئیں بولی ”قدرت نے مجھے تم تک پہنچا دیا ہے اگر میں تمہاری مدد کو نہ آ پہنچتی تو تم اس سیاہ چھتے کی خوراک بن چکے ہوتے۔“

”یہی تو میں پوچھ رہا ہوں۔ تمہیں موگاٹا نے قید کر رکھا تھا اور تم پردو پنہنیدار بٹھائے گئے تھے۔“

”لیکن میں ان کی قید سے بھاگ نکلی تھی“ اس کے چہرے پر کرب تھا۔ موگاٹا نے مجھے اس روز پکڑ لیا تھا جب میں نے اس کی گھما کو تلاش کر لیا تھا۔ میں نے اس کے دو سیاہ چھتے مار ڈالے تھے۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ موگاٹا اس گھما میں آتا رہتا ہے۔ مجھے موگاٹا کی ہی تلاش تھی مگر اس روز میں انجانے میں یہاں تک آ گئی۔“

”روزی..... ہاں تمہارا نام روزی ہے“ میں نے سر ہلا کر کہا! تم انکل جارج فرینڈس کی بیٹی ہو۔ میں یہ جان گیا ہوں۔ میں نے تمہارے بارے میں انکل جارج کے خط میں تمہارا ذکر پڑھا ہے۔“

روزی ایک دم بے چین اور بے قرار ہو گئی اور بولی ”تم نے کہاں پڑھا ہے یہ خط“
 ”میرے پاس ہے“ میں نے جیب سے خط نکالا تو اس کے ساتھ ماگود یو کا بال
 بھی باہر آ گیا۔ روزی نے ماگود یو کے بال پر توجہ نہ دی اور خط میرے ہاتھ سے چھین کر اسے
 پڑھنے لگی۔ وہ خط پڑھتی اور روتی جاتی۔ میں نے ماگود یو کا بال دوبارہ جیب میں ڈال لیا۔
 اس دوران روزی خط پڑھ کر بکھنے لگی تھی۔ وہ مجھے اس معصوم بچی کی طرح لگ رہی تھی جو بھرے
 ہجوم میں اپنے ماما چاچا سے بچھڑ جاتی ہے اور ان کی یاد میں روتی رہتی ہے۔ اس لمحے روزی مجھے
 جنگل کی پیداوار نہیں لگ رہی تھی۔ وہ لڑکی جو شیروں اور چیتوں کو تیر کمان سے شکار کرتی ہے
 لیکن جذبوں کی آماجگ ملنے پر پکھلنے لگی تھی۔

”تم نے یہ خط کہاں سے لیا ہے“ اس نے خط کو اپنی آنکھوں سے لگاتے ہوئے بے
 قراری سے پوچھا ”مجھے جلدی سے بتاؤ کیا یہ خط میرے پاپا نے دیا ہے۔ پاپا تمہیں کہاں ملے
 ہیں۔“

روزی کی یہ حالت دیکھ کر میں پریشان ہو گیا۔ میں نے برسوں سے کسی کی آنکھ سے
 آنسو بہتے ہوئے نہیں دیکھے تھے۔ جنگل کی مہیب تاریکیوں اور درندہ صفتی کے ماحول میں
 آنسوؤں کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ میں نے جنگلیوں کو کبھی روتے نہیں دیکھا۔ البتہ کبھی وہ
 روتے بھی تھے تو ان کی آہ و بکا ان کی سینہ کو بی تک محدود رہتی تھی۔ میں نے کسی کی آنکھ سے
 آنسو بہتے پانی کو نہیں دیکھا تھا۔ جنگل کی دن یا میں نرم اور حساس جذبوں کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔
 روزی کی معصومیت نے مجھے ہلا کر رکھ دیا تھا اور میرے اندر مترحم جذبات کا سیل رواں اٹھانے
 لگا مگر میں خاموش رہا۔ روزی مجھے گھورنے لگی۔

”تم بتاتے کیوں نہیں۔ پاپا تمہیں کہاں ملے تھے۔ دیکھو اگر تم نے مجھے نہ بتایا تو میں
 یہ تیر تمہارے سینے میں اتار دوں گی۔“

”روزی صبر اور تحمل سے میری بات سنو۔ تم جانتی ہو کہ اس جنگل کی دنیا میں انسانی
 جان کی کوئی قیمت نہیں ہوتی۔ شکاری کو موت سے عشق ہوتا ہے اور موت ہی اس کی محبوبہ ہوتی
 ہے جو سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتی ہے۔ شکار سے وابستہ لوگوں کے اعصاب بہت
 مضبوط ہوتے ہیں۔ ایک شکاری وقتی طور پر تو اپنے کسی دوست یا خونی رشتے کے کھوجانے پر غم

زدہ ہو جاتا ہے مگر اس کی جبلت اور تربیت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ غم و اندوہ میں زیادہ دیر بٹلانا
 رہے۔ ان جنگلیوں کو دیکھو ان کے نزدیک زندگی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اپنوں اور غیروں □ کو
 بھون کر کھا جانے والے لوگ ہیں۔ یقیناً تم جانتی ہو گی کہ انکل جارج اور میرے والد نے ان
 جنگلیوں کو سفید فام انسانوں کے ساتھ نرم سلوک کرنے پر کیسے مجبور کیا۔ مہذب دنیا سے نکل کر
 وہ یہاں آئے جہاں سفید فام ان سیاہ فام جنگلیوں کی خوراک بن جایا کرتے تھے۔ انکل جارج
 اور میرے والد کے کئی دوست ان جنگلیوں کے پیٹوں میں اتر گئے لیکن انہوں نے حکمت اور
 طاقت سے جنگلیوں کو اپنا فر مانبر دار بنایا اور تمہیں قدرے تمیز سکھا دی اور پھر یہاں آباد ہو گئے۔
 موگا ٹا جیسے مکار اور سفاک لوگ چونکہ یہاں ہمیشہ سے ان کے لئے مذہبی پیشوا کی

حیثیت رکھتے ہیں اس لئے انکل جارج، میرے والد، میرے لئے اور تمہارے لئے وہ
 مشکلات پیدا کرتے رہے ہیں۔ انکل جارج نے تمہاری تربیت جس ماحول میں کی ہے اس کا
 پہلا تقاضا یہ ہے کہ تمہارے اندر بے خوفی اور مضبوطی ہونی چاہئے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ سب
 خواص تم میں موجود ہیں۔ انکل جارج کو معلوم تھا کہ موگا ٹا جیسے شیطان صفت مذہبی پیشوا جس
 قبیلے میں بھی ہوں گے وہاں شیطانی پھیلا کر رکھیں گے۔ اس لئے موت ان کے تعاقب میں
 رہتی تھی۔ یقیناً موگا ٹا نے ہی انکل جارج کو اپنے انتقام کا نشانہ بنایا ہوگا۔ مجھے یہ خط انکل جارج
 کے بوسیدہ کپڑوں سے ملا تھا۔“

میری باتوں نے روزی پر اثر دکھایا اور وہ اپنے آنسو خشک کر کے میری طرف دیکھنے
 لگی۔ ”سنو روزی..... انکل جارج کی لاش موگا ٹا کی گچھا میں حنوط حالت میں موجود ہے۔ مجھے
 مورثا نے بتایا تھا کہ موگا ٹا نے ان کی لاش کو یہاں محفوظ کیا ہے۔ میں انہیں دیکھ چکا ہوں اور
 ان سے عہد کر چکا ہوں کہ میں موگا ٹا کو مار کر ان کی روح کو خوش کر دوں گا۔ انکل جارج کی
 بند و قیں اور بارود اس گچھا میں ہے۔“

میرے پاپا..... ”روزی کی آواز رندہ گئی۔ اس گچھا میں“ وہ تیر کمان اٹھا کر پلک
 جھپکتے میں اٹھی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تم ابھی وہاں نہیں جاؤ گی“
 اس نے جھپکتے سے میرا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر مضبوط ہاتھوں میں اس کی کلائی اٹھنی ٹکے

میں پھنسے خرگوش کی طرح بے بس ہو کر رہ گئی

”میں پایا کو دیکھنا چاہتی ہوں۔“

میں اٹھ پڑا ”ہاں ضرور دیکھنا۔ ہم انکل کی لاش کو یہاں سے لے جائیں گے لیکن پہلے مجھے ان حالات سے آگاہ کرو کہ تم یہاں کیسے آئی اور تم نے اس سیاہ چیتے سے کیسے بچایا۔ تم نے موگا ٹا اور ماگود یوی کو بھی دیکھا ہے کہ نہیں۔“

روزی بادل نوا استہ بیٹھ گئی اور ٹھنڈی سانس کھینچ کر بولی۔ ”میں پہلی بار جب تم سے ملی تھی تو مجھے بے حد سکون ملا تھا۔ مجھے تمہاری تلاش بھی تھی۔ میرے والد تمہارا جو نقشہ کھینچا کرتے تھے مجھے اس میں کشش محسوس ہوتی تھی۔ یہ اتفاق ہے کہ میں اس وقت تمہارے کام آئی جب سیاہ موت تم کو اپنا شکار کرنے والی تھی۔ اس رات میں تمہارے جھونپڑے سے باہر نکلی تو مجھے احساس ہوا کہ کوئی دشمن چوری چھپے جھونپڑے کے عقب میں نقب لگا رہا ہے۔ میں نے اسے پکڑ لیا تو اس نے بتایا کہ اسے موگا ٹا نے تمہیں مارنے کے لئے بھیجا تھا۔ موگا ٹا کے بارے میں سنتے ہی مجھے غصہ آ گیا اور میں نے اس کو مار کر باڑے میں بھڑکتی آگ میں پھینک دیا۔ پھر میں موگا ٹا کی تلاش میں نکلی مگر جگہ جگہ قبیلے نے پہرے بٹھائے ہوئے تھے۔ تمہارے جھونپڑے کے عقب میں جوشیب ہیں اس طرف سے ہوتی ہوئی اس کی گھاس تک آ پہنچی۔

میں نے گھما کے سامنے دو سیاہ چیتے دیکھے تو میرا ماتھا ٹھکا۔ میں نے انہیں تیروں کی مدد سے ہلاک کر دیا۔ گھما کے باہر تھوڑی سی جگہ پر آگ جل رہی تھی اور اس کے پاس دو انسانوں کی کھوپڑیاں پڑی تھیں۔ میں حیران ہو کر اس گھما میں داخل ہو گئی تو موگا ٹا وہاں موجود تھا۔ اندر ایک سیاہ چیتا اور موگا ٹا کے دو محافظ موجود تھے۔ انہوں نے مجھے قابو کر لیا۔ موگا ٹا مجھے دیکھتے ہی شیطان بن گیا اور اپنے محافظوں سے کہا کہ مجھے درندوں کے پہرے میں قید کر دیا جائے وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اس کی گھناؤنی اور مکروہ شکل دیکھ کر میں نے اس پر تھوک دیا۔ موگا ٹا کے دونوں محافظ مجھے گنجان جنگل میں لے گئے۔ وہاں جھاڑیوں اور درختوں کے درمیان ایک جگہ کو صاف کر کے اسے اس طرح جھونپڑے کی شکل دے دی گئی ہے کہ چاروں طرف درخت اور جھاڑیاں آپس میں باہم جڑی ہوئی ہیں سر کے اوپر خاصی بلندی پر قد آور درخت جھکے ہوئے ہیں اور اوپر سے کسی چھت کی طرح بند ہو جاتے ہیں۔ جھونپڑے کے باہر

شیر اور چیتے بیٹھے رہتے ہیں جبکہ اس کے دونوں محافظ جھونپڑے کے دروازے کے پاس بیٹھ کر پہرہ دیتے ہیں۔ میں نے جھونپڑے میں قید ہوتے ہی اس کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر میرے ذہن میں ایک تدبیر آ گئی۔ مجھے بچپن سے درختوں پر بندر کی طرح چڑھنے اور ایک درخت کی شاخ سے لٹک کر دوسرے درخت تک پہنچنے میں مہارت حاصل ہے۔ شام سے پہلے جنگل میں تار کی بڑھ جاتی ہے۔

میں نے اس کا فائدہ اٹھایا اور جھونپڑے کے ایک تن آور درخت پر چڑھ کر وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گئی۔ شیروں اور چیتوں نے میری بو پالی تھی لہذا میں درختوں کی شاخوں سے لٹک کر باہر نکل آئی۔ اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا جب میں گھما سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے شیروں اور سیاہ چیتوں کو دیکھا اور پھر ایک عجیب و غریب قد آور بلی کو دیکھا جس کا چہرہ عورت کی طرح تھا۔ کچھ ہی دیر بعد موگا ٹا جنگل سے نکلا اور اس قد آور بلی کے پاس پہنچا۔ مجھے تم بھی دکھائی دیئے تھے۔ کچھ دیر بعد میں نے دیکھا کہ موگا ٹا اس بلی کے گرد چکر کاٹنے لگا تھا اور پھر غالباً تم نے اسے گولی مار دی تھی۔ گولی کی آواز سن کر مجھے تمہاری موجودگی کا احساس ہوا۔ جونہی تم نے گولی چلائی موگا ٹا نشیب میں گر گیا اور کسی چھلاوے کی طرح جنگل کی طرف بھاگا۔ اسی لمحہ وہ قد آور بلی بھی موگا ٹا کے پیچھے لپکی اور اس پر جھپٹ پڑی تھی۔ اس نے موگا ٹا کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر ایک بھاری پتھر پر زور سے مارا مگر موگا ٹا چھلاوے کی طرح پتھر سے پھسل گیا اور ایک بار پھر جنگل میں بھاگ گیا۔ وہ میرے قریب سے گزرا تھا میں نے فوراً کمان سیدھی کی اور موگا ٹا کا نشانہ لے کر تیر جھوڑا مگر اسی لمحہ تم نے دھڑا دھڑا گولیاں چلائی شروع کر دیں جس سے میں پریشان ہو گئی اور میرا نشان خطا ہو گیا۔ اس وقت مجھے صرف ایک سمجھ آئی تھی کہ تم نے درندوں سے بچنے کے لئے گولیاں چلائی ہیں لہذا میں وہاں سے نکلی اور گھما کے پاس پہنچ گئی۔ میں نے دیکھا کہ گھما کے سامنے بہت سارے شیر اور سیاہ چیتے مرے پڑے ہیں۔ آگ کی وجہ سے روشنی ہو رہی تھی مگر گھما کے اندر کے ماحول کے بارے میں میں بے خبر تھی۔ اس بار میں گھما میں داخل ہونے کے لئے بے احتیاطی نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے خدشہ ہوا کہ ممکن ہے گھما میں تمہارے بجائے کوئی اور ہو لہذا میں نے تمہیں آواز دینے کا سوچا لیکن اسی لمحہ گھما کے اندر گولی چلی اور پھر سیاہ چیتے کی غراہٹ سنائی دی۔ خطرے کا

اس چیتے کے ہوں گے جو مجھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ وہ اس سوراخ کے ذریعے اندر آیا تھا۔ عام حالات میں کوئی بھی نہیں سوچ سکتا کہ ایک ایسا سوراخ جس سے ایک بلی اندر گھس سکتی ہے اس میں سے ایک قدر آور چیتا بھی اندر آ سکتا ہے۔ چیتے کی فطرت سے آشنا شکاری جانتے ہیں کہ چیتا اپنے بدن کو سکینر نے میں ملکہ رکھتا ہے وہ جنگ چٹانی سوراخوں میں سے گزر جاتا ہے۔

ہم دونوں پریشان ہو کر انکل جارج کی لاش تلاش کرتے رہے اور یونہی شام ہو گئی۔ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ انکل جارج کی لاش کہاں جاسکتی ہے۔ ہم دونوں کو بھوک ستانے لگی تھی۔ جڑی بوٹیوں کے اثرات کم ہو رہے تھے اور میرے بدن میں ٹیسس اٹھنے لگی تھیں۔ میں نے روزی کو اپنی حالت سے مطلع کیا تو وہ بولی۔

”ممکن ہے موگا ٹا کے اس چیتے کا ہر تمہارے اندر سرایت کر گیا ہے“

یہ سننے ہی مجھے گمان ہوا میرا سر چکرانے لگا ہے اور کوئی شے میرے دل کو کانٹنے لگی ہے۔ میرا دل بری طرح پھڑکنے لگا تھا۔ میں باہر اس چٹان پر آ کر بیٹھ گیا جس پر ماگود یوی بیٹھا کرتی تھی۔

روزی میری گڑبڑ کی حالت دیکھ کر بولی ”تم یہاں آرام کرو میں جڑی بوٹیاں تلاش کر کے لاتی ہوں“

میرے کچھ بولنے سے قبل وہ چٹان سے کود گئی۔ میری زبان خشک ہو کر تالو سے لگ گئی تھی اور آنکھوں کے آگے ستارے ناچنے لگے۔ اس لمحے میرے ذہن میں بجھتی راگھ میں چنگاری کی مانند ایک خیال آیا اور میں نے جیب سے بڑی مشکل سے ماگود یوی کا بال نکالا اور آگ جلا کر اسے موت پہنچانے لگا۔ میں مرنے سے پہلے ماگود یوی کے حالات جاننا چاہتا تھا کہ اس نے موگا ٹا کو مار ڈالا ہے کہ نہیں۔ ماگود یوی ہمیں انکل جارج کی لاش کے بارے میں بتا سکتی تھی۔

بال کو جونہی آگ کے شعلے نے چھوا مجھ سے بہت دور جنگل کے پر شور ماحول میں ماگود یوی کی چیخ سنائی دی۔

”اے رحم دل شکاری یہ ظلم نہ کرنا“ ماگود یوی کی التجا بھری آواز مجھے سنائی دی۔ مگر میں بال کو آگ سے فاصلہ رکھ کر موت پہنچا تا رہا اور پھر مجھے یوں لگا جیسے ایک طوفان فضاؤں کو

احساس کرتے ہی میں گپکھا کے پاس پہنچی اور ایک نیزہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئی۔ یہ تو شکر ہوا کہ میں عین اس وقت پہنچی جب سیاہ چیتا بھی ہوش میں تھا اور اس نے اپنے دانت تمہارے شانے میں گاڑھے ہوئے تھے۔ میں نے نیزہ چیتے کی گردن میں مار کر اسے ہلاک کر دیا۔ چیتا تمہارے اوپر گر ہوا تھا۔ میں نے تمہیں اس کے نیچے سے نکالا۔ تم بے ہوش ہو چکے تھے۔ تمہارا چہرہ خون سے لت پت تھا اور بدن مایہ بے آب کی طرح پھڑک رہا تھا۔ تمہاری یہ حالت دیکھ کر میں تمہیں گپکھا سے اٹھا کر اس پتھر پر لے آئی کیونکہ یہ جگہ قدرے اونچی تھی اور میں یہاں بیٹھ کر تمہاری حفاظت کر سکتی تھی۔ میں نے جڑی بوٹیوں کے عرق سے تمہارا پورا بدن دھویا اور اس کے قطرے تمہارے حلق میں ٹپکاتی رہی۔ تمہارے زخم کو جڑی بوٹیوں کے گودے سے بھر دیا۔ ساری رات تم ایسی حالت میں پڑے رہے جیسے انسان موت کی نیند سوتا ہے۔ آج دوپہر کو تمہاری آنکھیں کھلی ہیں تو مجھے حوصلہ ہوا ہے۔“

”روزی تم نے مجھے دوسری بار موت کے پنجے سے نکالا ہے۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ واقعی اس وقت تم غیبی مددین کرنہ آتی تو میں یقیناً موت کا شکار ہو چکا ہوتا“ بے ہوشی کی حالت میں گزرے حالات جاننے کے بعد میں اٹھا تو لڑکھڑا کر رہ گیا۔ روزی نے مجھے سہارا دیا۔

”تمہاری ٹانگ پر بھی زخم ہے“ میں نے دیکھا ظالم چیتے نے پنڈلی سے اوپر میرا گوشت ادھیڑ دیا تھا اور اس کے بوجھ سے ٹانگ پر دباؤ بڑھ گیا تھا۔ مجھے چلنا دو بھر ہو رہا تھا۔ روزی مجھے گپکھا تک لے آئی۔ روشنی کی وجہ سے گپکھا میں اجالا تھا۔ مجھ پر حملہ آور ہونے والے سیاہ چیتے کی لاش اندر پڑی تھی۔ میں اسے انکل جارج کی لاش کے پاس لے کر گیا تو میرے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی اور میں گپکھا کے چاروں طرف دیکھنے لگا کہ انکل جارج کی لاش کہاں چلی گئی ہے۔

”روزی..... انکل جارج کی لاش یہاں تھی“

وہ بے قرار ہو کر میرا منہ دیکھنے لگی۔ معاً میری نظر گپکھا کے اس کونے میں پڑی جدھر سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ یہ خاصا بڑا سوراخ تھا۔ میں نے پاس جا کر معائنہ کیا سوراخ خاصا تنگ تھا۔ اس کے کناروں پر سیاہ چمکیلے بال چپکے ہوئے تھے۔ میں نے اندازہ کیا کہ یہ بال یقیناً

چیرتا ہوا جنگل کے مہیب درختوں کو بکھیرتا ہوا گھسا کے پاس آنکھ اٹھارہ اور اس پر لرز اٹاری ہے۔
 ”اے رحم دل شکاری“ ماگود یوی کی ہانپتی کا ہانپتی آواز سنائی دی۔ میں نے دھندلی نظروں سے اسے دیکھا تو اس کا چہرہ بدلا بدلا سا لگا۔ اس کے سر پر دو سینگ تھے اور چہرہ بگڑی ہوئی شکل والی عورت جیسا تھا۔ اس کے گردن کے نیچے بھی ایک عورت کا وجود تھا۔

”ماگود یوی..... تم آگئی“ میں نے آگ بجھا کر بال جیب میں ڈال لیا۔

”میں آگئی ہوں لیکن تم یہ کیا ظلم کرنے لگے تھے“ ماگود یوی کے لہجے میں ناراضی تھی۔

”تم مجھے اذیت کیوں پہنچاتے ہو“

”ماگود یوی“ میں ٹھہر ٹھہر کر بولا ”تمہیں اذیت نہیں دینا چاہتا۔ میری حالت بگڑ رہی تھی اور میں چاہتا تھا مرنے سے قبل تم سے پوچھ لوں کہ موگا ٹا کہاں اور ہمارے انکل جارج کی لاش کہاں گئی ہے۔“

”جارج کی لاش موگا ٹا لے گیا ہے۔ میں نے اس کو گھائل کر دیا تھا مگر موگا ٹا نے روزی کے باپ کی لاش اپنے قبضے میں لے کر ایک ایسا شیطانی عمل کر دیا ہے کہ میں اس پر اپنا ہاتھ نہیں ڈال سکتی۔ میں چاہتی ہوں جارج کی لاش اس کی بیٹی کے سپرد کر دوں۔ اگر میں نے جبر سے کام لیا تو موگا ٹا جارج کی لاش جلا ڈالے گا۔ میں اس وقت موگا ٹا پر ہی پہرہ دے رہی تھی جب تم نے مجھے اذیت دے کر بلایا۔“

”ماگود یوی..... میں اس ظلم پر تجھ سے معافی مانگتا ہوں مگر تمہیں بلانے کا اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں ہے“ میں نے شکستگی کے عالم میں کہا تو ماگود یوی نے مجھے معاف کر دیا اور پھر وہ چٹان پر چڑھ آئی۔

”میں تمہارا علاج کرتی ہوں“ اس نے اپنے سخت اور نوکیلے ہاتھوں میں میرا ہاتھ تھاما اور مجھے چٹان پر کھڑا کر کے بولی ”تمہاری بندوق کہاں ہے؟“

میں نے گھبراہٹ سے اشارہ کیا تو ماگود یوی میری بندوق اندر سے اٹھا لائی اور مجھے پکڑ کر بولی ذرا مضبوطی سے اسے تھام لو“

”ماگود یوی..... مجھ میں طاقت نہیں ہے“

”تمہاری طاقت ہرنوں کی کستوری میں پوشیدہ ہے“ اس نے عجیب حالت میں کہا

”میں ہرن گھیر کر لاتی ہوں تم ہرن ہلاک کرو اور پھر میں تمہیں اس کی کستوری نکالنے کا طریقہ بتاؤں گی“ میرے بدن پر لرزہ طاری تھا لیکن ماگود یوی نے ایسا سحر پھونک دیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے اندر استقامت آگئی۔ ماگود یوی ہرنوں کا ایک غول نہ جانے کہاں سے گھیر لائی میں نے اپنی قوتوں کو جمع کر کے دو ہرن گرا دیئے تو ماگود یوی نہیں چٹان پر کھینچ لائی۔..... ہم پراسرار قوتیں ہیں مگر بعض جانداروں کو ہلاک نہیں کر سکتیں اس لئے تمہیں یہ کام کرنا پڑا ہے۔“

گولی کی آواز سن کر روزی بھی جلد واپس آگئی۔ ماگود یوی کو دیکھ کر وہ پریشان ہو گئی۔ میں نے اس کا تعارف کرایا اور پھر ماگود یوی کی مدد سے ہرن سے کستوری حاصل کی۔ ماگود یوی نے روزی سے کہا۔

”جس مرض میں مبتلا ہو رہا ہے اس کو یہ جڑی بوٹیاں رفع نہیں کر سکتیں“ بعد ازاں ماگود یوی نے کستوری میں کچھ ملا کر مجھے کھلایا اور میری بگڑتی ہوئی حالت سدھرنے لگی۔ ماگود یوی نے روزی کو موگا ٹا کے نئے طریقہ واردات سے آگاہ کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کچھ دیر بعد روزی ماگود یوی سے کہنے لگی ”میرے پاس ایک طریقہ ہے اس سے لاش حاصل کر لے گا“ ماگود یوی اور میں نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کی آواز میں جذباتی ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔

”میں موگا ٹا سے شادی کروں گی۔ موگا ٹا یہی چاہتا تھا۔ اس طرح میں اپنے پاپا کی لاش حاصل کر لوں گی۔ ماگود یوی مجھے اس کے ٹھکانے پر پہنچا دو لیکن اس پر کسی قسم کا حملہ نہ کرنا۔ سنو۔ تم بھی موگا ٹا پر ہاتھ نہ ڈالنا۔ میں پاپا کی لاش حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کر گزروں گی۔“

پر گولی نہ چلاتے تو..... تو وہ مجھے کمزور کر کے مجھے اپنے قبضہ میں لے لیتا لیکن اے شکاری تو نے مجھے اس کے عذاب سے بچالیا“

جب میں نے دیکھا کہ ماگودی نے بھی روزی کے فیصلے کی توثیق کر دی ہے اور روزی کو موگنا سے شادی کر کے ہی اپنے پاپا کی لاش مل سکتی ہے تو میں خاموش ہو گیا مگر میرا دل اور دماغ شدید ہیجان اور نفرت کی آگ میں جھلنے لگے۔ مجھے موگنا کی گھٹیا ذہنیت سے کسی نیکی اور رحمہ کی توقع نہیں تھی۔ میرے اندر بھڑکتی آگ میری آنکھوں کی لالی اور برہم چہرے سے مترشح ہو رہی تھی۔

”کیا یہ مناسب نہیں کہ تم اس گھٹیا میں ہی رہو“ روزی نے میری آنکھوں میں میرے اندر کی کیفیت پڑھتے ہوئے کہا۔

”کیوں“ میں بھرائی ہوئی آواز میں بولا تو اس لمحے مجھے اپنے لہجے کی بے اعتدالی اور انجانے پن کا احساس ہوا۔ میں حیران ہوا کہ میرے اندر کوئی عجیب سی بات کیوں پیدا ہو رہی ہے۔ میرا لہجہ اتنا کھوکھلا کیوں ہو رہا ہے۔ روزی میری نظروں سے میرے دل کی کیفیت بھانپ رہی تھی۔ اس کی سحر طراز اور جھیل کے پانیوں جیسی شفاف آبدار آنکھیں میرے اندر اتر رہی تھیں اور میرا سب کچھ اس کے سامنے بچ ہو رہا تھا۔

”اس لئے کہ میں نہیں چاہتی تم میرا کھیل بگاڑو“ وہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔
”کیسا کھیل..... اور یہ کھیل..... میں کیوں بگاڑوں گا“ میرے اندر کے مرد کی فطری انا اور رقابت کی آگ بھڑکنے لگی۔

”تم موگنا سے شادی کرنا چاہتی ہو تو کرو۔ میری طرف سے تم جہنم میں جاؤ۔“
میرے کانوں کی لوئیں سرخ ہونے لگیں اور غصہ سے چہرہ بھر گیا۔

”تم آگ میں کودنا چاہتی ہو تو کود جاؤ۔ جاؤ اور اپنے کھیل کی حفاظت کرو“
میں نہیں جانتا مجھے کیا ہو گیا تھا۔ میں ہڈیاں بکتا رہا مگر روزی کی آنکھیں میری نظروں میں جمی گئی تھیں۔ میری باتوں نے اس کے چہرے پر کسی قسم کا تاثر پیدا نہیں کیا تھا۔
”..... میں جانتی ہوں تم کیا سوچ رہے ہو لیکن اس وقت میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم گھٹیا کے اندر رہ کر میرا انتظار کرو“

روزی کے فیصلے نے مجھے اور ماگودی کو پریشان کر دیا۔
”روزی تم اپنے فیصلے پر غور کر لو۔ تم نہیں جانتی موگنا کیسا عفریت ہے“ میں نے اسے اس کے ارادوں سے باز رکھنے کی حتی المقدور کوشش کی اور اسے یقین دلانا چاہا کہ میرے ہوتے ہوئے اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے مگر وہ میری بات ماننے پر تیار نہیں تھی۔

”میں جانتی ہوں کہ تم میری حفاظت کے خیال سے اپنی جان کی بازی لگا سکتے ہو لیکن میں بھی اپنے پاپا کی لاش حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دوں گی۔ برسوں کی بھاگ دوڑ کے بعد مجھے اپنے پاپا کی خبر ملی ہے تو مجھ سے اب زیادہ دیر تک برداشت نہیں ہو رہا ہے کہ میں ان کی لاش کو حاصل کرنے میں تساہل سے کام لوں۔“

”ہمارے پاس ماگودی کی قوت ہے روزی“ میں نے ماگودی کی طرف دزدیدہ نظروں سے دیکھا ”ماگودی جنگلوں کی دنیا میں دہشت کی علامت ہے۔ مجھے یقین ہے ماگودی موگنا کا کوئی توڑ نکالے گی“

”..... تم ایک رحمہ اور دانا انسان ہو۔ لیکن میں روزی کے فیصلے کو پسند کرتی ہوں“
ماگودی اپنے مکروہ اور مہیب چہرے کی الجھی اور کھری جھریوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی ”بعض اوقات چیلے ایسا گیان حاصل کر لیتے ہیں کہ ان کے آقا اور دیوتا بھی ان کے سامنے بے بس ہو جاتے ہیں۔ انسانوں کے پاس علوم کی طاقت ایسا ہتھیار ہے جن کے زور پر ماورائی طاقتوں کو اپنا اسیر بنا لیتا ہے۔ میں نہیں سمجھتی تھی کہ موگنا جو مجھ سے شیطانی علوم حاصل کرتا رہتا ہے ان کے ذریعے ایک روز مجھ پر غالب آنے کی کوشش کرے گا۔

اے رحمہ شکاری!
میں نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ موگنا جو نبی روزی کو لے کر آئے گا میں اس کے خون سے اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کر لوں گی۔ مگر اے دانا شکاری تم نے دیکھ ہی لیا کہ موگنا آتے ہی صورتحال سمجھ گیا تھا اور اس نے مجھے لاچار کرنے کے لئے میرا گھبراؤ کر لیا۔ اگر تم اس

”میں کیوں کروں تمہارا انتظار“ میں پھر بھڑک اٹھا حالانکہ میرے دل کے نہیں خانوں میں یہ حسرت ناک آواز نکل رہی تھی ”روزی میں تمہارا بڑھاپے کی آخری سانسوں تک اور موت کی پہلی سیڑھیوں تک اور موت کی آخری پچھلی تک انتظار کروں گا۔“ مگر ایک مرد کی انا کا عفریت منہ کھولے میرے سامنے کھڑا تھا۔

روزی نے ماگودی کی طرف دیکھا اور کہا ”ماگودی مجھے موگا ٹا تک لے جاؤ“

ایک بار تو میرے دل میں آیا کہ ماگودی کو میں روک دوں کہ وہ روزی کو موگا ٹا تک نہ لے کر جائے کیونکہ میں ماگودی کو اس کے بالوں کی وجہ سے مجبور کر سکتا تھا لیکن میں نے اس دوران اپنے اعصاب پر قابو پا لیا تھا اور دو ٹھنڈی اور گہری سانسیں بھر کر غصے سے بھڑکتے وجود کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

ماگودی روزی کو لے کر جنگل کی تاریکیوں میں اتر گئی۔ روزی نے ایک بار بھی پلٹ کر مجھے نہیں دیکھا۔ میں مٹھیاں بھینچتا اور پتھروں کو ٹھوکریں مارتا ہوا گھما میں چلا گیا۔

مجھے روزی کے یکدم بدلتے رویے نے پریشان کر دیا تھا۔ اس کے چہرے کی تروتازگی اور سحر طرازی نے مجھے اس کا دیوانہ بنا دیا تھا۔ برسوں بعد جنگل کی سفاک دنیا میں ایک مہربان دوشیزہ کی مہک میری سانسوں میں اتری تھی۔ مجھے یقین تھا کہ ایک روز وہ میرے جیون میں داخل ہو جائے گی لیکن کیا معلوم تھا کہ موگا ٹا میری حیات نو کے اس روشن مینارے کو مجھ سے دور کر دے گا۔

میں گھما میں بے قراری سے ٹہل رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ سوچتے سوچتے سب سے پہلے میں نے اپنی حالت پر نظر ڈالی اور پھر خود کو معتدل بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ میں نے اپنی حالت زار اور درپیش واقعات کا جائزہ لیا تو مجھے احساس ہوا کہ میرے اندر کا شکاری سو گیا ہے۔ اس میں میرا بھی کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ مجھے جن پر اسرار حالات نے گھیر لیا تھا اس میں اچھی بھلی عقل والا انسان بھی پریشان ہو جاتا ہے۔ ماگودی اور موگا ٹا کی پر اسرار قوتوں نے مجھے اس قدر بکھیر دیا تھا کہ میں سوچنے سمجھنے کی بہترین قوتوں سے محروم ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نے اپنے حواس پر قابو پایا اور اپنی فطری جبلتوں کو بیدار کر کے میں نے گھما میں اپنے سامان کا جائزہ لیا۔ گھما کے دروازے پر شیروں اور چیتوں کی لاشیں پڑی

تھیں۔ اس وقت مجھے وہ لکڑی یاد آگئی جس پر میں نے چربی لگا کر شیروں کی طرف پھینکی تھی۔ مجھے اس معصے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر یہ بھید کیا ہے۔ وہی چربی جو میرے بدن پر لگی ہوئی تھی اور جس کی ایک محدود تعداد میرے پاس تھی اس کا سحر ختم ہو جاتا تھا مگر اسے لکڑی پر لگا کر درندوں کی طرف پھینکتا تھا تو درندے ایک دم مودب و عاجز ہو جاتے تھے۔ میں سوچتا رہا اور پھر ایک دم مجھے خیال آیا کہ کہیں میرے پاس کوئی ایسی شے تو نہیں ہے جس کی وجہ سے اس چربی کی تاثیر ختم ہو جاتی ہو۔ اس جانب جو نہی دھیان گیا تو مجھے ماگودی کی بال کا خیال آ گیا۔

”یقیناً ماگودی کی بال کی وجہ سے چربی کی قوت ختم ہو جاتی ہے“

میں نے اس بات کا یقین کرنے کے لئے جیب سے ماگودی کی بال نکالا اور اسے گھما کے ایک کونے میں بنے چھوٹے سے سوراخ میں رکھ دیا اور اس پر گھاس پھوس ڈال کر اسے بند کر دیا۔ پھر میں نے دونوں بندوقیں اٹھائیں اور بارود کی بھاری تعداد کمر بند بیٹوں میں محفوظ کر لی۔ خنجر کو پنڈلی کے ساتھ لگایا اور گھما سے باہر نکل آیا۔ دور دور تک مجھے کسی درندے کا وجود نظر نہیں آیا۔ میں اس بات کا پورا یقین کرنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی اس جادوئی چربی کا سحر اس بال کی وجہ سے ٹوٹ رہا تھا لہذا مجھے کسی موذی اور خونخوار درندے کو تلاش کرنا تھا۔ آسمان پر پورا چاند طلوع ہو رہا تھا۔ اس کی دودھیا کرنوں سے قرب و جوار میں خاصی روشنی تھی۔ میں اس چٹان کے پاس آیا جہاں میں نے گور گائے کا دودھ پیا تھا میں منہ سے جانوروں کو ہوشیار کرنے کے لئے ”ہوں ہاں..... ہوں ہاں“ کی آوازیں نکال رہا تھا۔ جانور سو یا بھی ہو تو اس آواز سے بیدار ہو کر ارد گرد میں دیکھنے لگتا ہے۔ میں جب اس چٹان کے پاس پہنچا تو فضا میں مجھے بر شیر کی مانوس بو آنے لگی۔ میں نے بندوق پر گرفت مضبوط کر لی اور پھر زمین سے چند پتھر اٹھا کر چٹان کی طرف پھینکا تاکہ اگر وہاں کوئی درندہ چھپا ہوا ہو تو میرے سامنے آ جائے۔

میں چٹان سے بیس گز دور ایک چھوٹی چٹان کے ساتھ پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ سامنے سے کوئی بھی درندہ آتا تو میں اسے آسانی سے نشانہ بنا سکتا تھا۔ میں نے اس دوران زخمی گائے کی آواز میں بلبلانا شروع کر دیا تاکہ چٹان کے پاس چھپا بیٹھا درندہ شکار کی طلب میں سامنے آ جائے۔ کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ چٹان کی دائیں سمت سے ایک بر شیر نے تانے قدموں

آئے ہیں اس لئے اسے اپنی حفاظت کے لئے زیادہ افرادی قوت کی ضرورت تھی۔

میں جادو کی چربی کی حفاظت میں خوفناک درندوں کے درمیان سے گزرتا ہوا قبیلے کے پاس پہنچا تو مجھے ڈھول پیسنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ڈھولوں کے ساتھ عجیب قسم کی بے ہنگم اچھل کود کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔ اس کا مطلب تھا کہ کسی جشن کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ میں جب قبیلے کی حدود میں داخل ہوا تو یکدم مجھے احساس ہوا کہ گھنے درختوں کے اندر بھاری پرندے پھڑپھڑانے لگے ہیں۔ میں چوکنا ہو کر آگے بڑھتا رہا اور جب میں درختوں کے ایک جھنڈ سے نکل کر اس راستے پر گامزن ہوا جو قبیلے کے سردار کے جھونپڑے کی طرف جاتا تھا تو اس وقت ایک بھاری بھرکم عقاب چیختا ہوا میری طرف آیا اور مجھ پر جھپٹ پڑا۔ میں بڑی مشکل سے اس کے حملے سے بچا مگر پھر بھی میرے سر پر اس کے نوکیلے پنچوں نے خراشیں ڈال دیں۔ عقاب پلٹ کر دوسری بار مجھ پر حملہ کرنے آیا تو اس بار میں نے روایتی انداز میں اس کا حملہ روکنے کی کوشش کی۔ میں نے پنڈلی سے خنجر اتارا اور عین اس وقت جب عقاب میرے سر پر پہنچا نیچے جھکائی دے کر خنجر والا ہاتھ عقاب کے سینے میں اتار دیا۔ عقاب خنجر کی برداشت نہ سہہ سکا اور دم توڑ گیا۔ میں اب جلدی سے سردار کے جھونپڑے کے پاس پہنچا میں نے مشعل بجھا دی تھی۔ سردار کا جھونپڑا خالی تھا۔ سارے سامنے میدان میں اکٹھے تھے۔ موگاٹا ایک قد آور سیاہ چیتے کے اوپر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں اور بائیں جانب زبونا اور موگی نیزے اٹھائے کھڑے تھے۔ موگاٹا کے سامنے روزی سر جھکائے کھڑی تھی۔ ان کے درمیان انکل جارج کی لاش پڑی تھی۔

روزی کو قبیلے کی عورتوں کا مخصوص لباس پہنایا گیا تھا۔ گلے میں جانوروں کی ہڈیوں سے بنی مالا تھی۔ ماتھے پر لومڑی کی کھال سے بنا ہوا پٹا کس کے باندھا گیا تھا۔ اس نے ہاتھی دانت سے بنا ہوا ایک لمبا پیالا اٹھایا ہوا تھا جس میں قبیلے کا روایتی مشروب تھا۔ روزی نے وہ مشروب موگاٹا کو پلانا تھا اور اس کے بعد موگاٹا اس میں سے ایک تہائی مشروب خود پینے کے بعد روزی کو پینے کے لئے دیتا تو ان کی شادی کی رسم پوری ہو جاتی۔

میں نے گرد و نواح میں ماگود یوی کو تلاش کیا مگر وہ کہیں نظر نہ آئی۔ میری روزی اکیلی خالموں کے حصار میں گھری ہوئی تھی اور مجھے اس کو فوراً بچانے کے لئے قدم اٹھانا تھا۔

کے ساتھ میرے سامنے آ گیا۔ اس کا پیٹ لٹکا ہوا تھا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ ببر شیر نے مجھے دیکھ لیا تھا اس نے اپنا سر ٹیڑھا کیا اور منہ کھول کر جمائی لی وہ سویا ہوا تھا جو میری آوازیں کرنا گواری سے جاگ پڑا تھا۔ اس کے تیور جارحانہ تھے۔ میں نے بندوق کی نالی سیدھی کر لی اور شست باندھ لی۔ نہ جانے کس لمحے شیر کے تیور بگڑتے اور مجھ پر حملہ کر دیتا۔ شیر مجھ پر نظریں جمائے اب آگے بڑھنے لگا اور پھر مجھ سے دس گز کے فاصلہ پر پہنچا تو یکدم اس کی حالت بدل گئی۔ اس نے رعونت سے اٹھا ہوا سر جھکادیا اور کسی پالتو بلی کی طرح پنچے زمین پر مارنے لگا۔ یہ چربی کی مہک تھی جس نے ببر شیر کو بلی بننے پر مجبور کر دیا۔

میرا تجربہ کامیاب ہو گیا تھا لہذا میں واپس گھما میں چلا گیا اور یہ رات میں نے گھما میں ہی گزارنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے ایک تحفظ تول گیا تھا مگر اندھیروں میں جنگل کی دنیا میں داخل ہونے کے لئے یہ مناسب وقت نہیں تھا۔

میں گھاس پھونس کے بستر پر کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹا تو روزی کا چہرہ میری آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ میں نے عالم تصور میں اسے موگاٹا کی دہن بنے ہوا دیکھا تو یکدم ہڑا کر اٹھ پڑا۔ میں اگر یہ رات گھما میں گزار دیتا تو اس وقت تک بہت سا پانی پلوں کے پیچے سے بہہ چکا ہوتا۔ روزی موگاٹا کی زندگی میں داخل ہو چکی ہوتی مجھے یہ گوارا نہیں تھا۔ میں بے بسی اور لاچارگی سے گھما میں اس بے چین معصوم جانور کی طرح چکر لگاتا رہا جو درندوں کے خوف سے کسی گھاٹی میں پھنس جاتا ہے۔ بالآخر میں نے فیصلہ کیا کہ مجھے روزی سے دور نہیں رہنا چاہئے۔ میں نے اس کی تلاش میں نکلنے کا فیصلہ کیا اور یہ بھی تہیہ کر لیا کہ اپنی جان پر کھیل کر روزی کی حفاظت کروں گا۔ میں نے سب سے پہلے وہ مشعل تلاش کی جو موگاٹا نے اس وقت ہاتھوں میں اٹھا رکھی تھی جب وہ ماگود یوی کے گرد چکر کاٹ رہا تھا مگر میری گولی لگنے کے بعد وہ بھاگ گیا تھا اور مشعل اس کے ہاتھوں سے گر گئی تھی۔ میں نے مشعل تلاش کی جواب بھجھ چکی تھی۔ میں نے اسے جلایا اور پھر اپنا سامان اٹھا کر مشعل کی روشنی میں جنگل میں نکل پڑا۔

جنگل کے سارے راستے میں جانے پہچانے تھے۔ میں سب سے پہلے موٹی قبیلے کی جانب چل پڑا مجھے یقین تھا کہ موگاٹا نے روزی سے شادی کے لئے سب سے محفوظ مقام قبیلے میں ہی تلاش کیا ہوگا۔ وہ یقیناً یہ جان چکا ہوگا کہ اس کے تین دشمن اس کے مقابلے پر اتر

میں اگر سامنے آ کر موگاٹا کو لاکارتا تو آنا فانا بہت سے نیزے میرے بدن کے آر پار ہو جاتے۔ میں سردار کے جھونپڑے کے عقب سے نکلتا ہوا موگاٹا کے جھونپڑے کی طرف بڑھنے لگا تو وہاں بہت سے شیر اور چیتے پہرہ دے رہے تھے۔ خونخوار درندوں نے مجھے دیکھتے ہی انگڑائی لی تھی اور میری طرف بڑھے تھے مگر دوسرے ہی لمحے چربی کی مانوس بوسو گھٹتے ہی وہ الٹے قدموں پیچھے ہٹ گئے۔

میں نے موگاٹا کی جھونپڑی کا جائزہ لیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں کوئی بھی پہرہ دار نہیں تھا۔ موگاٹا کو اپنے درندوں پر اعتماد تھا اس لئے وہ درندوں کا پہرہ بٹھا کر جشن شادی منارہا تھا۔ میں موگاٹا کے جھونپڑے میں داخل ہوا تو اچانک مجھے ایک کونے میں گھڑی بنی ہوئی ماگو دیوی نظر آئی۔ ماگو دیوی کی آنکھوں میں لار چارگی تھی اور وہ سہمی ہوئی سسک رہی تھی۔

”ماگو دیوی تم..... تم تو میری روزی کی حفاظت کرنے اس کے ساتھ آئی تھی لیکن تم یہاں کسی خارش زدہ لومڑی کی طرح چھپی بیٹھی ہو“

”موگاٹا نے مجھے اپنی طاعنوتی چالوں سے کمزور کر کے یہاں پھینک دیا ہے۔ اس نے میرا ایک بال کاٹ لیا ہے۔ یہ جانتے ہو کہ اب میں اس پر حملہ نہیں کر سکتی“ مجھے ماگو دیوی کی حالت پر رحم آ گیا اور میں دانت پیٹتا ہوا جھونپڑے سے باہر نکلنے لگا تو معاً نظر ایکموی پر پڑی جو کاندھے سے بندوق لٹکاے جھونپڑے سے بیس قدم کے فاصلے پر پہرے پر کھڑا تھا۔ فوراً ایک خیال میرے ذہن میں آیا اور میں بلی کی چال چلتا ہوا اس کے عقب میں پہنچا۔ اسے خبر ہونے سے پہلے ہی پیچھے سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھا اور خنجر سے اس کی شہہ رگ کاٹ کر اسے جھاڑیوں میں پھینک دیا۔

میں نے اس کا لباس اتارا اور خود پہن کر اپنا لباس ایک جھاڑی میں چھپا دیا۔ میں نے چہرے پر گیلی مٹی کی موٹی تہہ جمادی لیکن جادوئی چربی اپنے بدن کو لگانا نہیں بھولا۔ میں اس کی بندوق کاندھے سے لٹکا کر بظاہر پہرے پر ٹہلنے لگا لیکن آہستہ آہستہ میں چلتا ہوا اس جانب بڑھتا رہا جہاں موگاٹا سیاہ چیتے پر بیٹھا ہوا تھا۔

○○○○

میرے اور موگاٹا میں پانچ قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ کسی نے میری طرف توجہ نہیں دی تھی البتہ موگاٹا کے پاس کھڑے موگی نے ایک بار گردن گھما کر میری طرف دیکھا تھا لیکن وہ مجھے پہچان نہیں سکا تھا۔

روزی ہاتھی دانت میں مشروب بھر کر موگاٹا کو پیش کرنے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ یہ چند لمحوں کا کھیل تھا۔ اگر موگاٹا اس شراب کا ایک قطرہ بھی حلق میں اتار لیتا تو روزی اس کی بیوی کا درجہ اختیار کر لیتی۔ اگر اس مرحلے میں اس کو ہلاک کر دیتا تو پورا قبیلہ پلک جھپکتے میں میری تکہ بوٹی کر دیتا۔ میں نے موگی اور زبونا کے پیچھے کھڑے ہو کر آہستہ آہستہ بندوق کی نالی سیدھی کی۔ جشن اپنے عروج پر پہنچ چکا تھا۔ دھولوں کی تھاپ بڑھتی جا رہی تھی تنگ دھڑنگ عورتیں اور بچے والہانہ انداز میں اچھل کود کر رہے تھے۔ روزی عقیدت کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے باپ کی لاش کے پاس پہنچی تو اس کا چہرہ رنج و غم میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے طوعاً و کرہاً باپ کی لاش کے پاس سے گذر کر مشروب موگاٹا کو تھما دیا اور پھر اسی لمحے میں نے موگاٹا کی گردن کے نیچے بائیں شانے کے ذرا نیچے اس کے دل کے مقام کا نشانہ لیا اور گولی چلا دی۔

گولی کی طاقت نے موگاٹا کو چیتے کے اوپر سے اچھال کر دور پھینک دیا۔ اس بار میرا نشانہ خطا نہیں گیا۔ موٹی اپنے روحانی پیشوا کو یکا یک فضا میں اچھلتے اور پھر انکل جارج کی لاش کے قدموں کے پاس گرتے ہوئے دیکھ کر حیران تھے۔ ڈھول تھم گئے اور سبھی میری جانب دیکھنے لگے۔ کسی کو کچھ سمجھ نہیں آئی کہ موگاٹا کو کیا ہوا ہے۔ لیکن اس وقت انہیں سمجھ آ گئی جب ایک سیاہ چیتا موگاٹا کو خون میں لت پت دیکھ کر مجھ پر جھپٹ پڑا تھا۔ بندوق پر میری گرفت پہلے سے زیادہ سخت تھی۔ چیتا جب مجھ پر حملہ کرنے کے لئے حرکت میں آیا تو میں موگی اور زبونا دونوں کے عقب میں دونوں کے درمیان کھڑا تھا۔ میں نے چیتے کے حملے سے بچنے کے لئے فوراً اپنی جگہ چھوڑ دی تھی۔ اور چیتا فضا میں اڑتا ہوا عین اس جگہ گرا جہاں موگی کھڑا تھا۔ سیاہ

میریں گے۔“

ماگود یوی نے سیاہ چیتے کو جیسے کوئی حکم دیا تھا اور وہ سر نیچے گرائے میری جانب آیا اور فرما پر دار پالتو بلے کی طرح میری قدموں میں لوٹ پوٹ ہونے لگا میں نے نیچے بیٹھ کر اس کے بال سہلائے۔

روزی اپنے باپ کی لاش کے ساتھ لپٹ کر زارو قطار رو رہی تھی۔ موئی مجھے حیرانی کی نظر سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی اصلی حالت میں آجاؤں۔ ماگود یوی کی آمد نے ان کی رہی سہی قوتیں بھی سلب کر لی تھیں۔ ماگود یوی ایک پراسرار قوت تھی۔ سیاہ چیتے کو اس نے جس طرح مرعوب کر کے میری اطاعت پر مجبور کر دیا تھا اسے دیکھ کر موئی پریشان ہو گئے تھے۔ میں نے اپنے چہرے سے مٹی اتار دی تو مجھے زندہ حالت میں دیکھ کر یکدم اچھل پڑے اور وہ الہانہ انداز میں میری طرف بڑھے لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روک دیا۔ ماگود یوی میرے پاس آئی اور بولی۔ ”میں اپنے استھان میں واپس جا رہی ہوں۔ اگر میری ضرورت پیش آئے تو مجھے بلا لینا۔“

”میں تمہیں کیسے بلاؤں گا“ میں نے کہا۔

”تمہارے پاس جب تک میرا بال رہے گا تم مجھے جب چاہے بلا سکتے ہو۔“ ماگود یوی کے لہجے میں سوگوار کی تھی۔

”بال وہ تو میں گھپا میں چھپا کر آیا ہوں“ میں نے کہا تو ماگود یوی یکدم چیخ پڑی۔

”اے عظیم شکاری تم نے یہ کیا کر دیا ہے۔“

ماگود یوی کے چہرے پر موت کا سایہ لرزے لگا۔ ”اگر وہ بال کسی جانور یا کیڑے کی ٹانگے سے لٹک رہا ہے تو میں اسے اٹھا کر اپنی بل میں لے گیا تو میں تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی۔ اے شکاری تو نے یہ کیسی حرکت کر ڈالی ہے۔“

میں نے ماگود یوی کو اپنی مجبوری بتائی اور پھر کہا۔ ”میں ابھی گھپا میں جاتا ہوں اور بال نکال لاتا ہوں۔“

ماگود یوی کی زندگی کا انھما ایک بال پر تھا۔ اس لئے میں نے روزی کو صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم یہاں ٹھہرو اب کوئی تم پر ہاتھ نہیں اٹھا سکے گا۔ میں انہیں

چیتے کا پنجہ اس کی گردن پر پڑا تھا۔ اس کے نوکیلے ناخنوں نے موگی کا زرخرہ ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ سیاہ چیتے پر تو جیسے وحشت طاری ہو گئی۔ وہ موگی کو اپنے پنجوں کے درمیان خون میں لت پت دیکھ کر زور سے دھاڑا اور موگی کے سینے پر ایک پنجہ ٹھہرا کر میری جانب دیکھنے لگا۔

اس ٹانے روزی کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ کسی چھلاوے کی مانند حرکت میں آئی اور اس نے ایک بہت اہم کام کر دیا۔ میں تو چیتے کی خونخواری کو ختم کرنے میں الجھ گیا تھا اور میری نظریں موگاٹا سے ہٹ گئی تھیں۔ روزی نے ایک موئی کے ہاتھ سے نیزہ چھین کر موگاٹا کی پیشانی میں اتار دیا تھا۔ اس درندہ صفت شیطان نما انسان کو آخری سانس لینے سے پہلے ہی جہنم واصل کر دیا تھا۔ اس دوران موئی دھند کی طرح چھٹنے لگے تھے۔ انہیں اب یقین ہو گیا تھا کہ موگاٹا ان کا روحانی پیشوا انہیں درندوں اور بلاؤں کے ناگہانی انتقام سے بچانے والا پراسرار شخص ان سے ہمیشہ کے لئے دور چلا گیا ہے۔ انہیں یہ سمجھ آ گئی تھی کہ موگاٹا کو گولی مارنے والا شخص ایک طاقتور انسان ہے۔ موئی طاقت کو دیوتا کا درجہ دیتے تھے۔ اس لئے وہ تذبذب کا شکار ہو گئے۔

سیاہ چیتے نے موگی کے سینے سے پنجہ اٹھایا اور پھر مجھ پر حملہ کرنے ہی لگا تھا کہ میں نے بندوق کی نالی سیدھی کر کے گولی چلا دی۔ مگر بندوق کا گھوڑا جیسے جام ہو گیا تھا۔ یا گولی نالی کے اندر ہی منجمد ہو گئی تھی۔ ٹھس کی آواز کے ساتھ ہی بندوق میرے ہاتھ سے پھسل گئی۔ لیکن شاید قدرت کو مجھ پر رحم آ گیا تھا اسی لمحہ کہ ماگود یوی قبر آلود درندگی سے دھاڑتی ہوئی میرے اور چیتے کے درمیان میں آ گئی تھی۔ اس کی پشت میری جانب تھی۔ وہ اپنے پرانے روپ میں تھی۔ چہرے پر عورت جیسی آنکھیں اور باقی بدن کسی بھاری جنگلی بلے جیسا تھا۔ ماگود یوی نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا اور زور سے چنگھاڑی تو سیاہ چیتہ دبے قدموں پیچھے ہٹنے لگا پھر ماتھا زمین پر ٹکا کر وہ ماگود یوی کے آگے سرنگوں ہو گیا۔

اس لمحے ماگود یوی نے میری جانب دیکھا تو اس کی آنکھوں میں کامرانی اور شادمانی رقص کر رہی تھی۔ اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

”اے رحم دل شکاری تو نے شیطان کو مار کر مجھے اس کی قید سے آزاد کر دیا ہے۔ میں اب آزاد ہوں مگر تو مجھ پر ابھی اپنا حق رکھتا ہے۔ اب یہ سیاہ چیتے تجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ انہیں سمجھا دوں گی کہ وہ موگاٹا کی اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ اب یہ تمام درندے تمہاری اطاعت

تمہارے اور اپنے بارے میں بتا کر جا رہا ہوں۔“

روزی آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ ”میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔“

”نہیں تم یہاں ٹھہرو نہ جانے مجھے وہاں کیسے حالات پیش آئیں۔“ ماگودی کو کسی عذاب سے بچانا ضروری ہے۔ ”ابھی میں روزی کو سمجھا ہی رہا تھا کہ ماگودی یکدم اذیت ناک انداز میں بلبلائی اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گئی وہ چلائی۔

”کسی نے بال کو آگ لگائی ہے۔ بھاگو۔ بھاگو مجھے بچالو۔“ ماگودی کی حالت گھڑنے لگی یہ دیکھ کر سارے موئی اپنے خیموں میں بھاگ گئے۔ میں نے ماگودی سے کہا۔ ”کیا تم میرے ساتھ چل سکتی ہو۔“

وہ اپنی قوت برداشت کو قائم رکھتے ہوئے بولی۔ ”ہاں میں کوشش کرتی ہوں میرا ہاتھ پکڑو۔“

میں نے روزی سے کہا میں جا رہا ہوں تم اپنا دھیان رکھنا، روزی نے میرا ہاتھ تھام لیا اس کی آنکھوں میں ندامت تھی۔ ”میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔“

”تم پاپا کی لاش کے پاس رہو۔“ میں نے اسے سمجھایا تو وہ مجھے خالی نظروں سے گھورنے لگی۔

ماگودی نے مجھے چند ہی لمحوں میں گھمایا پہنچا دیا تو وہاں کا منظر دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ گھما کے باہر اور اس کے گرد آگ بھڑک رہی تھی۔ آگ نے چاروں طرف سے گھیرا لیا ہوا تھا جیسے بہت سارے جنگلی درندے کسی اکیلے ہرن کے گرد گھیرا ڈالتے ہیں۔ یہ آگ رات سے سلگ رہی تھی جواب بڑھتی بڑھتی خاصی پھیل چکی تھی۔ ماگودی آگ دیکھتے ہی تڑپنے لگی اور لرزنے لگی۔

آگ میرے بال کو جلا ڈالے گی۔ مجھے بچالو۔

میں نے گھما کے اندر جانے کی کوشش کی مگر آگ میں اتنی شدت تھی کہ میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکا تھا۔ شعلے آسمان کی بلندیوں کو چھو رہے تھے۔ گھما چاروں طرف سے پتھروں کی بنی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے اندر گھاس پھوس ہی رکھی ہوئی تھی۔ میں کوئی تدبیر سوچ رہا تھا کہ عقب میں ایک چھتے کی غراہٹ سنائی دی۔

میں نے پلٹ کر دیکھا تو یہ وہی چیتا میری طرف دوڑتا ہوا آ رہا تھا جس پر مرنے سے پہلے موگاٹا سوار تھا۔ سیاہ چیتا میرے پاس آ کر قدموں میں یوں بیٹھ گیا جیسے اونٹ سواری کو اوپر بٹھانے کے لئے نیچے بیٹھتا ہے۔

ماگودی کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔ میں نے چیتے کی طرف دیکھا تو وہ ہلکی ہلکی سی غراہٹ کے ساتھ اپنے پورے بدن کو میرے قدموں کے ساتھ رگڑنے لگا۔ مجھے لگا جیسے وہ کہہ رہا ہے۔ ”اے شکاری میرے اوپر سوار ہو جاؤ۔“

میں چیتے پر سوار ہوا اور اس کی گردن مضبوطی سے پکڑ لی۔ سیاہ چیتا طوفان کی طرح آگ کے سمندر میں کود پڑا اور مجھے گھما کے اندر لے گیا۔ گھمایا آگ پھیل رہی تھی۔ میں نے گھما سے پہلے کچھ گھاس نکال دی ہوئی تھی اگر وہ گھاس بھی یہاں ہوتی تو گھما میں آگ کے سوا کچھ نظر نہ آتا یہ تو غنیمت تھا کہ گھاس پھوس آگ سے جل کر راکھ ہو رہی تھی۔ البتہ گھما میں حدت بہت بڑھ گئی تھی۔ میں جلدی سے اس کو نے میں پہنچا جہاں سوراخ میں ماگودی کا بال چھپایا تھا۔ سوراخ کے منہ کو میں نے گھاس سے بند کیا ہوا تھا۔ جو حدت کی وجہ سے خشک ہو کر دھمی دھمی سلگ رہی تھی۔ اگر کچھ لمبے تاخیر ہو جاتی تو یقیناً ماگودی کا بال جل چکا ہوتا اور میں ایک پراسرار قوت کے وجود سے محروم ہو جاتا۔ میں نے جلدی سے بال اٹھایا اور چیتے پر سوار ہو کر آگ کے حصار سے باہر نکل آیا۔

ماگودی اس چٹان پر لیٹی تھی جہاں وہ درندوں کے حصار میں بیٹھا کرتی تھی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور کہا۔ ”اے دیوی یہ تیرا بال میں بچا لایا ہوں۔“

یہ سنتے ہی وہ اٹھی مگر اس پر نقاہت اور غنودگی طاری تھی۔ مجھے ماگودی کی اس حالت کا اندازہ ہو گیا تھا۔ پہلے بھی جب ماگودی کسی قوت کے تحت کمزور ہوتی تھی تو اس کی طاقتوں کو بحال کرنے کے لئے خون پلانا پڑتا تھا۔ میں نے ماگودی کی حالت دیکھتے ہی ایک بار پھر اپنے بازو پر زخم لگایا اور خون کی چند بوندیں اس کے منہ میں ٹپکائیں تو رفتہ رفتہ اس کی غنودگی اور نقاہت کم ہو گئی۔

میں نے بال اس کے سامنے کیا اور اسے کہا ”اے دیوی اپنا بال واپس لے لو

میں تجھے کسی نئے عذاب میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا۔“

ماگود یوی حیرانی سے میرا منہ تکتے لگی۔ ”میں کسی انسان سے یہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ وہ ایک پراسرار طاقت کو آزاد کرنے کے لئے اتنی بڑی جرات بھی کر سکتا ہوں۔“ ماگود یوی نے بال لے لیا اور بولی۔ ”میں تمہاری عمر بھر کے لئے غلام ہوگئی ہوں اے رحمدل شکاری۔“ اس کی آنکھوں میں آنسو اُٹھ آئے لیکن دوسرے ہی ثانیے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار بیدہ ہونے لگے۔

”ایک بال موگاٹا کے پاس تھا۔“

”اوہ مائی گاڈ۔ میرے منہ سے نکلا تو اس لمحے روزی چٹان کی آڑ سے نکلی اور بولی ”اے دیوی کیا یہ وہی بال ہے جو موگاٹا کے پاس تھا۔“

اس نے ہاتھ میں ماگود یوی کا بال پکڑا ہوا تھا۔ اور مسکراتے ہوئے ہمارے پاس آئی۔ اس کی فطری چمک دمک لوٹ آئی اس کی آنکھوں میں دلربائی کے سارے رنگ جگمگا رہے تھے نہ جانے اس لمحے کیا ہوا کہ میں کسی نفرت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر یکدم اٹھا اور چٹان سے ہٹ کر وہاں چلا آیا جہاں میں نے ایک بار ترس گھیرا تھا۔

دراصل مجھے روزی کا وہ روپ یاد آ گیا تھا جب اس نے موگاٹا سے شادی کا فیصلہ سنا یا تھا۔ روزی تو میری رگوں میں خون کی طرح رواں دواں ہو چکی تھی۔ میرے دل کی دھڑکنیں اس کے وجود کی مہمک سے دھڑکنے لگی تھیں۔ لیکن اسی لمحے اس نے ایک غلیظ اور کریہہ انسان سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔ حالانکہ وہ میری آنکھوں سے میرے دل کے بھید پا چکی تھی۔

مجھے وہاں کھڑے چند ہی لمحے گزرے تھے کہ فضاؤں میں ایک ترنم سا گونجتا ہوا سنائی دیا۔ ماگود یوی نے شرارت آمیز انداز میں قبچہہ لگایا اور کہا تھا۔ ”روزی جاؤ اور اپنے ناراض شہزادے کو منالادو۔“

جواباً روزی نفرتی انداز میں ہنس دی۔ میرے قلب و جان کے سارے مسام اس کی خوشبو کا سواگت کرنے کے لئے تیار تھے۔ میں ہمت نہ سہا تھا کہ وہ کب میرے پاس آتی ہے اور مجھے مناتی ہے۔ میرا دھنسا ہوا تھا۔ اگر وہ موگاٹا سے شادی کرنے میں کامیاب ہو جاتی تو اس احساس کے بعد میرا ذہن کبھی کسی قسم کی صورتحال کو قبول کرنے سے انکار کر رہا تھا۔ میرے اندر ایک آوازی اٹھی۔ ”اگر روزی موگاٹا سے شادی کر لیتی تو میں دونوں کا مار ڈالتا۔“

میں کافی دیر کھڑا ہا مگر روزی نہیں آئی۔ میں فضاؤں میں اس کی مہمک تلاش کرتا رہا مگر اس کے زعفرانی وجود کی معطر مہمک کہیں دور چلی گئی تھی۔ میری انا کوٹھیں سی پچنی اور میرے گلے میں جذبات کی تپش سے زہر سا اتر گیا۔ آنسو آنکھوں سے پھٹکنے کی بجائے دل کی تنہائیوں اور گہرائیوں میں اترنے لگے۔ میں نے ایک بار پلٹ کر اس جانب کو دیکھنے کی کوشش کی جہاں ماگود یوی۔۔۔ اور روزی کھڑی تھی۔ میں نے گردن کو ذرا سا خم دیکر دزدیدہ نظروں سے دیکھ لیکن وہ چٹان میری دونوں مہربان ہستیوں سے خالی تھی۔ میں نے گردن اپنے ہی شانوں پر گرا دی اور بے بسی سے گزرے ہوئے حالات کے بارے میں سوچنے لگا۔

شام ہو رہی تھی۔ سرسبز درختوں پر سرشام ہی شبنم گرنے لگی تھی۔ آسمان ابرا آلود تھا اور آثار بتا رہے تھے کہ آج رات کو خوب بارش ہوگی۔ گپھا کی آگ بجھ چکی تھی اور لگتا تھا میرے اندر بھی ایک گپھا تخلیق پا رہی ہے۔ اور میرے وجود کو آگ کھانے لگی ہے۔ میں اٹھا اور اپنی تنہائیوں میں بھڑکتی ہوئی آگ کے ساتھ جنگل کی مہیب دنیا میں اترتا چلا گیا جہاں میں نے برسوں گزارے تھے تو مجھے کسی لطیف امید کا سہارا نہ تھا لیکن اب نہ جانے مجھے کتنے برس ہجرو واصل میں گزارنے تھے۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میں روزی کے پیچھے نہیں جاؤں گا۔

گہری رات کے وقت میں قبیلے میں پہنچا تو میرا بھرپور استقبال کیا گیا۔ موگاٹا کا ساتھی زبونا میرے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میرے قدموں میں گر گیا اور اپنی وفاداری کا عہد کرتے ہوئے اس نے تیز دھار خنجر سے اپنی دو انگلیاں کاٹ کر مجھے پیش کر دیں۔

”زبونا تم نے یہ کیا کر دیا۔ میں تمہیں معاف کر دیتا تو نے خود کو انگلیوں سے محروم کیوں کر دیا۔“ میں نے دل میں سوچا کہ اسے کہوں لیکن میرے دل کے مسام کسی چٹان کی طرح سخت ہو گئے تھے۔ میں خاموش رہا اور سچی بات تو یہ ہے زبونا کی کٹی ہوئی انگلیوں سے بے تحاشا خون کو دیکھ کر مجھے عجیب سی لذت اور تقاخر کا احساس ہوا تھا۔

آج وہی موٹی مجھے اپنے حصار میں لئے ہوئے چوم رہے تھے جو کچھ روز پہلے میرے خون کے پیاسے تھے۔ میں نے روزی کی بے اعتنائی اور سنگدلی کے عذاب کوٹاٹنے کے لئے ان کے ساتھ مل کر خوب جشن منایا اور مہذب دنیا کے تمدن شکاری کو اپنی خرافات کے

بوجھ تلے دفن کر دیا۔ میرے دوست مورژوا کی بیٹی بناؤ سنگھار کر کے ہاتھوں میں ہاتھی دانت سے بنایا لہ اٹھائے میرے پاس آئی۔ اس نے مجھے وہی مشروب پلایا جو روزی موگانا کو پلا کر اس کی زندگی میں شامل ہونا چاہتی تھی۔ نہ جانے اس وقت مجھے کس کس قسم کی آگ جلا رہی تھی کہ میں نے وہ سارا مشروب غٹا غٹ پی لیا اور پیالہ پرے پھینک دیا۔ یہ دیکھتے ہی سارے خوشی کے ساتھ جھوم اٹھے اور مورژوا کی بیٹی شادمانیوں کے ریلے میں بہتی ہوئی خالی پیالے پر جھپٹی اور اس میں بچا کھچا مشروب پیئے لگی۔

وہ رات میں نے مورژوا کے بڑے جھونپڑے میں گزاری۔ وحشت درندگی اور ابولہوسی نے میرے اندر نوکیلے پنچے گاڑھ لئے تھے۔ میں نہیں جانتا تھا اس رات میں تاریک دنیا کے دلدلی گناہوں اور ان کی فرسودہ رسومات میں کتنا دھنس گیا تھا اگلی صبح جب میری آنکھ کھلی تو میرا دماغ تروتازہ ہو چکا تھا۔ بدن کی پور پور میں راحت اور سکون سا تھا۔ مگر جو نہی نظر مورژوا کی بیٹی پر پڑی تو جیسے میرا دماغ الٹ گیا۔

”تم یہاں کیا کر رہی ہو۔“

وہ میرے سامنے جھکی اور بولی۔ ”میں آپ کی بیوی ہوں اور اب آپ قبیلے کے سردار ہیں“ اس نے اپنے باپ کے جانوروں کی ہڈیوں سے بنے تخت کی طرف اشارہ کیا۔

”ابھی قبیلے والے آپ کو غسل دیں گے اور آپ کو باقاعدہ اس رسم سے گزارا جائے گا۔ جس سے قبیلے کے سردار کو گزر کر یہ عہد کرنا پڑتا ہے کہ وہ قبیلے کی شاندار روایات کو زندہ رکھے گا۔ اس رسم کی خوبصورت بات یہ ہے کہ آپ قبیلے کی جس جس لڑکی کو اپنی بیوی بنانا چاہیں گے آپ کو اجازت ہوگی۔“

”شٹ اپ“ برسوں بعد میں نے جھلاہٹ کے مارے چلایا اور انگریزی میں اسے سنانے لگا۔ ”بھاڑ میں جائے تمہارا قبیلہ اور تمہاری روایات اور میں تمہارے جیسی کالی کلوٹی لڑکیوں سے شادی کروں گا۔ مجھے نفرت ہے تم سے۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے مجھے شکل نہ دکھانا۔“ وہ میری کیفیت دیکھتے ہی باہر کو بھاگی میں اپنا سر تھام کر بیٹھ گیا مجھے اندازہ ہوا کہ غصے کی حالت میں گزشتہ رات میں کیا کچھ کر بیٹھا تھا۔ مجھے ایک بار پھر روزی پر غصہ آ رہا تھا اس نے مجھے عقل سے بے گانہ کر دیا تھا۔

میں یونہی بیٹھا ہوا تھا کہ باہر ڈھول بجنے لگے اور موتی مجھے سردار بنانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ میرے اعصاب تن گئے اور میں نے عہد کیا کہ میں ان خونخوار قبائلیوں کا سردار نہیں بنوں گا۔ یہ سوچتے ہی میں نے وہاں سے فرار ہونے کا منصوبہ بنالیا اور اپنی بندوقیں اکٹھی کر کے اپنا لباس پہنا اور جھونپڑے سے باہر نکلا تو باہر زبونا میری بیوی کے ساتھ ایک سفید فام نوجوان اور سیاہ فام مہذب قسم کے بوڑھے کے ساتھ کھڑا تھا۔ وہ نوجوان میری طرف بڑھا اور ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میرا نام مانیکل ہے۔ میں پیرس سے آپ کی تلاش میں آیا ہوں۔ میں آپ کے انارنی مسٹر کرسٹورفر لی کا بیٹا ہوں۔ آپ کے والد اور والدہ کی جائیدادیں آپ کے نام منتقل کرنے کے لئے ایک مسئلہ آن پڑا ہے۔ آپ کی والدہ کا پچھلے سال انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے مرنے سے قبل وصیت کی تھی کہ ان کے بیٹے کو ہندوستانی کے جنگلوں سے واپس لا کر یہ ساری جائیدادیں اس کے سپرد کی جائیں۔“

مائیکل سیاہ فام بوڑھے کے ساتھ سانگ پھال کے نواحی قصبے سے ہوتا ہوا یہاں پہنچا تھا وہ میرے لئے کسی نیبی مدد سے کم نہیں تھا۔ میں اسے جھونپڑے میں لایا اور اس سے ساری تفصیلات سنتا رہا۔ وہ کہنے لگا ”آپ کی والدہ کی ایک رشتہ دار لڑکی وکنوریہ آپ کے آبائی گھر میں رہ رہی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ آپ بچپن سے اس کے دوست ہیں۔ اس نے آپ کے بچپن کی تصویریں اپنے کمرے میں لگائی ہوئی ہیں اور روزانہ انہیں دیکھ کر آپ کی واپسی کی دعا کرتی ہے۔“

میں نے مائیکل کو یقین دلایا کہ میں اس کے ساتھ واپس جاؤں گا۔ میں جس قسم کے حالات کا شکار تھا ان سے نکلنے کا یہی ایک راستہ تھا۔ کہ میں اپنی مہذب دنیا میں واپس چلا جاؤں۔ واپسی پر مجھے سانگ پھال سے ہو کر جانا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ روزی وہاں ہوگی۔ بوڑھا سیاہ فام انگل جارج اور روزی کو اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے تصدیق کر دی کہ روزی سانگ پھال میں ہی ہے۔ ان دنوں وہ اپنے باپ کی قبر کے پاس بیٹھی رہتی ہے۔ وہ بہت اداس ہے اور تنہا ہے۔ روزی کی تنہائی اور اس کے بارے میں جان کر میرے حلق میں سانس اٹک گئی۔ میں نے سوچا اگر میں سانگ پھال چلا گیا تو کیا روزی کا وجود مجھے پیرس جانے دے گا۔ ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ زبوٹا اندر آیا اور بتانے لگا کہ جشن کی تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔ اس لئے ہم لوگ باہر آ جائیں۔ میں نے کہا۔ ”زبوٹا میں تمہارے قبیلے کا سردار نہیں ہوں گا میں آج اپنی دنیا میں واپس جا رہا ہوں۔“ زبوٹا کا چہرہ اتر گیا۔ ”مگر کجھداری سے بولا۔“

”ولیم صاحب آج ہماری رسمیں اپنے عروج پر ہیں۔ اگر آپ نے سرداری قبول نہ کی تو موئی آپ کو واپس نہیں جانے دیں گے۔ وہ آپ کی ناراضی کو دیوتاؤں کا قہر سمجھیں گے۔ اس لئے آپ ان رسموں کو ادا کرنے کے بعد اپنے دیس سے ہوائیں۔“

”بالکل نہیں۔ میں تمہاری عورتوں سے شادیاں نہیں کر سکتا۔“ میں چیخ اٹھا۔ ”میں نے اور میرے باپ نے تم لوگوں کے لئے بے تحاشا قربانیاں دی ہیں مگر تم نے مجھے برباد کر دیا ہے۔ میرا باڑہ۔۔۔ میرے مویشی۔۔۔ میں تم لوگوں کے پاس نہیں رہ سکتا۔ جاؤ اور اپنے قبیلے والوں سے کہہ دو ولیم صاحب واپس جا رہے ہیں۔“

میرا یہ فیصلہ کن انداز دیکھ کر میری بیوی جھونپڑے کی اوٹ سے لنگی اور دروازے

میں ٹھہر گئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار خنجر تھا۔ خنجر اس نے اپنی شہ رگ پر رکھا اور بولی۔ ”اے عظیم شکاری میں اب تیری بیوی ہوں۔ میں اس عظیم سردار کی بیٹی ہوں جسے تم نے ہمیشہ اپنا دوست بنائے رکھا۔ اگر تم نے عظیم موئی قبیلے کی سرداری اور روایات قبول نہ کیں تو میں اپنی گردن کاٹ ڈالوں گی۔“ میں اس کی جرات اور تیور دیکھ کر پریشان ہو گیا اسی لمحے بوڑھے سیاہ فام نے میرے کانوں میں ایک بات کہی اور مجھے حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ ”فی الحال یہ جو کہتے ہیں اسے قبول کر لیں۔“

میں نے اس جذباتی لڑکی کی جان بچانے کے لئے ہاں کر دی تو زبوٹا اور میری بیوی کی باجھیں کھل اٹھیں اور وہ اس جھوم کی طرف چلے گئے جہاں میرے لئے مقتل سجایا جا رہا تھا۔ سارے موئی بڑے اشتیاق سے میری جانب دیکھ رہے تھے۔ پورا قبیلہ دائرے کی صورت میں اکٹھا تھا اور ڈھول کی بے ہنگم اور بے سری تھاپ پر ایک دوسرے کے بازو تھام کر اچھل کود رہا تھا۔ آج قبیلے کی عورتیں بن سنور کر آئی تھیں۔ گلے میں جانوروں کی ہڈیاں مالاؤں کی صورت میں لٹک رہی تھیں۔ کچھ عورتوں کی مالاؤں میں چھوٹے بچوں کے سروں کی ہڈیاں لاکٹ کی طرح جھوم رہی تھیں۔ یہ وہ سیاہ عورتیں تھیں جن کے بچے پیدائش کے فورا بعد ہی پر اسرار بیماری کا شکار ہو کر مر گئے تھے۔ موگاٹانے انہیں باور کرایا تھا کہ دیوتاؤں نے ان کے بچوں کی بھیٹ لیکر ان کے بدنصیب کھول دیئے ہیں دیوتا نے ان کی کھوپڑیاں گلے میں لٹکانے کی ہدایت کی تھی ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح دیوتا انہیں بچوں اور مردوں کی خوشیاں دیتے رہیں گے اور کسی روز انہیں دیوتا درشن دینے ان کے پاس آئیں گے۔ قبیلے کی رسم و رواج بے ہودگی شرمناکی اور غیر انسانی حدود سے گزر چکی تھیں۔

مجھے ایک وسیع العریض پنڈال میں پہنچایا گیا میرے لئے مورڈا کا تخت بچھایا گیا تھا اور اس کے پیچھے مورڈا کی بیویاں بیٹیاں اور بیٹے کھڑے تھے۔ مجھے تخت پر بٹھا دیا گیا۔ مائیکل اور بوڑھا حبشی مجھ سے دس قدم دور مہمانوں کی صف میں بیٹھ گئے۔ جشن سرداری کی تقریب میں شرکت کے لئے سانگ پھال سے دو چار حبشی بوڑھے بھی بلائے گئے تھے۔ میں جلا بھنا ہوا تخت پر بیٹھ گیا تو زبوٹا میری بیوی کا ہاتھ تھام کر میرے پاس آیا اور اپنی کمر سے خنجر کھول کر اس کی نوک اپنے عریاں سینے میں گھونپ کر اناپ شناپ پڑھنے لگا۔ میری نام

نہاد بیوی جس کا نام موتائی تھا عقیدت اور جذباتیت کے طے جلے تاثرات کے ساتھ میری جانب دیکھ رہی تھی۔ اسکی آنکھوں میں عجیب پر اسرار سی چمک تھی اور اسکے خدو خال میں جذباتیت پیدا ہو رہی تھی۔

زبونا کے سینے سے خون کی دھار کی صورت میں بہنے لگا تو موتائی نے ایک کوزہ منگوا کر زبونا کا خون اس میں بھرا اور اپنے نپے تلے قدموں کے ساتھ چلتی ہوئی میرے پاس آئی۔ زبونا اس دوران رکوع کی صورت میں نیچے جھک گیا۔ موتائی نے خون سے لبالب پیالہ مجھے پیش کیا اور بولی۔

”اے سالکا دیوتا کے اوتار قبیلے کے سردار۔ میں تمہاری بیوی موتائی۔۔۔ تجھے اس قبیلے کے سب سے بہادر نوجوان زبونا کی وفاداری کا پیالہ پیش کر رہی ہوں۔ زبونا پر آج سے تمہارا خون حرام ہے اور وہ تمہارے ایک اشارے پر اپنے سینے میں نیزہ گھونپنے کو تیار ہوگا۔“

مجھے یاد آیا کچھ دنوں پہلے مورژوانے بھی ایسی حرکت کی تھی۔ اس نے حلف وفاداری کے لئے مجھے اپنا خون پیش کیا تھا۔ مگر میں آدم خور انسان نہیں تھا کہ ایک انسان کے خون کو اپنے لبوں تک لے جاتا۔ میں تو خون پلانے والوں میں شامل تھا موتائی میرے سامنے کوزہ لے کر کھڑی تھی۔ میں نے کہا۔

”موتائی تم جانتی نہیں۔ میں انسان کا خون نہیں پی سکتا۔“ میرے لہجے میں کڑنگی بھی تھی اور برہمی بھی۔

”میرے آقا۔“ موتائی جھک کر بولی۔ ”یہ خون آپ نے نہ پیا تو زبونا اسی حالت میں جھکا رہے گا اور اس کے بدن کا سارا لہو عظیم موسیوں کی سرزمین کو سیراب کرتا رہے گا۔ وہ اسی حالت میں مر گیا تو سالکا دیوتا کی محافظ قوتیں اس زمین پر اتر آئیں گی اور ان کے سارے بچے اور موسیٰ کھا جائیں گی۔“

میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ مجھے قبیلے کی ان خرافات سے کسی قسم کی دلچسپی نہ تھی۔ میں تو اپنے عذاب و خیال میں الجھا ہوا تھا۔ مجھ پر اضمحلال کی کیفیت طاری تھی اور بار بار سانگ پھان کی اس قبر کی تلاش تھی جہاں روزی فراق و اندوہ میں گرفتار ہو کر بلک بلک کر رو رہی تھی۔ میرا وجود موسائی قبیلے میں پڑا تھا اور روح سانگ پھان کے جنگلوں میں اس پیکر جمال

کے دیدار کے لئے بھٹک رہی تھی۔ میں موتائی کی بات کا جواب نہ دے سکا اور وہ دوبارہ بولی۔

”میرے آقا۔۔۔ قبیلے پر رحم کرو اور اس کوزے کو اپنے لبوں سے لگا لو۔“

یہ سن کر میں غصے سے کھڑا ہو گیا اور وحشت کے عالم میں قبیلے کے لوگوں کو دیکھنے لگا۔ میرے ذہن میں بوڑھے حبشی کی باتیں گردش کرنے لگیں تو میں برداشت کے ساتھ بولا۔

”اے ہند چینی کے جنگلوں کے وارثو۔۔۔ میری بات غور سے سنو اور اپنے دلوں میں اس بات کو بٹھا لو کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں۔ تمہارے مفاد میں کہہ رہا ہوں۔“

یہ کہہ کر میں نے قدرے خاموشی اختیار کی تو اس لحظہ زبونا اذیت ناک لہجے میں ڈکرایا۔ اس کا بہت سا خون بہہ چکا تھا۔ میں نے کہا ”اے عظیم مورژوا کے عقیدت مند میری بات غور سے سنو۔ میں آج یہاں تمہارا سردار بنایا جا رہا ہوں تو مجھ پر فرض ہو گیا ہے کہ میں تمہاری خوشحالی اور تحفظ کے خیال سے تمہیں ایسی بات کہہ دوں جو اگر چھپاؤں گا تو قبیلے کا مستقبل تباہ ہو جائے گا۔ تم ایک تاریک جنگل کی سیاہی میں گم ہو کر رہ جاؤ گے۔ تمہارے بچے اور موسیٰ کبھی پھل پھول نہیں سکتے۔ سنو! میرے دوستو۔“

میں یہاں تک پہنچا تو میری کیفیت بدل چکی تھی۔ مجھے یہاں سے راہ فرار حاصل کرنے کے لئے حبشی بوڑھے نے ایک کام کی بات بتادی تھی۔ اس لئے میں اس بات کو کہنے کے لئے تانا بٹیا کر رہا تھا اور مجھے اس میں کامیابی حاصل ہو گئی۔ موسیٰ میری طرف دم بخود دیکھ رہے تھے میں دوبارہ شروع ہوا۔

”میں تمہارا حقیقی دوست ہوں مگر موگاٹا نے آپ کو میرا دشمن بنا دیا تھا۔ تم جانتے ہو کہ موگاٹا درحقیقت کیا چاہتا تھا۔ مجھے یقین ہے میرے سادہ لوح موسیٰ اس سنگین راز کو نہیں پا سکتے کہ موگاٹا ایک شیطان تھا۔ اس نے جنگل کے اس پار پہاڑی گچھا میں اپنا ٹھکانہ بنایا ہوا تھا جہاں وہ جنگل کے معصوم درندوں اور دیوتا کے اوتار شیروں کو اپنا غلام بناتا رہتا تھا۔ تم نے دیکھا کہ کل تمہارے درمیان ماگودی کا ظہور ہوا تھا۔ یہ دیوی قبیلے کے لئے مہربان دیوی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تمہیں اس نے خوشحالی دی۔ تمہارے موسیوں کی حفاظت کی اور تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچائے رکھا مگر موگاٹا نے ماگودی کو اپنا غلام بنالیا تھا تا کہ تمہاری ساری امیدیں صرف موگاٹا سے وابستہ ہو جائیں تم اپنی زندگی کی ہر سانس لینے کے لئے صرف موگاٹا

کی طرف دیکھتے رہو۔ یہ زبونا اور موگی جو تمہارے قبیلے کے سب سے بہادر جنگجو تھے انہیں موگانا ہی یہاں سے لے گیا تھا تا کہ ان کے ذریعے تمہارے سردار مورژوا کو قتل کرا سکے۔ موگانا چاہتا تھا کہ موگی یا زبونا میں سے کوئی ایک تمہارا سردار بن جائے اور اس طرح وہ درپردہ تم پر اپنی حکومت قائم کر لے۔ کیونکہ یہ دونوں اس کی طاقت کے اہل تھے۔ لیکن جب میں اور روزی موگانا کی شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرنے پر تل گئے اور اس کے غلام درندوں کو ہلاک کرنے لگے تو موگانا کا ارادہ بدل گیا اس نے روزی کے باپ کو قتل کر دیا تھا۔ روزی اس شکاری جارج کی بیٹی ہے جو میرے والد کے ساتھ تمہیں یہاں کے درندوں سے بچاتا رہا ہے۔ میرے انکل جارج سانگ پھاں کے قبائلیوں کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ میرے والد کی وفات کے بعد وہ تمہارے حقیقی مہربان ہوتے مگر موگانا ہر اس انسان کو اپنے راستے سے ہٹاتا رہا جو قبیلے کی بہتری کے لئے کام کرتے تھے۔

”اے مرے دوستو! موگانا تمہارا کبھی بھی خیر خواہ نہیں رہا۔ اب دوسری بات سنو! میں تمہارا سردار بننے کا اہل نہیں ہوں میں یہاں سے جا رہا ہوں مجھے اپنے دیس میں اپنے گھر میں جانا ہے۔ جس طرح ہر اپنے قبیلے اور گھر کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے اسی طرح میرا بھی یہ حق ہے کہ میں اپنے گھر اور اپنے دیس کی خاطر چلا جاؤں میں تمہارے دباؤ اور تمہاری محبتوں کی خاطر اگر اس سرداری کو قبول کر لیتا ہوں تو یاد رکھو ایک دن میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں یہاں سے جاتے وقت تمہاری محبتوں کی خوشبو ساتھ لے کر جاؤں اس لئے میں دعوت دیتا ہوں کہ اس قبیلے کا سب سے بہادر نو جوان آگے بڑھے اور مجھ سے سرداری کا حق چھین لے۔“

یہ سنتے ہی چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ سانگ پھاں سے آنے والے بوڑھے بھی انہیں مشورے دینے لگے کہ ولیم جو کہہ رہا ہے اس پر عمل کیا جائے۔ لیکن موگی مجھ سے عقیدت کی وجہ سے جرات نہیں کر رہے تھے۔

”میں جانتا ہوں تم میری عقیدت کی وجہ سے میرے مقابلے پر کسی کو نہیں بھیج رہے ہو میں نے تمہیں وہ ساری باتیں کہہ دی ہیں جس کے بعد تم مجھے مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتے۔ اب اگر تم کہو تو میں سرداری کا حلف اٹھا لیتا ہوں۔ مگر کل کو میں یہاں سے چلا گیا تو جنگل کی آفات

اور دیوتاؤں کے قبر سے بچانے والا سردار نہ دیکھ پاؤ گے۔“

میری یہ بات ان کی سمجھ میں آگئی اور میرے عقب میں کھڑے مورژوا کے وارثوں میں کھلبلی مچ گئی۔ مورژوا کا ایک بیٹا موتاش میرے مقابل آگیا اور اس نے موتائی کے ہاتھ سے بھرا ہوا کوزہ لیا اور غنا غٹ پی گیا۔ یہ سب اتنا اچانک ہوا کہ کسی کو کچھ سوچنے کا موقع ہی نہ ملا۔ موتاش اٹھارہ بیس سال کا قد آور نو جوان تھا مگر اپنے باپ کی طرح وہ بھی قدرے شریف انسان تھا۔ جوانوں کی بہادری کی ساری خوبیاں اس میں موجود تھیں موتائی اس کی بہن تھی۔ موتائی قبیلے کی ایک شرمناک رسم یہ تھی کہ سردار ہونے کے ناتے وہ اپنی بیٹیوں سے بھی شادیاں رچا لیتے تھے۔ باپ کے مرنے پر اس کی ساری اولاد بیویاں اور اس کے بیٹے اس کے حصے آجاتیں جو سردار بننے کی اہلیت رکھتا تھا۔

موتاش نے کوزہ خالی کر کے زبونا کو اٹھایا اور میری طرف دیکھ کر بولا ”اے زبونا میں اب ولیم صاحب سے جنگ کروں گا۔ میں نے تجھے مرنے سے بچا لیا ہے اب تو میرا وفادار ہے میرے لئے دعا کر کہ میں اس جنگ میں فاتح ہو کر قبیلے کی حفاظت کا حق ادا کر سکوں۔“

موتاش کئی سالوں سے میرے ساتھ جنگلوں کی خاک چھانتا رہا اور میرا دیکھا بھالا تھا۔ میں نے کئی بار اس کو درندوں کی خوراک بننے سے بچایا تھا تو اس نے بھی اپنی ذہانت سے مجھے کئی آفات سے بچایا تھا۔ رسم کے مطابق مجھے اور موتاش کو سرداری حاصل کرنے کے لئے جنگ کرنا تھی۔ سرداری پر امن انتقال اقتدار نہیں تھی۔ میرے کہنے سے موگی اس کے گلے میں سرداری کی مالا نہیں پہنا سکتے تھے۔ موگی روایتی انداز میں ڈھول پیٹنے لگے تھے۔ موتائی نے ایک نیزہ مجھے تھمایا تو اس کی آنکھوں میں ان گنت خدشات تیر رہے تھے۔ میں نہیں جان سکا تھا کہ وہ کس دکھ میں مبتلا تھی۔ موتائی اپنے قبیلے میں ایک خوبصورت لڑکی سمجھی جاتی تھی اس کے طلبگاروں کی صف میں قبیلے کا ہر بازگانو جوان کھڑا تھا مگر اس کے حصول کی جنگ کا کسی کو موقع ہی نہیں ملا تھا۔ موتائی نے جب مجھے نیزہ تھما دیا تو وہ اپنی سیاہ سرزدہ آنکھوں سے مجھے دیکھتے ہوئے بولی ”کا کا دیوتا تمہاری حفاظت کرے۔“

موتاش کو اس کی بیوی نے نیزہ تھما دیا تھا اور پھر جب ہم دونوں میدان میں اترے تو قبیلے کے ڈھولچی وحشیانہ انداز میں ڈھول پیٹنے لگے۔ موتاش نیزہ لہراتے ہوئے میرے گرد

ہلاک کرنے سے گریز کرے۔ موتاش نے یہ دیکھا تو فرط مسرت سے نعرہ لگا کر نیزہ زمین پر گاڑھ کر میری طرف بڑھا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا۔ موکی موتاش کی فتح پر جھوٹے ناپنے لگے۔

0000

دارہ کاٹنے لگا۔ میں نے پہلے ہی یہ فیصلہ کیا تھا کہ مجھے سرداری کے مقابلے میں شکست کھانا ہوگی تاکہ میرا مد مقابل فاتح قرار دیا جاسکے۔ موتاش کے جارہانہ عزائم خطرناک تھے۔ اس نے مجھے اپنے مخصوص داؤ کو آزماتے ہوئے چکمہ دیا اور نیزہ میرے سینے کی طرف بڑھایا لیکن میں بھی انہی مونیوں میں پلا بڑھا تھا۔ میں ایک دم جھکائی دے کر اس کا وار خالی کر گیا۔ البتہ جھکے جھکے ہی میں نے نیزہ لائھی کی طرح گھما کر موتاش کی پنڈلی پر مارا تو وہ تلملا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اگر میں چاہتا تو اس وقت نیزہ اس کی ران میں پیوست کر سکتا تھا۔ مگر میں اس خوب رو جوان کو مارنا نہیں چاہتا تھا۔ ویسے بھی مورژوا کا بیٹا اور موتائی کا بھائی تھا میں اسے قتل نہیں کر سکتا تھا۔

موتاش میرے حملے کے جواب میں نیزہ اپنی انگلیوں میں لائھی کی طرح گھمانے اور پھر کچھ ہی لمحے بعد وہ مجھ پر برق کی طرح چھپنا۔ اس نے اتنی افتاد کے ساتھ مجھے نیزے کی گردش میں جکڑ لیا کہ میں اس کی جارحیت روکتے رہنے پر مجبور ہو گیا۔ پھر یکا یک میں اس کے داؤ میں آ گیا اور اس نے نیزہ میری ران میں پیوست کر دیا۔ میں ذہنی طور پر تیار تھا کہ مجھے اپنے مد مقابل سے شکست کھاتے ہوئے جان سے ہاتھ بھی دھونا پڑ سکتا ہے۔ اس لئے میں موتاش کے ہر اس داؤ سے بچتا تھا جو میری جان لے سکتا تھا۔ مگر موتاش نیزہ بازی میں اس قدر یکتا ہو گیا تھا کہ میں خود کو اس کے وار سے نہ بچا سکا اور نیزے کا شدید وار مجھے کئی فٹ تک پیچھے رگید کر لے گیا۔ اذیت کی خوفناک لہر میرے وجود میں پھیل گئی۔

موتاش نے نیزہ پیچھے کھینچا تو میری ران سے خون کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ اس لمحے موتائی نے دلخراش چیخ ماری تھی۔ میرا زخم بہت کاری تھا اور یوں لگا جیسے ٹانگ میرے بدن سے جدا ہو گئی ہے۔ موتاش نے آگے بڑھ کر ایک اور حملہ کیا تو میں نے نیزے کو ہی ڈھال بنا کر روکا اور ایک مکار سید کیا۔ موتاش کے منہ سے خون بہنے لگا۔ مگر اس نے خون کی پرواہ نہ کی اور جنونی انداز میں حملے کرنے لگا۔ عین اس وقت جب میں نے نیزے پر نیزے کا وار روکا تو میری ٹانگ میرا بوجھ نہ سہار سکی اور میں نیچے گر گیا۔ موتاش کے لئے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ نیزہ میرے سینے میں گھونپ دیتا لیکن میں نے اپنے ہوش پر قابو رکھتے ہوئے عین اس وقت نیزہ پرے پھینک دیا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں مقابلے میں اپنی شکست تسلیم کر چکا تھا۔ دستور کے مطابق مد مقابل پر فرض ہو جاتا کہ وہ مغلوب اور مفتوح کو

ایسے خرافات پہلے بھی نہیں پیتا تھا۔ لہذا میں نے مشروب پینے سے انکار کر دیا تو بوڑھا چسکیاں لے کر مشروب پینے لگا۔ میں نے ایک رسی کی مدد سے ران کو زخم کے اوپر باندھ دیا تاکہ خون کا دباؤ زخم پر نہ پڑے۔ میں نے بوڑھے حبشی سے کہا۔ ”اگر تم میری مدد کرنا چاہتے ہو تو مجھے جنگلی بوٹی لا دو۔“

وہ میری بات سمجھ گیا اور بولا۔ ”کیا وہ بوٹی اس جنگل میں بھی ملتی ہے۔“ میں نے اسے وہ جگہ بتائی تو وہ خاصی دیر لگانے کے بعد آیا اس دوران مجھ پر نقاہت طاری ہو گئی تھی۔ اور میرا سر چکرانے لگا تھا۔ وہ جونہی جڑی بوٹی لایا میں نے اس کے ہاتھوں سے چھین لی اور اسے منہ میں چبا کر اس کا رس پی گیا اور گودا زخم پر لگا دیا۔ یہ کراماتی بوٹی تھی جس نے حیرت انگیز طور پر کچھ ہی دیر بعد مجھے درد زخم کی تکلیف سے نجات دلادی۔ مائیکل میرے پاس ہی بیٹھا رہا تھا۔ میری تکلیف بتدریج کم ہوتی چلی گئی اور دو پہر تک زخم بھی مندمل ہو گیا۔ مائیکل یہ معجزہ دیکھ کر اچھل پڑا تھا اس نے کہا ”صاحب یہ جڑی بوٹی کے ذریعے ہم کروڑ پتی بن سکتے ہیں۔“

”آئیڈیا تو اچھا ہے۔“ معا میرے ذہن میں خیال آیا۔ ”جب میں اس سرزمین سے رخصت ہو رہا ہوں تو کیوں نہ بیہس میں شاہانہ مستقبل کے لئے اس جنگل کو کاروباری حوالے سے استعمال کروں۔ وافر دولت ہاتھ لگنے سے میں ان جنگلیوں کی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہوں۔“ میں نے کہا۔ ”میں تمہاری مدد کروں گا۔ میں چاہتا ہوں اس سے جو دولت حاصل ہوگی وہ قبیلے کی خوشحالی کے لئے صرف کروں۔“

میری رضامندی نے اسے حوصلہ دیا اور ہم اس پہلو سوچنے لگے کہ ہند چینی کے جنگلات سے مہذب دنیا کے لئے کیا کیا ذخائر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ان جنگلوں کے کونے کونے میں خدا نے ایسے خزانے پوشیدہ کر رکھے تھے جنہیں بروئے کار لا کر نہ صرف جنگلیوں کی بلکہ ہم اپنے وطن کی بہبود کے لئے بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

یہ دو پہر کا وقت تھا۔ جشن ابھی تک منایا جا رہا تھا۔ بوڑھا حبشی بھی قبیلے کی رسم و رواج میں شریک ہو چکا تھا۔ میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے مائیکل سے کہا کہ وہ بھی باہر جا کر انکی خوشیوں میں شریک ہو جائے۔ میرے غنودہ ذہن میں روزی کا دھندلا سا چہرہ ابھر رہا تھا۔ اسکی یادوں کے سہانے موسم میری پیاسی روح کو بے تاب کرنے لگے۔ اور میں محمل

میری شکست پر موتائی دل گرفتہ ہو گئی۔ اسکی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں حیران ہوا کہ قبیلے کے ایک سردار کی بیٹی کسی کی شکست پر یوں بھی رو سکتی ہے۔ رسم و رواج کے مطابق وہ میری بیوی نہیں رہی تھی۔ ویسے میں خود بھی اسے اپنی بیوی نہیں سمجھتا تھا۔ یہ تو قبائلیوں کی اندھی رسومات اور عقائد کا ایک بھیا تک سپنا تھا جو گزری ہوئی ایک رات کو میرے ساتھ پیش آیا تھا۔ موتائی اب میرے پاس نہیں آ سکتی تھی۔ رسم و رواج کے مطابق اسے موتاش کی فتح اور سرداری پر سے سب سے زیادہ جشن منانا چاہیئے تھا۔ وہ قبیلے کی ایک خوش قسمت ترین عورت بن گئی تھی۔ سردار جب کسی کو شکست دیکر سرداری حاصل کرتا تو اسکی بیویوں میں سب سے بڑی کو یہ اعزاز اور تمکنت حاصل ہو جاتی۔ پورے قبیلے کی عورتوں میں اس کا رتبہ نمایاں ہو جاتا۔ عورتوں کے مسائل اور مقدمات کو سننے اور ان کے حل کے لئے وہ فیصلے بھی صادر کر سکتی تھی۔ موتائی کو جشن سرداری میں سب سے زیادہ خوش ہونا چاہیئے تھا۔ مگر اس کی سیاہ آنکھوں میں پھیلی ہوئی غم کی اندوہ گھنائیں دیکھ کر میں اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔ حالانکہ میری ران سے بہتا ہوا خون دیکھ کر موتاش کے دل کو ٹھیس پہنچی تھی۔

میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ موتاش فطری طور پر سمجھدار اور انسان دوست انسان تھا۔ یہ اسکے باپ کی تربیت کا اثر تھا۔ یا پھر میرے والد اور خود میرے رویہ نے اس وحشی نوجوان کو انسانوں کی قدر دانی اور ہمدردی سکھائی تھی۔ بہر حال جب معاملہ موتی قبیلے کی رسم و رواج کی ادائیگی کا ہوتا تو ہر شریف درندہ بن جاتا تھا۔

مائیکل میری حالت دیکھ کر پریشان ہو گیا اور دوڑتا ہوا میرے پاس آ گیا۔ اس نے مجھے سنبھالا دیا اور جھونپڑے میں لے آیا۔ سانگ پھاں کا بوڑھا ہاتھوں میں ہاتھی دانت کا پیالہ اٹھائے ہوئے اندر آ گیا۔ اس میں سیاہ رنگ کا بدبودار مشروب تھا۔ اس نے مجھے پینے کے لئے دیا اور کہا اگر اس کو پی لوں تو ران کی درد بھول جاؤں گا۔ اور زخم میں زہر بھی نہیں پھیلے گا۔ میں

نصوانیت سے بھرپور تھے۔ موتائی کے اندر تہذیب کی قدیلیں روشن ہو رہی تھیں۔ مگر میں جن حالات سے دوچار تھا ان میں موتائی کا ساتھ دیتا تو میرے ساتھ بہت سے لوگوں کو قربانی دینا پڑتی۔

”موتائی تم ٹھیک کہتی ہو مگر میں ان حالات میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں نے اپنی لاچارگی کا اظہار کیا“ بولی۔ ”اگر تم چاہو تو بہت کچھ کر سکتے ہو۔ تمہارے پاس ماگودیوی کی طاقت ہے۔ اور میرے پاس سارکا۔ تمہارے بازوؤں اور ذہن میں اتنی قوت اور روشنی ہے کہ مجھے اس جنگل کی سیاہ دنیا سے نکل کر لے جاسکتے ہو۔“

موتائی مجھے لمحہ بہ لمحہ حیرتوں کے سمندر میں دھکیل رہی تھی۔ اسکی باتوں میں مہذب دنیا کی عورتوں کا ذہن بول رہا تھا۔ میں تو ہمیشہ یہی سمجھتا رہا تھا کہ موتائی قبیلے کی عورتیں صرف وحشی ہوتی ہیں ان میں دل و دماغ سے سوچنے کی صلاحیت نہیں ہے مگر موتائی کی سوچوں نے مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے میرے ضمیر پر بوجھ سالادھ دیا تھا میں اسکی مدد کروں۔ میں سوچنے لگا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اگر اس وقت کوئی اسے میرے جھونپڑے میں دیکھ لیتا تو قیامت آجاتی۔ میں نے جھونپڑے کے دروازے سے باہر دیکھا تو بڑے میدان میں اکٹھے تھے۔ اور سردار موتاش کی تاج پوشی کی رسم ادا کر رہے تھے۔ یہ بڑا نازک وقت تھا اس مرحلے میں موتائی کی ضرورت پیش آتی تھی۔ اور اسے رسوم کی ادائیگی کے لئے وہاں موجود ہونا چاہئے تھا۔ میں نے موتائی کو بتایا اور کہا۔ ”موتاش کی تاج پوشی ہونے والی ہے تم وہاں سے یہاں کیسے آگئی ہو۔“

”میں سچے سنورنے کے لئے جھونپڑے میں گئی تھی اور جھپتی چھپاتی یہاں آگئی ہوں۔“ اس نے کہا۔ ”میں اگر اس رسم میں شامل ہوں تو میرے اندر کی موتائی مرجاتی۔ میرے پاس یہی ایک راستہ تھا کہ میں تمہارے پاس آجاتی۔“

”موتائی تم نیزے کی نوک پر ٹھہری ہوئی ہو۔ تم جانتے ہوئے بھی اتنا خطرہ مول لے رہی ہو۔ اس لئے فی الحال یہاں سے چلی جاؤ۔“ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا مگر وہ نہ مانی۔ میرے اصرار پر اس نے اپنی پاس رکھی ہوئی ایک بڑی سی تھیلی میں ہاتھ ڈالا اور ایک زہریلے سانپ کو گردن سے پکڑ کر اپنے منہ کے پاس لے آئی اور بولی۔ ”میں اس سانپ سے

ہو گیا۔ مائیکل باہر نکل گیا اور میں خیالوں ہی خیالوں میں روزی سے باتیں کرنے لگا پھر اور مجھے نیند نے آیا۔ شفا بخش جڑی بوٹی کے اثرات کے باعث میرا پورا بدن ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ میں بڑی پرسکون نیند سو رہا تھا جب مجھے اپنے پاس سرسراہٹ اور کسی کی ہچکیاں محسوس ہوئیں۔ میں سمجھا شاید روزی آگئی ہے میں نے دھیرے دھیرے آنکھیں کھولیں تو موتائی میرے قدموں کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ میں یکدم اٹھا۔

”موتائی تم یہاں کیا لینے آئی ہو۔“ میں جانتا تھا کہ اب وہ موتاش کی بیوی بن چکی ہے۔ اب وہ سردار کی عزت تھی۔ اسے میرے جھونپڑے میں دیکھ لیا جاتا تو ہم دونوں کو کچھ دریافت کئے بغیر نیزوں میں پرو دیا جاتا۔ اور پھر موئی ہمارے تڑپتے ہوئے بدنوں کو آگ کے اوپر کبابوں کی طرح روست کر کے کھا جاتے۔ میں ایسے کئی واقعات دیکھ چکا تھا۔ موت کے اس سنگین اور خوفناک انداز کو محسوس کر کے میں نے جھرجھری لی اور اٹھ کھڑا ہوا۔

”میں موتاش کی بیوی نہیں بن سکتی۔ موتائی موتائی قبیلے کی عورت ہے لیکن اسکی روح اس جنگل میں نہیں رہتی۔ میں نے صرف تمہیں اپنا شوہر بنایا تھا۔ تمہارے بعد میں کسی دوسرے مرد کو قبول نہیں کر سکتی۔ اے رحم دل شکاری۔ تجھے اپنے باپ کا واسطہ ہے مجھے یہاں سے لے جا ورنہ میں موت کو گلے لگا لوں گی۔“

”موتائی تو جانتی ہے تمہاری اس حرکت کا نتیجہ کیا نکلے گا۔ موتاش مجھ سے محبت کرتا ہے مگر تمہاری اس باغیانہ حرکتوں کی وجہ سے وہ ہم دونوں کو اذیت ناک موت مارے گا۔“

”میں موت سے نہیں ڈرتی۔“ وہ ٹھوس لہجے میں بولی۔ ”مجھے یقین ہے کہ تم جیسا شکاری بھی موت سے نہیں ڈرتا۔ اس لئے موت کو اپنے سر پر سوار نہ کرو۔ میں موتاش کی بہن بھی ہوں۔ میری رگوں میں بھی اس عظیم موروثی کا خون گردش کر رہا ہے جو موتاش کی رگوں میں ہے۔ اے شکاری اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتا کیا تمہاری دنیا میں اس طرح کی غلامانہ اور کمزور رسمیں ہوتی ہیں۔ کیا بھائی اپنی بہنوں سے شادیاں کرتے ہیں۔ مجھے بتا کیا تیرے جیسے مہذب انسان کی غیرت گوارا کرتی ہے کہ خون کے مقدس اور پاکیزہ رشتے کو پامال کیا جائے۔“ میں دم بخود موتائی کی باتیں سن رہا تھا۔ آج میں نے پہلی بار اسکی سیاہ اور گہری آنکھوں میں دیکھا تو ان میں شعور کی روشنی پھوٹی ہوئی نظر آئی۔ اسکے مین نقش جلتی بہت اور

خود کو ڈسوالوں کی اور تمہارے سامنے تڑپ کر جان دے دوں گی مگر رسموں میں شرکت نہ کروں گی۔“

”موتائی۔۔“ میں زچ ہو کر مٹھیاں بچھنے لگا۔ میں نے ایک بار پھر جھوپڑے سے باہر دیکھا تا کہ مائیکل کو بلا سکوں مگر مجھے مائیکل نظر نہیں آیا۔ میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا اور میں نے موتائی سے کہا۔ ”تم بہادر عورت ہو اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہاں سے بچ نکلنے کا ایک ہی راستہ رہ گیا ہے۔ تم یہاں سے موگانا کی پہاڑی گچھا کی طرف نکل جاؤ۔ میں تمہیں وہیں ملوں گا۔“

میں نے اسے گچھا کو جانے والا راستہ سمجھایا مگر میں جانتا تھا کہ قبیلے کی عورتیں جنگل سے باہر جانیں سکتیں کیونکہ انہوں نے کبھی جنگل سے باہر ایک قدم نہیں رکھا تھا۔ موتائی جنگل کے پر پیچ راستوں سے ناواقف تھیں۔ موتائی کے لئے گچھا تک پہنچنا آسان نہیں تھا اس کا حل میں نے یوں نکالا کہ موگانا کی پراسرار چربی اسے دے دی اور اسے استعمال اور فوائد سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا ”اس چربی کے اثر سے کوئی درندہ تمہاری طرف نظر نہیں اٹھائے گا۔ اس لئے فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔“

موتائی اپنے قبیلے کی پہلی باغی عورت ثابت ہوئی۔ اس نے میری ہدایات پر عمل کیا اور پہاڑی گچھا میں پہنچ گئی مگر اس تک پہنچنے کے لئے مجھے بہت سے عذابوں میں سے گزرنا پڑا۔ میرے جھوپڑے سے رخصت ہوتے ہی قبیلے میں ہڑبونگ مچ گئی تھی۔ موتاش کی تاجپوشی کے لئے موتائی وہاں موجود نہیں تھی۔ اور رسم کی ادائیگی کا سعد وقت گزرتا جا رہا تھا۔ موتاش کی دوسری بیویاں موتائی کے جھوپڑے میں گئیں اور اسے وہاں موجود نہ پا کر بھاگتی ہوئیں موتاش کے پاس پہنچیں۔ موتاش یہ خبر سن کر سنائے میں آگیا۔ اسے سارے جھوپڑوں میں تلاش کیا گیا۔ اس دوران مائیکل اور بوڑھا حبشی میرے پاس آگئے تھے۔ میں نے مائیکل کو اصل صورتحال سے آگاہ کیا، کچھ ہی دیر بعد موتاش بھی میرے جھوپڑے میں آگیا اسکے تیور بدلے ہوئے تھے۔ اس نے کرخت لہجے میں مجھ سے پوچھا کہ موتائی یہاں تو نہیں آئی۔ میں نے کہا کہ میں تو سویا ہوا تھا اور ابھی بیدار ہوا ہوں اس لئے مجھے نہیں معلوم کہ موتائی کہاں ہے مگر میں نے محسوس کیا کہ موتاش میری بات سے قائل نہیں ہوا۔ اس نے جھوپڑے کا جائزہ لیا تو زمین پر

کپڑے کا تھیلا دیکھ کر طنز یہ نظروں سے مجھے دیکھنے لگا۔ ”یہ میرے باپ کا وہ تھیلا ہے جو تمہارے باپ نے اسے دیا تھا۔ اس نے اس میں کالکادیوی کا محافظ ناگ رکھا ہوا تھا۔ اس تھیلا کو صرف مورژوا کے وارث ہی اٹھا سکتے ہیں۔ جب کہ کسی کو موت کی سزا دینی ہوتی تھی تو اسے اس ناگ سے ڈسوا دیتا تھا۔ یہ تھیلا تمہارے جھوپڑے میں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ موتائی یہاں آئی تھی۔؟“ موتاش نے تھیلا اٹھایا تو ناگ اس میں کروٹیں بدلنے لگا۔ موتائی جانے سے قبل ناگ کو واپس تھیلا میں ڈال گئی تھی۔ موتاش نے ناگ کو گردن سے پکڑ کر نکالا اور میرے چہرے کے سامنے لہراتے ہوئے بولا۔

”تمہاری عزت اس وقت تک کی جاسکتی ہے جب تک تم ہماری عزت کا خیال رکھتے رہو گے مگر تم نے میری ہونے والی بیوی کو یہاں بلا کر مجھے اس بات پر مجبور کر دیا ہے کہ میں تمہیں سخت سزا دوں۔“

”میں تمہاری ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں مگر میں تمہیں یہ بتا چکا ہوں کہ میں سویا ہوا تھا اور ابھی جاگا ہوں۔ ممکن ہے موتائی آئی ہو اور وہ تھیلا یہاں چھوڑ کر چلی گئی ہو۔ اب نہ جانے وہ کہاں ہو۔“ میں پکے پیروں جھوٹ بولتا رہا مگر موتاش پھر بھی بدگماں تھا۔ وہ مجھے گھورتا ہوا باہر نکلا اور اس نے چلا کر اپنے بایسوں کو کہا کہ وہ جنگل میں پھیل جائیں اور موتائی کو تلاش کریں۔

اسکے جاتے ہی میں نے اپنا سامان اٹھایا اور مائیکل کو اشارہ کیا کہ یہاں سے رخصت ہونے کی تیاری کرے۔ بوڑھا حبشی نہ جانے کیا کچھ کھاپی چکا تھا۔ کہ اسکی آنکھوں سے نشہ چھلک رہا تھا۔ وہ لگم لگاتے قدموں سے ہمارے ساتھ ہولیا۔ ہم باہر نکلے اور موتاش کو بتایا کہ میں اب جا رہا ہوں زندگی نے وفا کی تو پھر ملاقات ہوگی۔

میں نے موتاش کی آنکھوں میں اپنے لئے سفاکی کا پیغام پڑھ لیا تھا۔ مجھے خدشہ تھا کہ اسے میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا اس لئے وہ میرا پیچھا کرے گا۔ لہذا میں نے گچھا میں بچھنے کے لئے دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مائیکل کو میں نے سمجھا دیا کہ وہ نہایت احتیاط سے میرے ساتھ چلے۔ اس نے میری نشاندہی پر راستے میں شفا بخش اور معجزاتی بوٹیوں کا ڈھیر اکٹھا کر لیا تھا۔ ہم جھاڑیاں پھونک پھونک کر آگے بڑھتے رہے راستے میں شیروں اور چیتوں کی آماجگاہ

”ولیم صاحب اپنی بندوق پھینک دو۔“
 بندوقیں پھینکنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ میں نے اور بوڑھے دونوں نے بندوقیں
 پھینک دیں مگر مائیکل اڑ گیا۔
 ”اگر ہم فائر کھول دیں تو ان کے زرخے سے نکل کر بھاگ سکتے ہیں۔ اس نے کہاں
 ابھی ہمارا اور ان کا خاصا فاصلہ ہے۔“
 ”یہ فاصلہ مونیوں کے نشانے سے محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ان کے نشانے اتنے پختہ ہیں
 کہ ہم بھاگ نہیں سکتے اسلئے بندوق پھینک دو۔“ مگر مائیکل نے میری بات نہ مانی اور آگے
 بڑھ کر موتاش کا نشانہ لے کر فائر کر دیا۔ اس دوران میں نے بھی جھپٹ کر بندوق اٹھالی کیونکہ
 اب اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ اس دوران بہت سے تیر مائیکل کو آکر لگے اور ہو چی مار کر پیچھے
 الٹ گیا۔

0000

ہوں سے بھی گزرتا پڑا لیکن میرے بدن میں کرشنا کی چربی کی وجہ سے وہ میرے پاس نہیں آتے
 تھے تاہم میں انہیں بچانے کے لئے تھوڑی سی چربی مل دیتا کہ مجھے بار بار ان کی طرف متوجہ نہ ہونا
 پڑے۔ ہم جنگل کے اس حصے میں نکل آئے جہاں موگاٹانے روزی کو قید کیا تھا۔ میں نے یہ جگہ پہلے
 بھی دیکھی تھی۔ لیکن کبھی غور نہیں کیا تھا کہ موگاٹا اس کو اسیری کے لئے استعمال کرتا ہے۔ بلند وقامت
 اور گھنے درختوں کی صورت میں وہ قید خانہ بنایا گیا تھا۔ اسکے پاس قدر آور شیر گھوم رہے تھے۔ یوں لگ
 رہا تھا جیسے وہ اب بھی پہرے پر مامور ہیں اور اندر کوئی قید و بند کی صعوبتیں اٹھا رہا ہے۔ ہم وہاں سے
 گزرنے لگے تو معا ہمارے پیچھے کسی کی دلخراش چیخ گونجی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا تو ایک شیر نے
 ایک گرائڈیل موئی کو گردن سے پکڑا ہوا تھا اور جھٹکے دے رہا تھا۔ اس کے ہاتھ سے نیزہ گر گیا تھا
 اور کچھ ہی دیر بعد وہ ساکت ہو گیا۔

”مائیکل! اگر ہمارے بدنوں پر چربی نہ لگی ہوتی تو ہماری بھی یہی حالت ہوتی۔ غالباً
 یہ شخص ہمارا پیچھا کر رہا تھا۔“ ہم وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ سہ پہر کے وقت ہم کچھا کے پاس
 پہنچ گئے۔ موتائی میری توقع سے بڑھ کر ذہین ثابت ہوئی تھی۔ وہ کچھا میں چھپ کر بیٹھی تھی۔
 ہمیں دیکھا تو اطمینان کرنے کے بعد اس جگہ سے باہر آ گئی۔ آگ نے پتھروں سے بنی کچھا کو
 تپا کر رکھا تھا۔ اسکے قریب جانے سے حدت محسوس ہوئی تھی۔ بوڑھا حبشی موتائی کو دیکھ کر
 پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے کہا اگر موتاش نے اسے دیکھ لیا تو وہ سب کو مار ڈالے گا۔ مگر اب ہم
 ایسی جگہ تھے جہاں قبیلے کی حدود ختم ہو چکی تھیں۔ میں نے اسے باور کرایا کہ اگر موتاش نے ایسی
 جرات کی تو میں اسے ختم کر دوں گا۔ اس لئے وہ پریشان نہ ہو۔ میرے دریافت کرنے پر
 بوڑھے نے بتایا کہ یہاں سے ایک محفوظ راستہ سانگ پھاں کو جاتا ہے۔ ہم اسی وقت سانگ
 پھاں کی طرف روانہ ہو گئے۔ ہم پہاڑوں کے درمیان سے گزر رہے تھے کہ یکایک ہمارے
 دائیں بائیں سے تیر سساتے ہوئے گزرے اور موتاش کی آواز گونجی۔

”خبردار ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنا۔“

اس وقت ہم کھلے میدان میں تھے۔ ہمارے پاس چھپنے کی کوئی جگہ نہ تھی۔ لگتا تھا
 ہماری زندگی کی شام ڈھلنے والی ہے۔ موتاش نیزہ بردار اور تیر کمانوں سے لیس مونیوں کی فوج
 لیکر ہمارے گرد گھیرا ڈال چکا تھا۔ وہ پکارا

میں نے موتائی کو سنبھال کر چٹان کے پیچھے کیا اور فوراً بندوقیں بھرنے لگا۔ لیکن جتنی دیر میں بندوقیں بھرتیں چٹان پر نیزے اور تیر گرنے لگے۔ موئی غیض و غضب کی آگ میں جل رہے تھے۔ ان کے بے رحم تیروں سے بچاؤ کا ایک یہی راستہ تھا کہ چٹان کو ڈھال بنا کر انہیں گولیوں کی زد پر رکھا جاتا۔ بوڑھا حبشی میری اس پریشانی کو بھانپ گیا اور بولا۔

”ولیم صاحب گھبرانا نہیں میں انہیں روکتا ہوں۔“ یہ کہہ کر اس نے مائیکل کی بندوق سیدھی کی اور اس لشکر اجل پر فائر جھونک دیئے جو ہماری موت کے پیاہم بن کر آرہے تھے۔ بوڑھے حبشی کا نشانہ پختہ تھا یا پھر اس نے اندازے سے فائر کیا تھا مگر اس کی چلائی ہوئی گولیوں نے دو مونیوں کے سروں کے پرچے اڑا دیئے تھے۔ اس دوران میں سنبھل گیا تھا۔ موتائی نے مجھے حوصلہ دیا اور اپنی ٹانگ سے نیزہ نکلا کر اسے بے رحم نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے لبوں پر سفاک مسکراہٹ تیرنے لگی۔

”موتاش یہ نیزہ تمہارا پھینکا ہوا تھا۔ میں بھی تیری بہن ہوں میں تیرا یہ تھمہ اس وقت تک سنبھال کر رکھوں گی جب تک تو خود اس کو قبول نہیں کرے گا۔“

میں نے چٹان سے سر اٹھایا تو ایک نیزہ سنسناتا ہوا میری کھوپڑی کے پاس سے گزرا اگر میں ایک لمحہ بھی تاخیر کرتا تو میری کھوپڑی میں ایک بڑا سا روشن دان بن چکا ہوتا۔ میں نے دیکھا کہ موئی ابھی اس جگہ پر تیرا نیزہ پھینک رہے تھے۔ جہاں میں چھپا تھا۔ میں نے موتائی کو چٹان کے پینڈے میں لٹا دیا اور کہا کہ وہ اپنے زخم کی دیکھ بھال کرے۔ میں وہاں سے کھسکتا ہوا دوسری چٹان کے پیچھے چلا گیا یہ ایسی جگہ تھی جہاں سارے نظر آ رہے تھے۔ ابھی ان کا ہم سے پچاس ساٹھ گز کا فاصلہ تھا ان کی تعداد کم دیش ساٹھ کے قریب تھی۔ بہت سے مونیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے ان میں سے موتاش کو تلاش کرنا شروع کر دیا مگر وہ مجھے دکھائی نہیں دیا میں نے بارود سے بھرے تھیلے کو دیکھا تو کلیجہ منکوا گیا اس میں صرف دس بارہ گولیاں تھیں۔ میں پریشان ہو گیا کہ تھیلا تو بھرا ہوا تھا خالی کیسے ہو گیا۔ تھیلا الٹ کر دیکھا تو اس کے نیچے ایک سوراخ تھا غالباً اس میں سے بہت سی گولیاں گر گئی تھیں۔ دشمن کے تیروں کی یلغار کو زیادہ دیر تک میں روک نہیں سکتا تھا۔ لہذا میں نے انہیں روکنے کے لئے موتاش کا نشانہ بنانے کا فیصلہ کیا اور پھر تمام خطرات کا احساس کرتے ہوئے چٹان کے کنارے کی طرف کھسکے لگا۔

مائیکل کو خون میں لت پت دیکھ کر میری آنکھوں میں خون اتر آیا۔ میں نے موتائی کو اپنی پشت کی ڈھال بنا کر پیچھے دھکیل دیا اور دونوں ہاتھوں میں بندوقیں تھام کر موتاش اور اسکے خونخوار سپاہیوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ اس دوران میں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا تھا کچھ فاصلے پر بڑی چٹانیں تھیں۔ میں نے بوڑھے حبشی اور موتائی سے کہا کہ میری فائرنگ کے دوران وہ بھاگ کر چٹانوں کے پیچھے چھپ جائیں۔ لیکن دونوں مجھے میدان میں چھوڑ کر بھاگنے کو تیار نہ تھے۔ موتائی نے ایک دوبارہ کوشش کر کے میری ڈھال بننے کی کوشش کی تھی مگر میں اسے زبردستی پیچھے دھکیل دیتا۔

فضا میں بارود کی بو پھیل رہی تھی اور یکے بعد دیگر خاک و خون میں لت پت ہو رہے تھے۔ میری موسلا دھار گولیوں کا فائدہ یہ ہوا کہ موئی نشانہ لے کر ہم پر تیر نہیں پھینک رہے تھے۔ اس دوران بوڑھے حبشی نے کمال جرات دکھائی اور کسی تیندوے کی طرح مائیکل کو اپنی کمر پر لاد کر اس چٹان کی طرف بھاگ گیا جہاں اسے چھپنے کی میں نے ہدایات کی تھی۔ میں اس کی اس حرکت پر بہت خوش ہوا۔

اندھا دھند فائرنگ کی وجہ سے موئی پیش قدمی سے تو رک گئے مگر میری دونوں بندوقیں خالی ہو گئی تھیں۔ مجھے خدشہ تھا کہ جتنی دیر میں میں بندوقیں بھروں گا دوبارہ تیروں کی بارش کر دیں گے۔ لہذا اس امکان کے سوچتے ہی میں نے موتائی کو بھاگنے کا اشارہ کیا وہ میرا ارادہ بھانپ گئی اور ہم دونوں برق و رعد کی طرح بھاگتے ہوئے چٹانوں کے پیچھے چھپ گئے۔ لیکن اس وقفہ میں سنبھل گئے تھے۔ وہ شور مچاتے ہوئے آگے بھاگے اور ہم پر نیزے پھینک دیئے۔ ہم چٹان کے پاس ہی تھے کہ ایک نیزہ آسمان سے ٹوٹے ہوئے شہابیہ کی طرح موتائی پر گر مگر میری تیز نظروں نے اس کے ہدف کو دیکھتے ہوئے موتائی کو زوردار دھکا دے کر آگے کی طرف پھینک دیا۔ اس کے باوجود نیزہ اس کی ٹانگ میں پیوست ہو گیا۔

ہاتھ مارا اور میرا نشانہ خطا ہو گیا۔ موتائی کی اس حرکت کو دیکھ کر میں سب پاہو گیا اور میں نے بائیں ہاتھ کا مکا اس کے جڑے پر دے مارا۔

”بے وقوف جنگی عورت تم نے یہ کیا کر دیا اچھا بھلا موقع ضائع کر دیا ہے۔“
اپنے عقب میں فائر کی آواز سنتے ہی موتاش چھلاوے کی طرح دائیں جانب بھاگا۔ میں نے اس پر دوسرا فائر کیا مگر صحیح نشانہ نہ لگ سکا اور وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔
موتائی غیض و غضب سے بھری شیرنی کی طرح غرائی۔ ”موتاش کو میں اپنے ہاتھوں سے ماروں گی۔“

یہ کہتے ہوئے اس نے نیزہ لٹھی کی طرح زمین پر ٹپکا اور کسی چھلاوے کی طرح اچھلی اور پھر اس جانب بھاگ گئی۔ جدھر موتاش بھاگا تھا۔

”موتائی موتائی۔“ میں نے پیچھے سے اسے پکارا اور بے اختیار ہو کر اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ مگر ایک موتائی کی لاش سے ٹکرا کر زمین پر گر گیا اس افراتفری کے نتیجے میں بارود سے بھرا تھیلہ بھی گر گیا اور بچی کچھی گولیاں بھی نکھر گئیں۔ ”اوہ شٹ“، میں سٹپٹا کر اٹھا۔

موتائیوں نے چٹان کے پیچھے چھپے ہوئے بوڑھے حبشی کو پکڑ لیا تھا میں نے غصے سے بندوق کی آخری گولی اس چٹان پر جھونک دی جدھر سارے اکٹھے تھے۔ گولی کے جواب میں ایک چیخ گونگی۔ اور پھر اسی لمحہ بوڑھے حبشی کی کراہت سے بھری چیخ بھی نکلی۔ غالباً موتائی اس کو اپنے نیزوں میں پروچکے تھے۔ اب مجھے اپنی باری کا انتظار تھا۔ غصہ کی وجہ سے میرے ذہن میں کسی قسم کا خوف نہیں تھا۔ میں نے بندوقیں ناکارہ آلات سمجھ کر پھینک دیں اور اپنے پاس پڑے ہوئے نیزے تلاش کرنے لگا۔ میرے قریب کچھ گولیوں کا نشانہ بن کر جہنم واصل ہو کر گرے پڑے تھے۔ میں نے ایک نیزہ اور تیرکمان اٹھائی اور موتائی کو موتاش سے بچانے کے لئے بھاگا۔ میری آنکھیں تاریکی سے کسی قدر مانوس ہو گئی تھیں۔ میں چالیس قدم بڑھا ہوں گا کہ مجھے موتائی اور موتاش کے درمیان جنگ کے آثار نظر آ گئے۔ موتائی زخمی شیرنی کی طرح دھاڑ رہی تھی جبکہ موتاش بھینسے کی طرح بڑھ چڑھ کر وار کر رہا تھا۔ میں قریب پہنچا تو دیکھا کہ موتاش شدید زخمی ہے اور بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔

”موتائی پیچھے ہٹ جاؤ۔“ میں نے وارننگ دی۔ ”میں اس سورے کو دیکھتا ہوں

رات کی سیاہی بڑھ رہی تھی۔ کالے بدنوں والے موتائی رات کی سیاہی میں گھل رہے تھے۔ ہمارے لئے خطرہ بڑھ رہا تھا کیونکہ موتائی رات کی تاریکی میں دور تک دیکھنے کی قوت رکھتے تھے۔ جبکہ میرے لئے یہ ممکن نہ تھا ویسے بھی سیاہ راتوں کے دن تھے۔ چاند کی روشنی پھوٹنے کا امکان نہ تھا۔ چاند نکلتا تو آدھی رات گزر چکی ہوتی لیکن اس وقت کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

موتائی سیاہ عکس کی صورت میں نظر آرہے تھے۔ میں چٹان کے پیچھے سے نکلا اور ریٹنگتا ہوا موتائیوں کی دائیں جانب بڑھنے لگا۔ میں کچھ ہی فاصلے پر تھا کہ قریب کسی وجود کا احساس ہوا میں یکدم اس جانب پلٹا تو موتائی کی سرگوشی سنائی دی۔

”خاموش چلتے رہو۔ موتاش ان کے درمیان ہے اور زخمی حالت میں ہے ہم اس کو مارنے میں کامیاب ہو گئے تو سارے موتائی تمہیں اپنا سہارا مانتے ہوئے ہتھیار پھینک دیں گے اور پھر میں۔“۔ اندھیرے میں موتائی کی سیاہ آنکھوں میں جذبات کی روشنی نمودار ہوئی اور میں گہری سانس بھر کر رہ گیا۔ موتائی اندھیروں میں میری رہبر بن گئی۔ ہماری خوش قسمتی تھی کہ موتائی اس جانب سے غافل ہو گئے تھے۔ پوزیشن کے اعتبار سے ہم دونوں ان کے عقب میں پہنچ گئے تھے۔ میرے اعصاب تنے ہوئے تھے اور بار بار مائیکل کا خیال آ رہا تھا۔ جس انداز سے بے تحاشا تیرے اس کے بدن میں پیوست ہوئے تھے انہیں دیکھتے ہوئے اس کے جانبر ہونے کا امکان نہیں تھا۔ ویسے بھی موتائیوں کے تیز زہریلے ہوتے تھے۔ ایک تیر ہی بدن میں پیوست ہونے سے موت کا زہر رگوں میں پھیل جاتا تھا۔ مائیکل بیچارا مجھے جنگل کی تاریکیوں سے نکالنے کے لئے آیا تھا مگر خود سیاہ مہیب جنگل کی دنیا نے اسے نگل لیا۔

ہم موتائیوں کے عقب میں پہنچے تو عین اس وقت بوڑھے حبشی نے نعرہ مارا اور موتائیوں پر دوبارہ فائر کھول دیا۔ اس نے نشست بدل بدل کر فائر کئے جس کے نتیجے میں موتائی تتر بتر ہو گئے اور چٹان کے دائیں بائیں پھیل گئے۔ انہوں نے چٹان کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ موتائی بھڑکے چھتے کی طرح بکھر گئے تو میدان میں گرائڈیل موتاش کا دھندلا عکس دکھائی دیا جو شاخ کی بید کی طرح لرز رہا تھا۔ موتائی بولی یہ موتاش ہے میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔

یہ سنتے ہی میں نے اس کا نشانہ لیا اور فائر کرنا چاہا تو موتائی نے یکدم میری بندوق پر

اگر تم سامنے آئی تو میں تمہیں بھی مار ڈالوں گا۔“

میرا لہجہ کرخت تھا میرے اندر بھی اپنی بقا کی جنگ کا احساس پیدا ہو گیا تھا اور میرے حیوان باطنی نے انگڑائی لے کر میری حیوانی جبلت کی بیڑیاں کھول دیں۔

موتائی نے جواباً کہا۔ ”صاحب تم بھی میرے سامنے نہ آنا میں اس کو خود ماروں گی۔ آج میں مونیوں کی تاریخ کا ایک نیا باب اپنے خون سے لکھوں گی۔ آج تک کسی موئی عورت نے اپنے بھائی یا شوہر کو نہیں مارا مگر۔۔۔ میں آج اس کو مار کر ہمیشہ کے لئے نئی روایت کا در کھول رہی ہوں یہ جو میرا شوہر بننا چاہتا تھا۔ میں اندھے اور سیاہ عقائد کی دنیا کو تباہ کر دوں گی۔“ وہ ہڈیان کے عالم میں دھاڑی مگر میں نے اس کی پروا نہ کی اور موتاش پر نیزہ پھینک دیا اسی لمحے موتائی موتاش کے سامنے آگئی۔ میرا نیزہ اس کے دائیں کندھے میں پیوست ہو گیا اور پھر وہ زخمی ناگن کی طرح بل کھا کر گھومی اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا نیزہ اتنی تیزی سے گھما کر موتاش کے سینے میں گھونپ دیا کہ میں اس کی پھرتی طاقت اور دانائی پر عیش کراٹھا۔

میں نے برسہا برس سے بے شمار دلیر جنگجو اور نیزہ بازی میں طاق موئی دیکھے تھے مگر موتائی کا یہ روپ دیکھ کر میں اپنی دانش مندی اور نظر بینی پر ماتم کرنے لگا۔ کہ آج تک ایسی یگانہ روزگار عورت میری نظروں سے کیسے چھپی رہی۔ میں اس کی ظاہری بد صورتی کے دھوکے میں رہا مگر اس کے باطنی حسن، دلیری اور ذہانت نے مجھے درط حیرت میں ڈال دیا تھا۔ میرا باطنی حیوان اپنی چوڑیاں بھول گیا۔ میں آگے بڑھاتا کہ موتائی کے کاندھے سے نیزہ نکال دوں مگر مجھ سے پہلے ہی اس نے دلیر مردوں کی طرح نیزہ کھینچ کر نکالا اور پرے پھینک دیا۔

”صاحب! ابھی تم میرے بہت سے روپ دیکھو گے۔“ میں اس کے قریب گیا تو اس کی آنکھوں میں جوش تلاطم مار رہا تھا۔

موتاش پہلے ہی خاصا خون بہہ جانے سے نقاہت میں مبتلا تھا وہ موتائی کا وار سہ نہ سکا اور زمین پر گرتے ہی دم توڑ گیا۔ موتائی نے موتاش کے سینے پر پاؤں رکھا اور وہ کے مخصوص انداز میں نعرہ مار کر بولی۔ ”اے عظیم کا لکادیوی۔ آج تیری پجارن نے مونیوں میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔ تیری عظمت کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اور اپنی اس پجارن کو اپنا

درشن کرا۔“ میں موتائی کے بدلتے روپ کو دیکھ دیکھ کر دنگ ہوتا رہا تھا۔ میں نے کا لکادیوی کا نام تو سنا ہوا تھا مگر کبھی اس کے وجود اور اس کے فسانوں پر توجہ نہیں دی تھی اور نہ ہی کبھی اس واہیات دیوی دیوتاؤں پر ایمان رکھتا تھا۔ لیکن جب سے موگاٹا اور ماگودیوی کی پراسرار قوتوں کے مظاہر سامنے آئے تھے مجھے کا لکادیوی میں بھی دلچسپی ہوگئی۔

موتائی کی آواز سن کر اس جانب بھاگے آئے تھے۔ اس نے موتاش کی لاش کو سر پر اٹھایا اور بدن کے رستے خون سے بے پروا ہو کر وہ ایک چٹان پر چڑھ گئی اس نے موتاش کی لاش چٹان پر رکھی اور بلند آواز میں مونیوں سے مخاطب ہوئی۔

”سنو میرے عظیم باپ کے عقیدت مندو۔ میں نے تمہارے سردار اور اپنے بھائی کو مار ڈالا ہے۔ میں نے اس کو اسی نیزے سے مارا ہے جس پر اس نے میری موت کا پیغام لکھ کر آسمان پر پھینکا تھا اور وہ اڑتا ہوا میرے بدن میں پیوست ہو گیا تھا۔ یہ دیکھو میری ٹانگ سے ابھی تک اس زخم سے لہو بہہ رہا ہے۔ جو اس نیزے کی وجہ سے لگا۔ میں نے اسی نیزے سے موتاش کو مارا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے نیزہ موتاش کے سینے سے نکالا۔ ”یہ نیزہ میرے لئے مقدس ہے۔ میرے باپ کو کا لکادیوی نے دیا تھا۔ تم نہیں جانتے کا لکادیوی کون ہے مگر اس بد بخت بوڑھے موگاٹا نے میرے باپ کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ کا لکادیوی کا نام نہ لیا کرے۔ یہ نیزہ میری دیوی کی نشانی ہے۔ جو موتاش نے اپنے قبضے میں لیا تھا۔ مگر اس نیزے کا جو اصلی وارث ہوگا۔ یہ نیزہ خود اس کے پاس چلا جائے گا۔ اب آج سے کا لکادیوی قبیلے کی رکھشا کرے گی۔ میں اس کی پجارن ہوں پس تم پر بھی لازم ہے کہ آج کے بعد کوئی موئی میرے سامنے کا لکادیوی کے خلاف زبان نہ کھولے گا۔ یہ کہہ کر اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

”یہ تمہارا محسن ہے مگر تم نے اس پر بہت ظلم کئے ہیں۔ یہ اب میرا شوہر ہے تم سب پر اس کی اطاعت لازم ہے۔“

بچے کچھ موئی چٹان کے گرد منونیت اور عقیدت سے کھڑے ہو گئے اور موتائی کی عظمت کے ترانے گانے لگے۔ اسی لمحے وہ بے حد معصوم اور بے ضرر دکھائی دے رہے تھے۔

موتائی نے ایک موئی کو اوپر بلایا اور پوچھا۔ ”تم نے ہمارے بوڑھے مہمان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔“ ”ہم نے اسے مار ڈالا ہے موتائی۔“ ”اور ہمارا سفید کھال والا

مہمان۔“ اس نے مائیکل کے بارے میں پوچھا تو اس نے جواب دیا۔

”وہ چٹان کے پاس مردہ پڑا ہے۔“

”جاؤ اور اس کی لاش کو عقیدت کے ساتھ یہاں لے آؤ آج کا لکادیوی کی رات ہے میں اس کو بچانے کے لئے اپنی دیوی سے گڑگڑا کر مدد مانگوں گی۔“

موٹی بھاگتے ہوئے گئے اور مائیکل کی لاش اٹھالائے اور اسے بھی چٹان پر رکھ دیا۔ میں نے مائیکل کی حالت دیکھی تو اس کے سینے اور پیٹ میں پانچ تیر پیوست تھے۔ موتائی نے سارے تیر نکال دیئے۔ میں نے مائیکل کی نبض دیکھی تو مجھے لگا جیسے اس کے اندر زندگی آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔

”موتائی مائیکل زندہ ہے۔“ میں جذباتی ہو کر بولا۔

”اے کا لکادیوی۔۔۔ مرے باپ نے تجھ سے ایک بار وعدہ کیا تھا کہ وہ تیری حکمرانی قائم کرے گا مگر وہ نہ کر سکا۔ مگر اے کا لکادیوی آج میں اس عظیم مورثہ کی بیٹی جوازل سے تیرا نام لیتی آرہی ہے تجھ سے وعدہ کرتی ہے کہ اگر تو میرا سائبان بن جائے تو میں تیری موٹی قبیلے پر حکمرانی قائم کر دوں گی۔ اے دیوی! میں نے تیرے نام پر قبیلے کے سردار موتاش کو مارا ہے۔ اسے قبول کر اور میرے مہمان کو بچالے۔“

موتائی بار بار ہاتھ بلند کئے گڑگڑا رہی تھی۔ آسمان پر گہری تاریکی کا راج تھا۔ فضا میں سوائے موتائی کے کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کی آواز دور دور تک جنگل اور پہاڑوں کے سینے شق کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ یونہی خاصی دیر ہوگئی۔ میں مائیکل کی نبض پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔ جو لفظ بلفظ دب رہی تھا۔ مجھے خیال آیا کہ مجھے شفا بخش جادو کی بوٹی کو آزمانہ چاہیئے۔ مائیکل کے پاس اس جڑی بوٹی کے بھرے تھیلے تھے جو اس نے زخمی ہونے کے بعد وہیں پھینک دیئے تھے۔ میں جلدی سے چٹان سے اتر ا اور اندازے سے اس جانب بھاگا جدھر وہ تھیلے گرے تھے۔ کچھ ہی فاصلے پر ایک تھیلا لگ گیا۔ میں نے جڑی بوٹی نکالی اور جونہی واپس ہوا پورے ماحول پر سنسنی سی طاری ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ فضا یکدم گرم ہوگئی اور زمین تھر تھرانے لگی تھی۔ پہاڑوں سے چھوٹے چھوٹے پتھر نیچے گرنے لگے تھے۔

”آگئی میری دیوی۔۔۔ آگئی دیوی۔“ موتائی شدت مسرت سے چلانے

لی۔ میں کر دپیش میں اس وجود ماورائی کو تلاش کرنے لگا مگر مجھے فضا کے بدلتے آثار کے سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ البتہ ہر شے پر زلزلہ کی کیفیت برقرار رہی۔ میں چٹان کی طرف بھاگ گیا اور جلدی سے جڑی بوٹی کومنہ میں پیس کر مائیکل کے منہ میں عرق ڈالنے لگا تھا کہ ایک گونجدار آواز سنائی دی۔

”ٹھہرؤ“

موتائی نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور بولی۔ ”ٹھہر جاؤ کا لکادیوی جلال و آتش کی دیوی ہے اسے ناراض نہیں کرنا۔“

اسی لمحے چٹان پر حدت بڑھ گئی۔ میں نے دیکھا ایک عورت جس کے بال بکھرے ہوئے تھے اور دانت ہونٹوں تک لٹک رہے تھے آنکھوں میں وحشت اور درندگی بھری تھی موتائی کے پاس آئی اور اسے اپنے بازوؤں میں کسی بچے کی طرح اٹھا کر اپنے سینے سے لگالیا۔

”تو نے اپنی ماں کا ہمیشہ مان رکھا ہے۔ میری بچی۔“ کا لکادیوی نے کہا تو اس ٹانغے میں نے محسوس کیا کہ موتائی اس کے بازوؤں میں گرتے ہی بے ہوش ہوگئی ہے۔

”میری بچی تو بہت تھک گئی ہے اب تو کچھ دیر تک سولے۔ تیری ماں تیری رکھشا کرے گی۔“ اس نے موتائی کو چٹان پر سلا دیا اور مجھے عجیب نظروں سے دیکھنے لگی۔ ”تو میری بچی کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے اس نے کہا“ اور پھر موتاش کی لاش کے پاس بیٹھ گئی اور اپنے غلیظ نوکیلے پنجوں سے اس کا سینہ چیر کر اس کا دل ہڑپ کر گئی۔ اس کے بعد اس نے موتاش کی لاش اٹھائی اور چٹان سے نیچے پھینک کر دھاڑی۔ ”تم سب اپنے قبیلے میں چلے جاؤ ابھی تم کو بہت سی آفتوں سے گزرنا ہے۔ یہ سنتے ہی چیخ و پکار کرتے ہوئے بھاگ گئے۔ کا لکادیوی اب مائیکل کے پاس بیٹھ گئی اور کچھ پڑھنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے نوکیلے کانٹوں سے بھرا ہوا ایک بستر چٹان پر نمودار ہوا۔ کا لکادیوی نے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھا اور کہا کہ مائیکل کے ہاتھ اور پاؤں باندھ کر اس کو بستر پر لٹا دو۔

میں اس کا حکم سن کر کانپ اٹھایا نوکیلے کانٹے مائیکل کے بدن کر چیر پھاڑ دیتے میں نے تردد سے کام لیا تو وہ زوردار آواز میں بولی

”جلدی کرو۔ جو میرے حکم کی تعمیل نہیں کرتے میں ان کا وجود برداشت نہیں کرتی۔“

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور مائیکل کو کانٹوں کے بستر پر لٹا دیا۔ کالکادیوی اٹھی اور مائیکل کی پشت پر دباؤ ڈال کر ہندیانی انداز میں چیخ کر اس کے پورے وجود کو کانٹوں میں پرودیا۔ کالکادیوی کی یہ درندگی دیکھ کر میں کانپ اٹھا مجھے گماں ہوا کہ کالکادیوی غضب و نفرت کی علامت ہے اس نے میرے مائیکل کی رگوں میں دوڑتی ہوئی زندگی کے لٹن میں نوکیلے کانٹے گھونپ دیئے ہیں تو وہ اسے زندہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ اس کی اس حرکت نے مجھے دیوانہ کر دیا اور مجھے اپنی ماگودیوی یاد آگئی۔ میں نے اسے بلانے کا فیصلہ کر لیا اور میں بھی چٹان پر ایستادہ ہو کر اسے پکارنے لگا۔ ”کالکادیوی ہماری جانوں کی دشمن بن رہی تھی۔ تو اب صرف ماگودیوی کا وجود ہی ہمیں اس کے قہر سے نجات دے سکتا تھا۔ کالکادیوی میری یہ حرکت دیکھ کر بھڑک اٹھی اور اس نے مجھے چٹان سے دھکا دے دیا اور میں کسی تنکے کی طرح فضا میں لہراتا ہوا نیچے جا گرا۔

سنگدل اور سفاک کالکاکے ایک دھکے نے میرے اندرونی اعضا ہلا کر رکھ دیئے تھے اور فضاؤں میں میرا تیرتا ہوا بدن سنگلاخ چٹانوں پر گر کر کالج کے بت کی طرح بکھرنے والا تھا جب ایک رحمل اور گداز مچلی ہاتھوں نے مجھے تھام لیا۔ میرے حواس منتشر تھے مگر ان مہربان ہاتھوں میں پہنچتے ہی میرا سارا اضطراب ختم ہو گیا۔ وہ ماگودیوی تھی۔ اس نے ایک محافظ چٹان کی طرح میرے وجود کو تحفظ فراہم کر دیا تھا۔ اس نے مجھے آرام سے نیچے کھڑا کیا اور سرخ انگارہ سی دہکتی آنکھوں سے کالکاکو دیکھنے لگی۔ کہنے لگی۔

”تم نے مجھے پکارنے میں بہت دیر کر دی ہے لیکن اب تم نے گھبرانا نہیں ہے تمہاری ماگو آگئی ہے۔ مجھے اس سیاہ فتنہ پرور قہر زادی کا مدتوں سے انتظار تھا۔ یہ وہی مکار کالکاکہ جس نے قبیلے میں اپنی عبادت رائج کرنے کے لئے یہاں بہت سے سوانگ رچائے ہیں اگرچہ یہ مکر و فریب میں مجھ سے زیادہ طاقتور ہے لیکن تمہاری ماگو کی زوال پذیر طاقتیں بھی واپس آگئی ہیں“

میں دم بخود اس کی لالینی باتیں سنتا رہا۔ جنگل کی پراسرار دنیا کا دوسرا پرت میرے سامنے کھل رہا تھا۔ ماگودیوی سے کئی دنوں سے میرا تعلق تھا لیکن آج تک اس کی زبان سے کالکادیوی کا ذکر تک نہیں سنا تھا۔ البتہ اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے درندوں کی دہسری میں دکھائے گی جہاں ان کی پوجا کی جاتی ہے۔ موگاٹا ماگودیوی کا پرستار تھا مگر ماگودیوی کو اس کے فریب معلوم ہو گئے تھے۔ ماگودیوی کے مطابق موگاٹا درندوں کے پجاریوں میں سے ایک تھا۔ مگر اس سارے قصے میں ماگو اور کالکاک کی دشمنی کا ذکر کہیں نہیں تھا۔ البتہ موتائی کی پراسرار شخصیت جب سے سامنے آئی تھی کالکادیوی کا ذکر بھی آ گیا تھا اور آج موتائی کے بلانے پر ہی وہ قہر کا پیکر بنی میرے سامنے تھی۔

میں ماگودیوی سے کالکاکے بارے دریافت کرنا چاہتا تھا مگر اس لمحے صورتحال ایسی

تھی کہ کسی بات کا ذکر کرنا خطرات کو بڑھانے کے مترادف تھا۔ میں اس کی ہدایت پر پیچھے ہٹ گیا اور ماگود یوی اپنے جسم اور دھتکتے وجود کے ساتھ خونخوار ہو کر کاکا پر جھپٹ پڑی۔

رات کی بھیا تک سیاہی میں ہند چینی کے جنگلات کی دوپراسر اوتو میں ایک دوسرے پر برق و رد بن کر گر رہی تھیں۔ ان کی چنگاڑ سے کوہسار و جنگل پر قیامت سی برپا ہو گئی تھی۔ جنگلی پرندے اور درندے جنگل میں شور مچانے لگے تھے۔ قیامت سا شور برپا تھا۔ کاکا اور ماگو نے پورے علاقے کو میدان جنگ بنا دیا تھا اور دونوں بھیس بدل بدل کر ایک دوسرے پر کودتی رہی تھیں۔ شاید وہ ساری رات اس جنگ و جدل میں گزار دیتیں اور ان کی دہشت کے نتیجے میں سارا جنگل درندوں اور پرندوں سے خالی ہو جاتا اور خوف سے زندہ درگور ہو جاتے کہ آسمان پر آخری شب کا چاند طلوع ہونے لگا۔ اس کی دودھیا کرنوں نے جونہی میدان جنگ کے مناظر سے تاریکی کی چادر اتاری تو کاکا دلخراش انداز میں چلائی۔ میں نے اس کی یہی ایک چیخ سنی تھی وہ کسی شدید زخمی جانور کی طرح بلبلاتی ہوئی چیخی ”ماگو میں جا رہی ہوں..... لیکن میں پھر آؤں گی“

اس کے بعد یکدم سکوت چھا گیا البتہ مجھے کسی کے ہانپنے کی آواز آرہی تھی جو بدترج میرے قریب ہو رہی تھی۔ میں نے پتھر کی اوٹ سے باہر نکل کر دیکھا ماگود یوی خون میں لت پت میری طرف بڑھ رہی تھی میں اس کی طرف بھاگا تو وہ بولی ”موتائی کے پاس پہنچ جاؤ اور چاند کی روشنی میں اپنی بندوقیں اور گولیاں تلاش کرو۔ سارے جنگلی درندے باہر نکل آئے ہیں میں فی الحال انہیں بھگانے جا رہی ہوں لیکن اس دوران تم خود اپنے تحفظ کے لئے سامان اکٹھا کرو“

میں نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور موتائی کو ہوش میں لانے لگا۔ موتائی نے آنکھیں کھولیں اور مجھ پر نظر پڑتے ہی دہشت زدہ ہو گئی۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور ہر جلدی سے مائیکل کی جانب نظر اٹھائی تو میرا سینہ غم کی شدت سے پھٹ گیا۔ نوکیلے کانٹے اس کے وجود کے آ پار ہو چکے تھے اور ان سے خون بہہ بہہ کر ڈھلوان پر جم چکا تھا۔

”موتائی تیری خونی کاکا نے ہمارے مہمان کو مار ڈالا ہے“ شدت غم سے میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

وہ رات ہم نے اسی ڈھلوان پر گزاری۔ میں نے بندوقیں اور گولیاں تلاش کر لی تھیں اور صبح سویرے ہی ہم قبیلے میں واپس پہنچ گئے تھے۔ خوف و ہراس سے سہمے ہوئے تھے۔ انہیں گزشتہ رات کی جنگ و جدل کی حقیقی صورتحال معلوم نہیں تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کاکا اپنا قہر نازل کر رہی ہے۔ جب میں نے انہیں اصل بات بتائی تو پھر بھی انہیں خوف سے گھیرے رکھا۔ وہ کہنے لگے

”ہم پر دیوتاؤں کا قہر نازل ہو کر رہے گا“

”اور اس کا ایک ہی علاج ہے کہ میں اب یہاں سے چلا جاؤں“ میں نے مائیکل کی لاش کی طرف دل گرفتہ انداز میں دیکھا ”یہ خوبصورت نوجوان مجھے لینے آیا تھا اس نے تمہارے تاریک جنگل کو تہذیب کی روشنیاں دینے کا فیصلہ کیا تھا مگر خود ان تاریکیوں میں جاسویا ہے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا۔“ میں اس کی لاش کے پاس بیٹھ کر روتا رہا۔ اس بار میں نے فیصلہ کیا تھا کہ میں ہر قیمت پر واپس چلا جاؤں گا۔ پہلے تو میں نے کوشش کی کہ مائیکل کی لاش کو پیرس لے جاؤں لیکن یہ ناممکنات میں سے تھا لہذا میں نے اس دوپہر کو مائیکل کو اپنے جلمے ہوئے باڑے میں دفن کر دیا اور شام ڈھلے تک باڑے کی منڈھیر پر بیٹھا اس عالیشان باڑے کے دھندلائے ہوئے مناظر تلاش کرتا رہا جہاں میرا بچپن اور شب و روز بسر ہوئے تھے۔ موتائی میرا سایہ بن کر میرے ساتھ ساتھ تھی۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ مجھے موتائی کی موجودگی سے قدرے سکون مل رہا تھا حالانکہ میری پراسن واپسی کی ساری راہیں اس کی وجہ سے مسدود ہوئی تھیں۔ مگر میں اسے کسی قسم کا دوش نہیں دے پایا تھا۔ وہ احساس ندامت سے خود بھی پانی پانی ہو رہی تھی اور جانتی تھی کہ مجھ پر ساری مصیبتیں اس کی وجہ سے نازل ہوئی ہیں لہذا اب اسے مزید کچھ کہنا فضول تھا۔

شام ڈھلے جب ہم قبیلے میں واپس جا رہے تھے تو میرے جلمے ہوئے جھونپڑے کے پیچھے سے شیروں کا ایک جوڑا ایک دوسرے کے ساتھ کھٹکھٹا حالت میں ہماری طرف بڑھنے لگا۔ دونوں خونخوار ہو کر ایک دوسرے کی گردن کانٹے کی جستجو کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نر اور ایک مادہ تھا۔ شیرنی شیر سے زیادہ طاقتور نظر آ رہی تھی۔ شیر اگرچہ اس سے دراز قامت تھا مگر عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے شیرنی کے چابک توڑ حملوں کا بھرپور جواب نہیں دے

جاتا ہے۔

میں نے سردار سے روزی کے ٹھکانے کے بارے میں پوچھا تو وہ میرے ساتھ ہو لیا۔ قبائلیوں کے جھونپڑے سے کچھ ہی فاصلے پر روزی نے اپنے باپ کا مرقد بنایا تھا۔ سردار مجھے وہاں چھوڑ کر چلا گیا۔ روزی اپنے والد انکل جارج کی قبر کے سرہانے بیٹھی تھی۔ میں سوکھے پتوں پر چلتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو اس نے چاپ سن کر سر اٹھایا۔ روزی کا چہرہ دیکھتے ہی مجھے دھچکا لگا۔ دل میں ٹیس سی اٹھی۔

”.....تم آگئے“ وہ نقاہت سے عالم میں بولی۔ میں اس کے پاس پہنچا اور بمشکل قبر کے پاس سے اٹھایا۔

”روزی تم نے کیا حالت بنا رکھی ہے“ اس کا روشن ماہتابی چہرہ پیلا زرد ہو گیا تھا۔ آنکھیں رو رو کر سو جھبی ہوئی تھیں۔ میں اسے واپس قبیلے میں لایا اور اسے حوصلہ دیتا رہا۔ میں نے اسے سمجھایا۔

”دیکھو روزی! انکل جارج نے تمہاری جس انداز میں تربیت کی تھی اس کا تقاضا ہے کہ تم خود کو سنبھالو۔ تم جنگل کی دنیا میں رہتی ہو۔ یہاں تو انسان بھی درندے اور آدم خور ہیں۔ اگر تم ایک انسان کی موت پر ماتم کرتی رہو گی تو یہ قبائلی جو آج تم پر مہربان ہیں تمہیں کمزور دیکھ کر ختم کر دیں گے۔ ان جنگلیوں پر حکومت صرف طاقت اور دانائی سے کی جاتی ہے۔ روزی میں تمہارے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ انکل جارج کی موت کا مجھے بے حد دکھ ہے۔ دیکھو میں بھی تمہاری طرح اپنے باپ سے محروم ہو گیا تھا۔ مجھے بھی ان کے مرنے کا دکھ ہوا تھا لیکن میں نے اپنے باپ کی اس ہدایت پر پورا عمل کیا ہے کہ قبائلیوں کے سامنے خود کو کبھی کمزور ظاہر نہ کرنا۔ ان کے سامنے آنسو بہانا جرم ہے یہ لوگ آنسوؤں کی زبان نہیں سمجھتے۔ اس لئے خود کو سنبھالو“

میری باتوں سے روزی کی حالت سنبھلنے لگی۔ میں چند روز ساگنگ پھاں میں ہی رہا۔ اس دوران اس کی طبیعت اہم بشارت دوبارہ بحال ہو گئی اور اس روز میرے سامنے وہی روزی قبائلیوں کا روایتی لباس پہنے کھڑی تھی جو اس نے پہلی ملاقات کے دوران پہنا تھا۔ میں نے روزی سے شادی کر لی۔ بیس روز تک میں روزی کے پاس رہا اور پھر میں نے اسے اپنے مسائل

پارہا تھا۔ موتائی بڑی دلچسپی سے ان کی لڑائی دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک کوندی تھی۔ مگر میں نے لا پرواہی سے موتائی کو قبیلے کی طرف جانے کے لئے کہا۔ وہ بے بسی سے میرے ساتھ ہو لی مگر پلٹ پلٹ کر شیر اور شیرنی کی لڑائی دیکھتی رہی۔ ہم جنگل کے گنجان راستے پر ہو لئے۔ ہمارے عقب میں اب شیرنی کی فاتحانہ دھاڑیں سنائی دے رہی تھیں۔ موتائی جیسے اسی لمحے کی منتظر تھی۔ اس نے بھی اپنا بازو فضا میں بلند کیا اور جوش و غضب سے نعرہ بلند کیا۔ میں اس کی کیفیت بھانپ رہا تھا۔ میں نے کہا

”موتائی تو اس شیرنی سے کم نہیں ہے“ وہ بھی شاید اسی ایک جملہ کی منتظر تھی۔ اس کے چہرے پر قوس قزح کے رنگ بکھر گئے تھے۔

ہم قبیلے میں پہنچے اور اسی رات موتائی نے موتائی کو اپنی سردار بنالیا۔ میں نے اس کا نام ”کونین موتائی“ رکھا اور اسے اس کے معنی بھی بتا دیئے۔ وہ رات ہم نے شور و ہنگاموں میں گزار دی تھی اور اگلی صبح جب سارے موتائی رات بھر کی خرافات کے بعد جھونپڑوں میں اٹنے پڑے سوئے تھے۔ میں خاموشی سے اٹھا اور موتائی کو جگا کر اپنے ارادوں سے باخبر کیا۔ اسے میرے اچانک جانے کے فیصلے سے رنج تو ہوا مگر میں اب پیرس جانے پر تلا ہوا تھا۔

موتائی مجھے جنگل سے باہر تک چھوڑنے آئی تھی۔ میں نے اپنی حفاظت کا سارا سامان ساتھ رکھا تھا اور محفوظ راستوں سے ہوتا ہوا پہلی بار ساگنگ پھاں کے جنگل میں پہنچ گیا تھا۔ پہاڑوں سے نیچے ایک پتھریلی پکڈنڈی ساگنگ پھاں کی طرف جاتی تھی۔ اس سے دائیں جانب بہت نیچے آبشار بہتی تھی۔ بہت سارے جنگلی جانور آبشار کے کنارے کنارے اپنی غذا تلاش کر رہے تھے۔

میں دوپہر کے وقت ساگنگ پھاں پہنچ گیا۔ ساگنگ پھاں کے قبائلی تو جیسے میرے ہی منتظر تھے۔ انہوں نے مجھ سے مائیکل اور بوڑھے جھبی کے بارے میں دریافت کیا۔ میں نے ان کی ہلاکتوں کے بارے میں بتایا تو سب پر سوگوار طاری ہو گئی۔ میرے لئے ساگنگ پھاں قبیلے کے سردار نے بڑا جھونپڑا مختص کر دیا اور میری خدمت میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ میں نے روزی کے بارے میں دریافت کیا تو وہ بتانے لگے کہ اس نے اپنے باپ کی قبر کے پاس جھونپڑا بنالیا ہے اور اب اسی جگہ رہتی ہے وہاں سے نہیں نکلتی۔ کھانے پینے کا سامان اسے وہاں ہی پہنچایا

”میں نے اس روز ہی اپنے دل کو اس کی موت کے صدمہ کے لئے تیار کر لیا تھا جس روز اس نے جنگل کی دنیا اور درندوں کی کچھاریں دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔“

میرے وراثتی مسائل حل ہو گئے اور اس دوران مجھے پیرس کی خوشبوؤں نے اپنا متوالا بنالیا۔ میں نے وکٹوریہ سے شادی کر لی تھی اور میری ساری محسوسیں اور شامیں اس کے ساتھ بسر ہونے لگیں۔ دولت کی فراوانی تھی۔ ہم دونوں راتوں کو کسینو اور ڈانسنگ کلب چلے جاتے اس کی رفاقت میں بڑا ہی مدہوش کن سفر جاری تھا کہ تقریباً ایک سال بعد ہی مجھے شہر کی فضاؤں میں یکسانیت محسوس ہونے لگی۔ پھر ایک روز جب وکٹوریہ گھر پر نہیں تھی مجھے روزی کا خط ملا۔ اس نے لکھا تھا میں ایک بیٹے کا باپ بن چکا ہوں اور تمہارا بیٹا تمہارا منتظر ہے۔ خط خستہ لکیروں میں تحریر تھا مگر اس نے مجھے جیسے ہلا کر رکھ دیا۔ میں بے چین اور بے قرار رہنے لگا اور پھر میں نے واپس ہندوستان کے جنگلوں میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔ شہری زندگی کے معمولات نبھانا میرے لئے ویسے بھی دو بھر ہو چکا تھا۔ اس کی مصنوعی زندگی نے مجھ پر اکٹاہٹ طاری کر دی تھی۔ میں دورا ہے پر کھڑا تھا۔ میں نے نہایت خاموشی سے ساری جائیدادیں وکٹوریہ کے نام منتقل کر دیں اور ان تاریک جنگلوں میں جانے کا فیصلہ کیا جہاں میرا مستقبل روشن ہو رہا تھا۔ میرا بیٹا تاریکیوں میں کلکاریاں مار رہا تھا اور مجھے اس کے ننھے منے وجود میں اپنی روح کھینچتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وکٹوریہ آنسوؤں اور آہوں کے ساتھ مجھ سے دریافت کرتی رہی کہ میں اتنی سہانی شامیں چھوڑ کر جنگل میں کیوں جا رہا ہوں۔ مگر اسے نہ بتا سکا کہ جس شخص کو درندوں کے درمیان زندگی گزارنے کی عادت ہو چکی ہو وہ انسانوں کے درمیان زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتا۔ اس کی روح جنگل کی تاریکیوں، دھشتوں سفاکیوں اور کھلی فضاؤں میں ہی زندہ رہ سکتی ہے اور پھر میں تو اپنی ننھی مٹی کی کلکاریاں سننے کے لئے اپنی آنکھیں جہاں جا رہا تھا جہاں اب مجھے ساری عمر روزی اور اپنے بیٹے کے ساتھ گزارنی تھی۔ اور جہاں موتائی اور ماگو جیسی پراسرار ہستیاں بھی میری منتظر تھیں۔

سے آگاہ کیا اور بتایا کہ مجھے پیرس جانا ہے۔ میں نے روزی کو ساتھ لے جانے کی کوشش کی تو سانگ پھاں کے قبائلوں نے ایک عجیب و غریب بات کی۔ انہوں نے کہا کہ ہماری روایت ہے کہ سانگ پھاں کے قبیلے کی کوئی بھی عورت شادی کے بعد جنگل سے باہر نہیں جاسکتی البتہ پہلے بچے کی ولادت کے بعد وہ کسی انتہائی ضرورت کے تحت جاسکتی ہے۔ روزی چونکہ سانگ پھاں میں پیدا ہوئی تھی۔ اس کی ماں بھی سانگ پھاں کی رہنے والی تھی اس لئے وہ قبیلے کی روایت نبھانے پر مجبور ہو گئی اور مجھے اکیلے ہی پیرس جانا پڑا۔

ایک مدت بعد میں خوشبوؤں بھرے شہر پیرس میں داخل ہوا تو اپنے وطن مالوف کی ہر شے اجنبی اجنبی سی لگی۔ میں اشتیاق کے عالم میں پورے شہر میں گھومتا پھر تارہا۔ ہر شے بدل چکی تھی۔ اگر نہیں بدلی تھی تو میرے گھر کی حالت۔ بوسیدہ گھنے درختوں اور پھل پھولدار پودوں کے درمیان ایسا تادہ پرانی طرز کی خویلی کے دروہام پر اداسی بال کھولے کھڑی تھی۔ ایک لمبے کو تو مجھے اپنا گھر جنگل کا حصہ دکھائی دیا۔ گھر کے دروازے کھلے تھے۔ میں آوازیں دیتا ہوا اندر چلا گیا اور اپنے گھر کے ڈرائنگ روم کے داخلی دروازے پر پہنچ کر آواز لگائی تو ایک نازک اندام سی دوشیزہ افراتفری سے دوڑتی ہوئی سامنے آ گئی۔ وہ کسی حیرت زدہ بچی کی طرح آنکھیں جھپک جھپک کر مجھے دیکھنے لگی۔ اس نے ہاتھوں میں نوٹو فریم پکڑا ہوا تھا۔ کبھی وہ اسے دیکھتی کبھی مجھے۔ پھر والہانہ انداز میں میری طرف بڑھی اور بولی۔

”تم ولیم ہو“ میں نے اثبات میں سر ہلایا تو بولی ”میں وکٹوریہ ہوں..... کیا تمہیں یاد ہے کہ میں“

میں نے بچپن کی یادوں کی کھڑکیاں کھولیں تو رنگ برنگی یادوں سے نکھری فضاؤں میں اس ننھے منے وجود کو تلاش کرنے لگا جو کبھی میرے گھر میں میرے ساتھ کھیلا کرتا تھا۔

”ہاں مجھے یاد ہے“ میں نے کہا۔ وکٹوریہ پھولوں جیسی نازک اور حساس لڑکی تھی اور میں تہذیب و تمدن سے دور جنگلی دنیا میں پلا بڑھا خونخوار مرد..... وہ بڑی مہربان اور رکھ رکھاؤ والی تھی۔ میں سفاک اور اکھاڑ پچھاڑ کرنے والا درندہ مرد۔ مگر میری یہ سب حیوانی جبلتیں دنوں میں ہی معدوم ہو گئیں۔ وکٹوریہ نے مجھے مائیکل کے والد سے ملایا۔ میں نے اس کی ہلاکت سے آگاہ کیا تو وہ دل پر جبر کر کے بولے۔

یہ تھا ناتوا کے شیر سے میرا پہلا تعارف کمپ میں پہنچ کر دیر تک اس کے متعلق سوچتا رہا۔ میں بدلا شکاری کا دودن سے انتظار کر رہا تھا۔ شیر کی موجودگی کا کسی شخص نے مجھ سے ذکر نہیں کیا تھا۔ آدم خور کا چھپا رہنا تو یوں بھی ناممکن ہے۔ ایسی خبر جنگل کی آگ کی طرح دور دور تک پھیل جاتی ہے۔ دودن گزر گئے۔ تیسری رات اچانک گاؤں میں بھکڑ مچ گئی۔ شیر نے ایک باڑے کے ارد گرد لگا ہوا بلند جنگلا پھاند کر مویشیوں پر حملہ بول دیا تھا۔ خوفزدہ مویشی بری طرح ڈر کر رہے تھے۔ ان کی بھکڑ سے پورا گاؤں متاثر ہوا۔ رات کی تاریکی میں لوگوں کی دہشت زدہ آوازوں سے منظر اور بھی بھیاںک ہو گیا۔ اگلی صبح پتا چلا کہ شیر نے تباہی مچادی تھی۔ بہت سے مویشیوں کی کچھ خبر نہ تھی۔ گلابان بھی جو مویشیوں کی نگرانی کے لئے باہر سو رہا تھا، غائب تھا۔ تلاش بسیار کے باوجود اس کی لاش نہ ملی سارا گاؤں دہشت کی گرفت میں آ گیا۔

اسے بد نصیبی ہی کہیے کہ لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ شیر بھوت تھا۔ مگر ایسی عجیب آڑی ترچھی گہری لکیریں کسی شیر کی کبھی دیکھی نہیں تھیں۔ یقیناً بھوت تھا بھوت۔ ان کی باتیں مضحکہ خیز تھیں۔ قہقہے لگانے کو جی چاہتا تھا مگر ان لوگوں سے بھرپور تعاون حاصل کرنا مشکل ہو جاتا۔

میں دلکش مناظر کی تصویریں لینے اور پہاڑ کی ان ترائیوں کی چھان بین کرنے آیا تھا جہاں ابھی تک کوئی یورپی نہ پہنچ پایا تھا۔ صرف ایک نوکر کنبالی میرے ساتھ تھا۔ جنگل میں ہاتھی کے بغیر سفر کرنا کٹھن بھی ہے اور خطرناک بھی، چنانچہ میں نے ہاتھی لانے کے لئے آدمی بھیج دیا تھا۔ اس کے آنے میں ابھی کئی دن تھے۔

تر بیت یافتہ شکاری کی مدد کے بغیر آدمی کسی آدم خور کا سراغ لگانے اور اسے مارنے میں شاذ و نادر ہی کامیاب ہوتا ہے۔ اگلے روز شام کے وقت بدلا آ گیا۔ اس کی لال انگارہ آنکھیں غیر حاضری کا سبب بتا رہی تھیں۔ وہ چھوٹے قد اور گھٹیلے جسم کا مضبوط اور چاق و چوبند آدمی تھا۔ جنگل کے چپے چپے سے واقف، بڑا ہی پیارا شخص تھا لیکن نشے میں ہوتا تو اس کی بدمزاجی اور ضد دیکھنے کے قابل ہوتی۔

"سلام صاحب!" وہ بڑبڑایا اور الاؤ کے قریب آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ کنبالی ٹرے میں شراب لے کر آیا اور میرے پاس رکھ دی۔ "آج شراب نہیں اڑے گی۔" میں نے

شکاری کا راز

نیپال کی ترائی پیچھے رہ گئی تھی۔ میں خشک نالے کے کنارے ٹہلتا ہوا کمپ کی جانب جا رہا تھا۔ بالکل خالی ہاتھ۔ چاروں طرف گہیر سکوت طاری تھا۔ اچانک محسوس ہوا جنگل کی پرسن فضا تہ وبالا ہو گئی ہے۔ عجیب سا احساس تھا۔ بظاہر خاموشی کے سائے بدستور گہرے تھے۔ قدم خود بخود تیز اٹھنے لگے، مگر پھر میں رک گیا۔ گردن موڑ کر خشک نالے کے دونوں کناروں پر پھیلے ہوئے سنسان جنگل پر نظر ڈالی۔ خاموشی اپنا پیغام سنارہی تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ پرندوں اور جانوروں کی چوکس آنکھیں خطرے سے بے خبر ہیں۔ خطرہ جو کچھ بھی تھا اتنا بڑا یا واضح نہ تھا کہ ان کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتا۔

خشک نالے کے دونوں کناروں پر کوئی شے دکھائی نہ دی۔ میں آہستہ سے پلٹا اور جس راستے سے آیا تھا اس پر نگاہ دوڑائی۔ معاً ٹھٹھک کر رہ گیا ریت پر ایک شیر بیٹھا کنگلی باندھے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بیٹھنے اور گھورنے کا انداز اس طرح کا تھا کہ جیسے ابھی جست لگا کر ٹوٹ پڑے گا۔

وقت کی رفتار رک گئی۔۔۔ پھر درندہ تیزی سے مڑا، چھلانگ لگا کر نالہ پار کر کے جنگل میں غائب ہو گیا۔ جس راستے سے میں آیا تھا اسی پر چل کھڑا ہوا۔ قدموں کے نشان بتا رہے تھے کہ شیر میرا پیچھا دیر سے کرتا آ رہا تھا۔ یہ بے حد حیران کن بات تھی۔ چوروں کی طرح پیچھا کرنا چیتے کی خصلت ہے۔ شیر کبھی ایسا نہیں کرتا۔ شیر کے اگلے دونوں تلوے ریت پر آڑی ترچھی، مگر گہری لکیریں بنارہے تھے۔ ایسے نشان قدم، میرے دیکھنے میں کبھی نہ آئے تھے نہ ان کی کوئی توجیہ سمجھ میں آتی تھی۔

ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے اعلان کیا۔ "شیر نے ایک آدمی مار ڈالا ہے اور ہمیں کل خاصا کام کرنا ہوگا۔"

بدلانے میری جانب تیکھی نظر سے دیکھا میں اردو سنانے لگا۔ اتنے میں گاؤں کا مکیا آگیا۔ آتے ہی بولا۔ "گمشدہ آدمی آگیا ہے شیر نے اس کا تعاقب کیا تھا مگر وہ بھاگ نکلا اور ایک دور کے گاؤں میں جا کر رکا۔ اور اب لمبا چوڑا چکر کاٹ کے واپس آگیا ہے۔" کہانی بالکل لغو معلوم ہوتی تھی کہ شیر کے تعاقب کا مقصد صرف ایک ہوتا ہے اور بہت کم لوگ کہانے سنانے کے لئے زندہ بچ سکتے ہیں۔

یہ لوگ قلی تھے۔ کھیا چلا گیا۔ تو بدلہ نے وضاحت کی۔ "ہانکا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ البتہ درندے کو بنجرے میں پھانسنے میں بڑی مدد دے سکتے ہی۔ یوں بھی یہ کام شکار سے کہیں آسان ہے۔"

بدلا کی یہ تجویز مجھے بہت پسند آئی۔ اس کا اپنا پیشہ یہی تھا۔ وہ جانور پکڑ کر چڑیا گھروں سرکسوں کو مہیا کرتا تھا۔ بدلا صبح سویرے کمپ پہنچ گیا، ہم پھندا لگانے کی تجویز پر غور کرتے رہے۔ اس مقصد کے لئے جو چیزیں درکار جنگل میں وافر تھیں سبز بانس اور چھال کے مضبوط تھے۔ ان کی مدد سے ایک ایسا بنجرہ تیار کر سکتا تھا جس میں پھنسنے کے بعد کوئی جانور باہر نہیں نکل سکتا تھا ضرورت تھی تو گاؤں کے ایک شخص کی جو اس کا ہاتھ بٹائے اور ایک کٹڑے کی جسے چارے کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔

میں نے اسے تنہا چھوڑ دیا تاکہ اپنی مرضی کے مطابق انتظامات کر سکے۔ وہ پورے چوبیس گھنٹے اپنے کام میں منہمک رہا۔ اگلے روز منہ اندھیرے ہی اس نے مجھے آجگیا۔ میں نے جلدی جلدی کپڑے پہنے، بھاری رانفل ہاتھ میں لی اور اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ وہ بڑے تیز قدم اٹھا رہا تھا۔ بعض اوقات اس کا ساتھ دینے کے لئے مجھے لمبے لمبے ڈگ بھرنے پڑے۔ نالے کے کنارے پہنچے تو سورج نکل آیا تھا اور پوری کائنات میں زندگی کی روح دوڑنے لگی تھی۔ بنجرہ بڑی مہارت کے ساتھ کیمو فلاج کر کے نالے کے بالکل کنارے پر رکھا تھا۔ قریب جا کر دیکھا بنجرے کا دروازہ بند تھا۔

"شاباش"، میں نے بدلا کو مبارکباد دی۔ لیکن میری مسرت عارضی تھی بنجرہ خالی

دروازے کے نیچے کنارے پر بالوں کا گھچا چمٹا ہوا تھا۔ غالباً شیر نے کھوج لگانے کے لئے اپنا پنجہ، پنجرے کے دروازے پر رکھا تو کھال اڑھڑ کر دروازے سے چپک گئی۔ میری نظر میں یہ معمولی سی بات تھی لیکن بدلہ اس سے بری طرح متاثر ہوا۔

اس کا رنگ فق ہو گیا۔

"پریشان کیوں ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ریگ کر پنجرے میں داخل ہو۔ کٹڑے کو نکالا اور پھر کمپ کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں اس نے بات کی نہ میں نے ہی کچھ پوچھا۔ مجھے پتا تھا ایسے حالات میں بدلا کی خاموشی صرف اس وقت ٹوٹی ہے جب وہ کمپ کے الاؤ کے پاس بیٹھا وکی کے جام لٹدھاتا اور اس کے تند و تیز نشے میں زمین اور آسمان کی ہانکتا ہے۔

بدلا دن بھر گرم صم رہا۔ رات الاؤ کے گرد محفل جمی تو اس نے وکی مانگی۔ میں نے فوراً دے دی۔ مجھے امید تھی زبان میں پڑی ہوئی گرہ اب کھل جائے گی۔ کچھ دیر بعد وہ نشے کی ترنگ میں اناپ شناپ کہنے لگا۔ میری سمجھ میں بس ایک جملہ آکا، شیر نے میرا ناتوا تک پیچھا کیا۔ وہ بار بار یہی جملہ دہراتا۔ میرا برا حال تھا۔ ایک ہی بات سنتے سنتے کان پک گئے۔ تنگ آکر کچھ کہنے کو تھا کہ وہ سر ہلاتے ہوئے بول اٹھا۔ "رنجیت کو میں نے نہیں مارا تھا۔" غیر متعلق بات سن کر میں نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آتا تھا۔

"بات جاری رکھو" میں نے بڑی نرمی سے کہا۔ وہ بیوقوفوں کی طرح آنکھیں الاؤ پر گاڑے بیٹھا رہا۔ پھر اٹھا اور لڑکھڑاتا چلا گیا۔ صبح سویرے پتا چلا بدلا غائب ہے۔ خبر خاصی پریشان کن تھی۔ دن چڑھے ایک لڑکا آیا اور اطلاع دی کہ شیر نے گاؤں کے باہر ایک آدمی مار ڈالا ہے۔ کہیں وہ بدلا ہی تو نہیں؟ میرے ذہن میں سوال ابھرا۔ لڑکے سے تفصیل پوچھی تو وہ بتا نہ سکا۔ میں بھاگ بھاگ موقع واردات پر پہنچا وہ گاؤں کا چوکیدار نکلا۔ بیچارہ مویشیوں کے باڑے کے قریب گھڑ بنے پڑا تھا۔ کھوپڑی کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے تھے۔ باقی جسم پر کوئی نشان نہ تھا۔ طریق واردات نے ایک بار پھر مجھے حیرت میں ڈال دیا۔ بچوں کے نشانات کا جائزہ لیا تو نشان دار تلوؤں نے پوری داستان ٹھیک ٹھیک بیان کر دی۔ چوکیدار حسب معمول گشت پر نکلا۔ جونہی باڑے کے پاس پہنچا شیر سے بڑبھیر ہو گئی۔ جو باڑے کے ارد گرد مویشی اچک لے

جانے کے لئے منڈلا رہا تھا۔

شیر کے طور اطور حیران کن تھے لیکن اس میں آدم خور ہونے کی بھی کوئی علامت نہ تھی۔ آدم خور ہوتا تو چوکیدار کی لاش اٹھا کر لے جاتا۔ گاؤں والوں نے شور تک نہ مچایا۔

لاش کے ارد گرد بھڑنگی تھی۔ ایک طرف بدلا بھی کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ آگے بڑھا میری آستین کھینچی اور ایک طرف لے جا کر بولا۔

"شیر زیادہ دور نہیں گیا ہوگا۔ صاحب مجھے رائفل دیجئے ہم اس کا کھوج لگائیں گے۔" یہ بے کاری بات تھی۔ چوکیدار کو مرے کئی گھنٹے ہوئے تھے۔ تاہم اس مرحلے میں کوئی بھی اقدام کرنے کو آمادہ تھا چنانچہ فوراً تیار ہو گیا۔ زخمی شیر شاذ و نادر ہی ہاتھ آتا ہے۔ مگر مجھے امید تھی کہ بدلا کی معیت میں تعاقب کرنے سے بہت سی نئی باتیں سیکھنے کو آئیں گی۔ بعد میں اندازہ ہوا کہ میرا یہ فیصلہ غلط تھا۔

راستہ اونچے اونچے جھاڑ جھنکاڑ میں سے گزرتا تھا۔ جونہی ہم ان جھاڑیوں میں سے گزر کر نالے کے کنارے پہنچے۔ میں نے دیکھا شیر بڑے اطمینان سے جنگل کی طرف جا رہا ہے۔ رائفل ابھی تک میرے کندھے پر لٹکی ہوئی تھی۔ کندے سے اتاری تو وہ بگسٹ بھاگ کھڑا ہوا۔ آگے نالہ موڑ کھار ہا تھا۔ ایک لمحے کی تاخیر بھی ہو جاتی تو وہ موڑ مڑ جاتا۔ میں نے ٹریگر دیا یا اور گولی کی آواز گونجی۔ شیر لڑکھڑایا اور پھر آنکھوں سے اوچل ہو گیا۔

مجھے اپنے آپ پر بڑا غصہ آیا۔ بغیر تیاری کے کسی کام میں ہاتھ ڈالنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ میں نالے کے پستے پر بیٹھ گیا اور صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے کچھ پتا نہ چل سکتا تھا۔ شیر صرف زخمی ہوا ہے یا گولی کاری لگی ہے۔ زخمی شیر دنیا کا انتہائی خطرناک جانور بن جاتا ہے۔ ادھر بدلا سخت بدحواس تھا۔ ہم دونوں نے مل کر کئی بار زخمی درندوں کا پیچھا کیا تھا۔ لیکن آج وہ نہ جانے کیوں متاثر تھا۔ گولی کی آواز سن کر بہت سے دیہاتی ہمارے ساتھ آملے میں نے ایک شخص کو کنبالی کے پاس بھیجا کہ وہ پانی کی بوتلیں کھانا اور دور بین لے آئے۔ قاصد چلا گیا۔ تو بدلا سے کہا

"ہمیں بڑا مشکل کام درپیش ہے۔ اس شیر کے متعلق جو بھی ضروری بات تم جانتے ہو بے کم و کاست بیان کر دو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں مگر میں بتاؤں کیا؟ آپ تو پہلے ہی سب جانتے ہیں۔" "خوب" میں نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ تم نے کیوں کہا تھا کہ اس شیر نے میرا پیچھا کیا تھا۔ پھر اس کے تلوؤں کے نشان کیسے ہیں۔ رنجیت کون ہے جسے تم نے قتل نہیں کیا ہے؟"

وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ غالباً سوچ رہا تھا مجھے رنجیت وغیرہ کے متعلق کیسے پتا چل گیا۔ اسے کیا خبر تھی شراب کے نشے میں وہ کیا کچھ بانگ جاتا ہے۔ خاموشی طویل پکڑنی لگی لیکن میں بڑے صبر سے اس کے جواب کا منتظر رہا۔ میں سچ اگلوانے کا تہیہ کر چکا تھا۔

"یہ شیر جب بچہ تھا میں نے اسے پکڑ لیا۔" آخر اس نے کہنا شروع کیا۔ "اس زمانے میں کریم گنج میں ایک عکس ہوا کرتا تھا۔ رنجیت اس سرکس کا مالک تھا میں شیر کا بچہ اس کے پاس لے گیا اس نے آدمی رقم مجھے اسی وقت دے دی۔ اور کہنے لگا جب تک یہ بڑا نہیں ہو جاتا یہیں میرے ساتھ رہو اور اسے سدھاؤ اجرت بھی خاصی معقول پیش کی تھی۔ میں رنجیت کے پاس کئی مہینے رہا لیکن اس نے باقی ماندہ رقم مجھے نہ دی۔ جب بھی مانگتا وہ مجھے شراب پلا دیتا اور کہتا انتظار کرو، جانور تو سدھ جائے۔"

بدلا اس نے بڑی نفرت سے تھوکا اور بولا شیر جوان ہو گیا تو میں نے پھر رقم کا مطالبہ کیا۔ سرکس والوں کے ساتھ رہتے ہوئے میرا دل اچاٹ ہو چکا تھا۔ اور میں جلد از جلد اس زندگی سے چھٹکارا چاہتا تھا۔ رنجیت نے جواب میں مجھے گالیاں دیں۔ لوگ کہتے ہیں میں نے اسے مار ڈالنے کی دھمکی دی تھی۔ لیکن اس بات میں ذرا بھی صداقت نہیں پھر اس کو کس نے مارا میں نے دریافت کیا۔

صاحب اس رات میں نے بڑی شراب پی لی تھی۔ شاید لائین الٹ گئی اس لئے میری آنکھ کھلی تو بڑے خیمے میں شعلے اٹھ رہے تھے۔ شیر کے پنجرے کی سلاخیں گرم ہو چکی تھیں۔ میں نے اسے بڑی مشکل سے نکالا اس کے تلوؤں کے نشان جو ہیں وہ انہی گرم سلاخوں کے ہیں۔ ہر طرف افراتفری مچی ہوئی تھی۔ میں جنگل کی طرف بھاگ گیا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ لوگ آگ لگانے کی ذمہ داری میرے سر تھوپ دیں گے۔ مجھے اس وقت معلوم نہ تھا کہ رنجیت مر چکا ہے۔ شیر میرے پیچھے پیچھے چلا آیا وہ بڑی مدت میرے ساتھ رہا ایک روز اسے اپنا

جیون ساتھی مل گیا اور پھر کبھی دیکھنے میں نہ آیا یہ ہے ساری روداد صاحب!"

کہانی بالکل سادہ سی تھی۔ میں نے یادداشت پر زور دیا، سرکس کو آگ لگنے کی خبر میری نظر سے گزری تھی مگر صحیح تفصیل یاد نہ آئی۔ کنبالی مطلوبہ چیزیں لے کر آیا تو اس نے بھولے ہوئے واقعات بیان کئے۔

بدلا کہنے لگا "میں تو کمپ جا رہا ہوں کھانا وہیں کھاؤں گا۔" وہ چلا گیا تو میں نے کنبالی سے پوچھا "تمہیں یاد ہے کہ کریم گنج میں ایک سرکس کو آگ لگ گئی تھی؟" "ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" اس نے جواب دیا "سرکس کا مالک مردہ ملا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ اس کو قتل کیا گیا ہے۔ پولیس نے بہت سے لوگوں سے پوچھ گچھ کی مگر کسی چیز کا ثبوت نہ ملا۔"

"یہ بھی جانتے ہو، بدلا وہاں ملازم تھا۔" میں نے دریافت کیا۔ "ہر شخص جانتا ہے صاحب! لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ شیر نے رنجیت کو بدلا کے حکم پر ہلاک کیا تھا۔ پھر بدلا نے خیمے کو آگ لگا دی تا کہ پتہ نہ چل سکے رنجیت کو کس نے مارا ہے۔ بدلا آپ کا دوست تھا اس لئے پہلے میں نے تذکرہ نہ کیا۔ اب کہ شیر زخمی ہو گیا ہے۔ آپ اس کے ساتھ مل کر تعاقب نہ کریں۔ مجھے آپ کی زندگی خطرے میں نظر آتی ہے۔" "واہیات مجھے کیا خطرہ ہو سکتا ہے؟ میں نے تنک کر کہا۔" پھر اور کوئی چارہ بھی تو نہیں۔"

"ان جنگیوں کا ذہن کون پڑھ سکتا ہے؟" کنبالی نے کہا۔ "مشہور ہے بدلا کے جنگلی جانوروں کے ساتھ بڑھے گھرے تعلقات ہیں۔ پھر شیر یہ تو پالا ہی اس نے تھا۔ کوئی دن کی بات ہے۔ وہ گاؤں والوں سے مطالبہ کرے گا مجھے حفاظتی ٹیکس دو دور نہ شیر سے مروادوں گا۔"

"میں سمجھ گیا قصہ کیا ہے۔" کنبالی بدلا سے نفرت کرتا تھا۔ میں نے بہت سے ہندوستانیوں کو اس پر نکتہ چینی کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ کہتے تھے بدلا ایک پراسرار قوت کا مالک ہے۔ اور وہ اسی قوت سے جنگلی جانوروں کا شکار کرتا اور انہیں پنجروں میں پھنساتا ہے۔ بات دراصل یہ تھی کہ بدلا گنج قوم سے تعلق رکھتا تھا اور انہی ذات والے اس سے خا رکھاتے تھے۔ ہم ابھی باتیں کر رہے تھے کہ بدلا واپس آ گیا۔ اس کا طرز عمل بڑا ہی عجیب تھا میں

سوچنے لگا کنبالی نے جو کچھ بھی کہا تھا کہیں سچ تو نہیں ہے؟

زخمی شیر کا تعاقب آسان نہیں دل ہر وقت ہول کھاتا رہتا ہے۔ اس لئے زخمی درندہ خطرناک ہی نہیں عیار بھی ہوتا ہے۔ وہ جنگل میں سفر کرنے یا خود اس کا پیچھا کرنے والوں پر اپنی کمین گاہ سے کسی وقت بھی نکل کر حملہ کر سکتا ہے۔ میں جب شیر کے تعاقب پر روانہ ہوا تو میرے دل میں شیر کا خوف ہی نہ تھا۔ بلکہ اپنے ساتھی کے متعلق بے اطمینانی تھی۔

پہلے شیر کا سراغ لگاؤ اور پھر زہن اجازت دے تو اس سے خاصی بلندی پر گھات میں بیٹھ جاؤ۔ یہ ہے شیر کے شکار کا اصول۔ شیر کے نقوش قدم واضح تھے۔ چنانچہ بہت آسانی سے پیچھا کیا جاسکتا تھا۔ البتہ جہاں راستہ کھلے جنگل سے گزرتا تھا وہاں خاصی احتیاط کی ضرورت تھی۔ بدلا بڑی مہارت سے کھوج لگاتے ہوئے چل رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ معلومات فراہم کرتا جا رہا تھا۔ گولی شیر کی بائیں ٹانگ میں لگی ہے۔ ذرا سا رخ بدل جاتا تو دل یا پھیپڑوں میں جا لگتی۔ اور وہیں گر کر دم توڑ دیتا۔ اسی طرح گولی پیٹ میں بھی داخل نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگلی ہوئی خون آلود غذا کہیں دکھائی نہ دی۔ بدلا کی دی ہوئی معلومات بہت مفید تھیں۔ آہستہ آہستہ اس پر میرا اعتماد بحال ہو گیا۔

اب ہم جنگل کے گہرے گھنے حصے میں سے گزر رہے تھے۔ شیر کے چھپنے کا جس جگہ بھی امکان تھا وہاں پہلے پتھر وغیرہ پھینکتے، پھر بدلا درخت پر چڑھتا اور چند قدم آگے رانقل لے کر بیٹھ جاتا۔

اچانک کہیں سے چیتل کی دہشت بھری آواز بلند ہوئی پھر بندر چیخنے لگے۔ شیر کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ وہ ابھی زندہ تھا۔ البتہ آہستہ آہستہ چل رہا تھا۔ ایک جگہ خون آلود زمین دکھائی دی۔ معلوم ہوتا تھا وہ یہاں تھوڑی دیر تک لیٹا رہا ہے۔ میں نے دیکھا بدلا کارنگ بدل گیا ہے۔ ہم آگے بڑھتے رہے۔ پھر جھاڑیوں کا جھنڈ دکھائی دیا۔ جو کسی بھی زخمی شیر کی بہترین کمین گاہ کا کام دے سکتا تھا۔

"اب کیا کیا جائے۔" میں نے بدلا سے پوچھا۔

"آپ اس طرف چلے جائیں۔ اس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میں ادھر نظر دوڑائی۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں پچھلے سال آگ لگ گئی تھی۔ اور دور دور تک پھیلے ہوئے درخت جل

”صاحب یہ وہیں رہتا ہے۔“

ابھی میں کچھ فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ کسی بھاری بھر کم چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ بدلا
نے پتھر پھینکا تھا۔ گدھ آواز سن کر فضا میں منڈلانے لگے۔ ان کے کھانے پر دست درازی کی
جاری تھی۔ چنانچہ اب وہ فضا سے اس کی نگرانی کر رہے تھے۔ ایک بڑا سا پتھر آیا اور ندی میں

”صداقت نہیں کچھ اور۔۔۔۔۔ ایسے شیر کو بجانا چاہتے تھے جو ایک آدمی کو مار چکا تھا۔“

میں نے کہا۔

حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ”صاحب یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میں تو آپ کو بچانا چاہتا تھا۔ شیر کو نہیں“

دن بھر ہم ایک دوسرے پر اعتراض کرتے رہے۔ آخر کار میں نے کہا ”بدلے اب ہمیں سچ بات کہہ دینی چاہیئے۔“

”اس شیر کو میں نے تربیت دی تھی صاحب!“ اس نے کہنا شروع کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ اسے میں نے حکم دیا تھا کہ وہ رنجیت کو مار ڈالے۔ مجھے یہ بھی خبر نہیں کہ اگر یہ نانتوا آیا تو گاؤں والے کہیں گے یہ ابھی تک میرے قابو میں ہے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ آپ کی جان خطرے میں ہو اگر وہ آپ کو مار ڈالتا۔ تو میری زندگی ختم ہو جاتی، اس لئے فیصلہ کیا کہ یا تو خود اسے مار ڈالوں گا۔ یا کسی ایسی جگہ ہانک دوں گا۔ جہاں یہ خود بخود مر جائے۔“

میں نے آخری سوال پوچھا۔ ”کیا تمہارا یہ خیال نہیں کہ شیر یہاں تمہارے ساتھ آیا تھا؟“

”کسے خبر ہے صاحب“ اس نے کندھے ہلاتے ہوئے کہا ”میں نانتوا آپ سے ایک روز پہلے پہنچا تا کہ تمام انتظامات قبل از وقت کئے جائیں۔ لیکن جب میں نے شیر کے قدم دیکھے تو ڈر گیا اور گاؤں سے باہر ہی رہا۔ مجھے بڑی حیرت تھی کہ شیر یہاں کیسے پہنچ گیا ہے۔ میرا خیال تھا کہ یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔ لیکن آخر ہے تو درندہ کون کہہ سکتا ہے کس وقت کیا کرے گے؟“

چند ماہ بعد میری ملاقات کریم گنج کے پولیس انسپکٹر سے ہوئی قدرتاً میں نے اس سے سرکس کی آگ لگنے کی روداد پوچھی۔

”رنجیت کو شیر نے مارا تھا۔“ اس نے مجھے بتایا۔ ممکن ہے بدلہ نے درندے کو چھوڑا ہو یا ٹھیک طرح سے دروازہ بند کرنا بھول گیا ہو۔ چونکہ یہ ثابت نہ ہو۔ کا کہ خیمے کو جان بوجھ کر آگ لگائی گئی تھی نہ کوئی عینی شہادت ہی تھی۔ اس لئے وارنٹ جاری کرنا انصافی تھی۔ شخصی طور پر مجھے یقین ہے بدلا پنجرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولا تھا۔ میرے خیال سے تو معاملہ کچھ اس قسم کا تھا۔ بدلہ درندے پکڑنے اور سدھانے میں سجد ماہر ہے۔ رنجیت نے اس کی خدمات تو

حاصل کر لیں مگر اس کی اجرت ادا کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا اور نشے کی عادت سے فائدہ اٹھاتا رہا۔ خیمے میں آگ لگی تو بدلہ نے پنجرے کا دروازہ کھول دیا۔ اتنے میں رنجیت بھی وہاں پہنچ گیا دونوں میں تو تو میں میں ہوئی اور پھر وہ گتھم گتھا ہو گئے۔ شیر نے اپنے سدھانے والے کورنجیت کی گرفت میں دیکھا تو اس پر حملہ کر کے اس کو مار ڈالا۔“

شیر کا قصہ تو تمام ہو گیا مگر مجھے ہمیشہ اس بات کا افسوس رہا کہ ایک سدھا ہوا جانور دو انسانوں کی باہمی رنجش کا شکار ہو گیا۔

(پیٹر ہال)

سے لوٹ رہی تھی کہ ایک دھاری دار شے اس پر چھٹی اور پھر اس کا کچھ پتہ نہ چلا۔

یہ دھاری دار شے کیا تھی، میں عجیب غمخے میں پڑ گیا۔ یہاں اس حملے کے شیر نہیں پائے جاتے تھے، پھر یہ کس شیطان کی کارستانی تھی؟ ہو سکتا ہے گھنے جنگلوں میں بسنے والے کسی وحشی کی شرارت ہو۔ وہ بھی تو اسی قسم کا رنگارنگ لباس پہنتے ہیں۔ ایک کے بعد دوسرا خیال اٹھا چلا آ رہا تھا اور یوں خیالات کا تیزی سے بہتا ہوا دھارا غیر واضح صورتحال کی نوکیلی چٹانوں سے سرخ کر رہا جاتا۔ آخر اس گومگو حالت کو ایک جھر جھری لے کر میں نے جھٹک دیا اور پہلے سے طے کردہ مہم پر جانے کا فیصلہ کر لیا۔

ہمیں شیر کا پیچھا جس علاقے میں کرنا تھا، وہ زیادہ گھنے جنگلات پر تو مشتمل نہ تھا، تاہم اس میں کہیں کہیں سایہ دار گھاس کے قطعے پائے جاتے تھے۔ ایسے قطعے جنگلی جانور بے حد پسند کرتے ہیں۔ ہم نے خاصی سوچ بچار کے بعد اندازہ لگایا کہ شیر گھاس کے کسی ایسے ہی قطعے پر محو استراحت ہو گا یا پھر جلد یا بدیر وہاں پہنچ جائے گا۔ یہاں ٹھنڈی اور گھیری چھاؤں کے علاوہ خنک پانی کی ایک جھیل بھی تھی جہاں شیر اپنی پیاس بجھا سکتا تھا۔

اس مہم میں کل پچاس آدمی میرے ساتھ تھے۔ ان کے غیر معمولی جوش و خروش کو دیکھ کر مجھے کامل یقین تھا کہ شیر ضرور دردناک انجام سے دوچار ہوگا، لیکن کبھی کبھی ان کے اناڑی پن کا خیال آتا، تو رواں رواں کانپ اٹھتا۔ آخر وہی ہوا جس کا مجھے خدشہ تھا۔

جنگل میں داخل ہوتے ہی ان لوگوں نے عجیب و غریب حرکتیں شروع کر دیں۔ انہوں نے بندوقیں یوں پکڑ رکھی تھیں کہ ان کی نالی کا رخ کسی نہ کسی کی گردن کی طرف تھا۔ ذرا سی گھبراہٹ یا جوش کے عالم میں وہ لہلی دبا کر خوفناک صورتحال پیدا کر سکتے تھے۔ میں نے انہیں بمشکل سمجھایا کہ وہ بندوقیں احتیاط سے پکڑیں اور دوسروں کے لئے خطرہ نہ بنیں۔ پھر میں نے حکم دیا کہ وہ بکھر کر چلیں یا بڑے سے نیم دائرے کی صورت میں ہٹکا دیا کرتے ہوئے گھاس کے قطعے کی طرف بڑھیں۔ چنانچہ وہ ادھر ادھر بکھر گئے اور دائرے کی شکل میں جنگل کا کونہ کونہ

راجیوا کا شیطان

حقیقت ہمیشہ تلخ ہوا کرتی ہے اور حقیقت کا اعتراف تلخ تر..... لیکن مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میری موجودہ مہم کا آغاز ایک جانکاہ الیے سے ہوا۔ میں کچھ تو گزشتہ کالیانی کے نشے میں محوور تھا اور کچھ ننھی بچی کی موت کے جانکاہ حادثے سے حواس باختہ۔ سچی بات یہ ہے میں غم و غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ ہر وقت اسی سوچ میں رہتا کہ ان شیطان صفت درندوں کو موت کے گھاٹ کس طرح اتاروں۔

میں نے مانا کہ افریقی جوان نیزہ بازی اور تیر اندازی میں بلا کے مشاق تھے اور بعض توڑے دار بندوقیں بھی چلانا جانتے تھے، لیکن یہاں ان کا مقابلہ کسی انسانی لشکر سے نہیں درندوں سے تھا۔ ایسے معاملوں میں نیزہ بازی اور تیر اندازی میں مہارت بعض اوقات دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ اس کے باوجود میں ان تدبیروں میں مصروف تھا اور تقدیر کھڑی مسکرا رہی تھی۔

ابھی تیاریاں مکمل نہ ہو پائی تھیں کہ ایک نو جوان عورت کے پراسرار طور پر لاپتہ ہو جانے کی خبر ملی۔ جس مقام پر یہ حادثہ پیش آیا، وہ ہم سے پانچ میل دور تھا اور راجیوا اور اگاوا گاؤں کے درمیان واقع تھا۔ صلاح یہ ٹھہری کہ پہلے بچی کو اٹھالے جانے والے شیر کو ٹھکانے لگایا جائے، پھر دوسری جانب توجہ کی جائے، کیونکہ ممکن ہے عورت کی گمشدگی کا سبب کچھ اور ہو اور وہ آدم خوروں کا شکار نہ ہوئی ہو۔ ویسے ایک عینی شاہد کا کہنا تھا عورت شام کے وقت کھیتوں

چھاننے لگے۔ وہ اپنی حرکتوں سے اب بھی باز نہ آئے۔ جونہی کوئی جانور دیکھتے، جھٹ بندوق داغ دیتے۔ میں نے سوچا ہکا و منسوخ کر کے واپس چلا جاؤں اور پھر خود تنہا شیر کو تلاش کروں، لیکن عام لوگوں کے لعن طعن سے ڈر کر ایسا نہ کر سکا۔

ابھی ہم تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ شیر ایک گھنی جھاڑی سے نکل کر بھاگ کھڑا ہوا۔ ہر طرف افراتفری مچ گئی۔ چاروں طرف سے توڑے دار بندوقیں چلے لگیں۔ دھماکوں سے سارا جنگل لرزا اٹھا۔ تیز دھوپ اور دھوئیں کی کثیف چادر نے ہر شے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اس کے پیچھے معرکہ رہتا خیز گرم ہو گیا۔

شیر بدحواس ہو کر ادھر ادھر بھاگ رہا تھا۔ ایک بار تو صرف تین گز کے فاصلے سے گزر گیا۔ وہ مجھے آتے ہوئے دکھائی نہ دیا، ورنہ بچ کر نہ جاتا۔ قریب سے جو دیکھا، تو پتہ چلا کہ وہ شیر نہیں بوڑھی شیرنی ہے۔

شیرنی خاصی مضحک سی دکھائی دے رہی تھی۔ غالباً کئی دن سے کوئی انسان اس کے ہتھے نہ چڑھا تھا، پیشانی پر گہرے گھاؤ کا نشان تھا۔ اس کا اگلا دایاں پاؤں بمشکل زمین کو چھو رہا تھا۔ انہی اسباب کی بنا پر وہ عام جنگلی جانوروں کا شکار کرنے کے قابل نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس نے آدم خوری شروع کر دی تھی۔ اکثر درندے کسی جسمانی عارضے کے باعث مردم خوری پر اتر آتے ہیں۔ ایک بار انسانی خون منہ کو لگ جائے، تو پھر کسی جانور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔

یہ سوال مجھے اکثر پریشان کرتا رہا تھا کہ آخر انسانی خون یا گوشت میں وہ کون سی خصوصیت ہے جس کے باعث آدم خوری کی عادت چھٹنے نہیں پاتی۔

اس کا تسلی بخش جواب مجھے ڈاکٹر لیوس نے دیا۔ وہ مدت تک افریقہ کے مختلف حصوں میں طبی خدمات سرانجام دیتا رہا تھا۔ اس کا سابقہ مردم خور وحشی قبائل سے بھی پڑا۔ وحشی، اجنبی مسافروں کو پکڑ لیتے، عجیب و غریب رسوم ادا کرتے اور چٹ کر جاتے۔ انہی میں

سے ایک وحشی نے ڈاکٹر لیوس کو بتایا کہ انسانوں اور جانوروں کے گوشت میں امتیاز اس وقت ہوتا ہے جب اسے پکاتے ہیں۔ جانوروں کا گوشت بے جان شے کی طرح ہنڈیا کی تہہ میں پڑا رہتا ہے، جبکہ انسانی گوشت اعلیٰ ہوئے پانی کے ساتھ ساتھ اوپر نیچے حرکت کرتا ہے۔ یہ حرکت اس کی زندگی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان مر کر بھی صحیح معنوں میں مردہ نہیں کہلا سکتا۔ یہی امتیاز انسانی گوشت کو منفرد ذائقہ بخشتا ہے۔

بہر حال شیرنی کے یوں صاف بچ نکلنے پر مجھے بے حد افسوس ہوا۔ میں نے دل ہی دل میں اپنے آپ کو اس غفلت کوٹی پر کوسا اور پھر عہد کیا کہ اگر اب شیرنی نظر آ گئی تو زندہ جانے نہ دوں گا۔ ایک طرف میری یہ حالت تھی، دوسری جانب دھماکوں اور ہنکاوے سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ فضا بھی دھوئیں کی وجہ سے زہریلی ہو چکی تھی۔

اچانک دھوئیں کے پردے میں ایک خونیں منظر دکھائی دیا۔ شیرنی ایک شخص کو دبوچے میری طرف بڑھ رہی تھی۔ موت و حیات کی کشمکش میں گرفتار شخص دلدوز چیخیں بلند کر رہا تھا۔ خون کا فوارہ سا اس کے جسم سے پھوٹ رہا تھا۔

شیرنی صرف پانچ گز دور آ چکی تھی۔ بڑا ہی خطرناک لمحہ تھا۔ میں نے فوراً خیالات کو جھٹکا اور نئی رائفل سے نشانہ باندھا۔ قبل اس کے کہ وہ مجھ پر جھپٹتی، میں نے البلی دبا دی۔ شیرنی کی کھوپڑی پاش پاش ہو گئی۔ میں نے دوسرا فائر کیا، شیرنی چند لمحے تڑپی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹھنڈی ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد دھوئیں کا کثیف پردہ چھٹ گیا، تو پتہ چلا کہ شیرنی مرنے سے پہلے بہت بڑی قربانی وصول کر چکی ہے۔ پانچ ہٹے کئے افریقی جوان ایک دوسرے کی گولیوں کی زد میں آ کر دم توڑ چکے تھے اور دس آدمی سخت مجروح ہو گئے تھے اور ایک آدمی شیرنی کے ہتھے چڑھ کر زندگی کے بارگراں سے سبکدوش ہو چکا تھا۔

شیرنی کے مرنے کی خبر آنا فانا مضافات میں پھیل گئی۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے

سے انتقام لیا ہے۔ ان کی گونا گوں باتیں سخت حوصلہ شکن تھیں، لیکن میں نے تہیہ کر لیا کہ میں مارشل کی موت کا بدلہ لوں گا اور ان ”بدروحوں“ کو ختم کر کے چھوڑوں گا۔

راجیو میں اس سے پہلے بھی ایک عورت پر اسرار طور پر لاپتہ ہو چکی تھی۔ میں نے دونوں وارداتوں کے ڈانڈے ایک دوسرے سے ملانے شروع کر دیئے۔ مارشل کے جسم پر جو بال چپکے ہوئے تھے، ان سے یہی پتہ چلتا تھا کہ دھاری دار شے کوئی جنگلی درندہ ہے، وحشی انسان نہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی دیگر باتیں ظاہر کرتی تھیں کہ اس دھاری دار شے کا انسانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ان بدروحوں کا قلع قمع کرنے کے لئے میں ہر حربہ آزمانے کے لئے تیار تھا حتیٰ کہ اب جادو ٹونے کے استعمال پر بھی اتر آیا۔ میری یہ ذہنی تبدیلی حالات کے بغور مطالعے کے بعد عمل میں آئی۔ اگرچہ آپ حیران ضرور ہوں گے۔

جادو ٹونے کو محض توہم اور غیر عقلی قرار دے کر اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے بعض اوقات بڑے بڑے کرشمے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ اسی قسم کا ایک دلچسپ واقعہ 1938ء میں وسطی ٹانگانیکا کے ضلع نیانی میں پیش آیا۔ نیانی ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن ہے، اس کے علاوہ اس کی کوئی اہمیت نہیں، لیکن مذکورہ سال کے اواخر میں ایک شخص کوادوی نے بہت بڑا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ کوادوی غیر قانونی طور پر جنگلی جڑی بوٹیوں سے ایک نہایت تیز قسم کی شراب تیار کرتا تھا۔ ضلعی انتظامیہ کو اس کے اس دھندے کا پتہ چلا، تو مسٹر ہیرسن کو اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا۔

مسٹر ہیرسن نے مختلف ذرائع سے کوادوی کو خبردار کیا کہ وہ اپنی حرکت سے باز آ جائے، لیکن کوادوی نے الٹا ہیرسن کو دھمکی دی کہ وہ اس کا پیچھا ترک کر دے، ورنہ میں چھ شیروں کے ذریعے تمام علاقے میں اڈھم بچا دوں گا۔

کوادوی جادو ٹونے میں بھی ماہر تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے علم کے زور سے چھ

کے لئے آنا شروع ہو گئے۔ وہ خوشی کے شادیاں بجاتے ہوئے آتے، لیکن یہاں پہنچتے ہی ان کی ساری مسرت کا نور ہو جاتی۔ شیرنی کے قریب چھ انسانی لاشیں دیکھ کر ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتیں۔

اس حادثے نے بڑے منفی اثرات مرتب کئے۔ میرے تمام کئے پر پانی پھر گیا۔ لوگوں نے دبی زبان میں جادو اور سحر کا تذکرہ پھر چھیڑ دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میری کامیابیاں محض عارضی نوعیت کی تھیں اور اگر میں باز نہ آیا تو آئندہ اس سے بھی بھاری قیمت ادا کرنا ہوگی۔

بے شک انسانی جانوں کا اتلاف انتہائی رنج دہ تھا، لیکن ایک شکاری کی حیثیت سے میرے لئے خاموش تماشا کی بننا ممکن نہ تھا۔ میں تو اپنی جان کی قربانی دے کر بھی آدم خوروں کو ختم کرنے کا تہیہ کر چکا تھا۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ ان کی وجہ سے دیہی زندگی کس قدر اجیرن ہو چکی ہے۔ کسان کھیتوں میں ہل چلاتے ہوئے ڈرتے، عورتیں ندی نالوں سے پانی بھرتے ہوئے خوفزدہ رہتیں اور بچے بستیوں سے باہر کھلے میدان میں کھیل کود سے احتراز کرتے۔ اگر حالات کو اسی ڈگر پر رہنے دیا جاتا، تو ایک نہ ایک دن پوری زندگی تعطل کا شکار ہو جاتی۔

ابھی میں یہاں سے فارغ بھی نہ ہو پایا تھا کہ ایک خاص ہرکارہ روح فرسا خبر ملے کہ آئن پیچا۔ اس نے بتایا میرا چچا زار بھائی بل مارشل، راجیو کے نزدیک کسی پراسرار شے کا شکار ہو گیا۔ مجھ پر جیسے بجلی گر گئی۔ میں قریب قریب دماغی توازن کھو بیٹھا۔ طویل مدت تک غیر حاضر رہنے کی وجہ سے میرے گھر والے سخت پریشان تھے۔ مارشل میری خبر گیری کے لئے رات ہی لندن سے آیا تھا۔

ہرکارے نے بتایا مارشل کی مسخ شدہ لاش تلاش بسیار کے بعد جھاڑیوں میں پھنسی ہوئی ملی ہے۔ میری حالت انتہائی غیر ہو چکی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا میرا دل ابھی باہر آ جائے گا۔ افریقیوں نے مارشل کے مرنے کی خبر سنی، تو انہیں پختہ یقین ہو گیا کہ بدروحوں نے مجھ

شیروں کو کسی جگہ سے بھی طلب کر سکتا ہے اور یہ کہ شیر اس کے ہر حکم کی بلا چون و چرا تعمیل کریں گے۔

مسٹر ہیرسن نے اس کی دھمکی کو گیدڑ جھکی اور خرافات کہہ کر ٹال دیا۔ مینیائی کا ضلع ان دنوں خشک سالی کا شکار تھا۔ مدت سے بارش نہیں ہوئی تھی، ندی نالے خشک پڑے تھے۔ ڈاکر اور چیل کوؤں کے علاوہ یہاں دوسرے جنگلی جانوروں کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ اس حالت میں شیروں کو ”برآمد“ کرنے کا دعویٰ بظاہر بے حقیقت اور ناقابل عمل دکھائی دیتا تھا۔

چند روز بعد دن گزر گئے، کوئی قابل ذکر واقعہ رونما نہ ہوا۔ اس اثنا میں خشک سالی سے پیدا شدہ صورتحال مزید خراب ہو گئی۔ پانی کے ذخائر تقریباً ختم ہو چکے تھے حکومت کو دور دراز سے ٹرکوں پر پانی لا کر آفت زدہ بستیوں میں تقسیم کرنے کا انتظام کرنا پڑا۔ ایک دن پانی سے بھرا ہوا ٹرک مینیائی کے شمال میں ایک گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔ ہیرسن بھی اس میں سوار تھا۔ دو پہر کا وقت تھا اور ہوکا عالم۔ دور دور تک ویران جنگل پھیلا ہوا تھا۔ ہیرسن ٹرک میں بیٹھا ادگھ رہا تھا، پسینے کے چند قطرے پیشانی سے ڈھلک کر اس کے گالوں پر گرے، تو اس نے جھرجھری لی۔ نیم وا آنکھوں سے سامنے سڑک پر دیکھا اور بھونچکا رہ گیا۔ اسی غنودگی کے عالم میں سہے ہوئے لہجے میں ڈرائیور سے پوچھا:

”کیا میں خواب دیکھ رہا ہوں یا بیداری کی حالت میں ہوں؟“

ڈرائیور بھی نہ جانے کس دنیا میں کھویا ہوا تھا اور اب تک کسی خطرے کو محسوس نہ کر سکا تھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہیرسن نے اسے ٹھوکا دیا اور سامنے کی طرف اشارہ کیا۔ ڈرائیور نے سامنے نگاہ دوڑائی، تو چیخ نکلی گئی۔ ہیرسن نے اسے پھر جھنجھوڑا اور کہا:

”ہوش سے کام لو اور ٹرک کو قابو میں رکھو“

جب ڈرائیور خود ہی بے قابو ہو، تو ٹرک کیا خاک قابو میں رہے گا۔ سامنے آدھ فرلانگ پر چھ شیر اچھل کود رہے تھے۔ ٹرک کو اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ زور زور سے دھاڑنے

اور اپنے پنجے زمین پر رگڑنے لگے۔ چلچلاتی دھوپ میں شیروں کی موجودگی حیرت ناک تھی۔ اس کے دل میں طرح طرح کے خیال آنے لگے۔ پھر اسے مکواوی کی دھمکی یاد آ گئی۔

”ہونہ ہو یہ اسی کی شرارت ہے، لیکن وہ کون سی قوت ہے جس کی بنا پر اس نے اکٹھے چھ شیر یہاں بھیج دیئے، جبکہ قدرتی اور موسمی حالات ایک جیوئی تک کے لئے سازگار نہیں ہیں۔“ اس نے دل ہی دل میں کہا اور سوچ کے نئے نئے دائروں نے ہیرسن کے ذہن کو جکڑ لیا۔

یہ وقت سوچ میں غلطاں ہونے کا نہیں، عمل کرنے کا تھا، لیکن ہیرسن خالی ہاتھ تھا اور کچھ کرنے کے قابل نہیں تھا۔ خطرے کا ایک مہیب عفریت اسے اپنی طرف ریٹکتا ہوا محسوس ہوا۔ دوسری طرف ڈرائیور کے اوسان بھی خطا ہو چکے تھے۔ ٹرک کچی سڑک پر لڑکھڑا رہا تھا اور کسی لمبے بھی نشیبی گڑھوں میں لڑھک کر ان کی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتا تھا۔

ہیرسن نے قوت ارادی کو مجتمع کیا اور ڈرائیور کی سیٹ خود سنبھال کر ٹرک کو پیچھے موڑنے کے لئے باہر جھانکا، تو گردوغبار میں ایک ہیولا تلواریں سونتے ہوئے ظاہر ہوا، یہ مکواوی تھا۔

مکواوی کے حکم پر ہیرسن ٹرک سے نیچے اترا۔ وہ چند منٹ تک تیکھی نظروں سے گھورتا رہا اور پھر بڑبڑایا۔

”تم گورے لوگ یہاں آ کر رعب جمار ہے ہو۔ خود ہی ہر شے کے، بلا شرکت غیرے مالک بن بیٹھے ہو۔ اسی پر اکتفا نہیں ہماری نجی زندگی میں بھی خواہ مخواہ ناگ اڑاتے ہو۔“ وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا اور پھر شعلے برساتی ہوئی زبان میں کہنے لگا ”اگر چاہوں، تو تمہیں قراقرم سزا دے سکتا ہوں۔ پل بھر میں چھ شیر تمہاری تکا بوٹی کر دیں گے، لیکن تنبیہ کے لئے یہی سزا کافی ہے“ یہ کہہ کر اس نے دہکتی ہوئی سلاخ ہیرسن کے ماتھے پر داغ دی اور غائب ہو گیا۔

ہیرسن مارے اذیت کے بلبلاتا اٹھا۔ اسے تشویش ناک حالت میں واپس مینیائی

پہنچایا گیا جہاں اس کی مرہم پٹی کی گئی۔ وہ ٹھیک تو ہو گیا، لیکن افریقی جادوؤں نے کامنہ بولتا اور چلتا پھرتا اشتہار بن کر رہ گیا۔

اس واقعے کے تفصیلی تذکرے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ افریقہ کا ”کالا علم“ بہر حال انسان کو فوق البشر طاقتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔ یہی تاثر اب میرے ذہن پر حاوی ہو چکا تھا۔

افریقہ میں یہ خیال عام تھا کہ شکاری اگر اپنی رائفل وغیرہ ”دم“ کروالے، تو اپنی مہموں میں انتہائی کامیاب رہے گا۔ یہ کام قبائلی سردار کرتے تھے۔ یہ لوگ صحیح معنوں میں ساحر یا جادوگر نہیں تھے البتہ ہم انہیں ”سیانا“ کہہ سکتے ہیں۔ یہ زیادہ تر دم جھاڑے سے کام چلاتے۔ وہ اسے ایک مذہبی عمل سمجھتے تھے۔ اس کے لئے مخصوص معبد بنے ہوئے تھے۔ یہ معبد تقریباً ہر بستی میں موجود تھے، لیکن عام نظروں سے اوجھل رکھے جاتے۔ ان میں داخل ہونے کے لئے صرف ایک سوراخ سا بننا ہوتا۔ آدمی بمشکل ریگ کر اندر داخل ہو سکتا۔ معبد کے اندر تین یا چار آدمیوں کی جگہ ہوتی۔ چھت اس قدر نیچی کہ آدمی کو گھٹنوں کے بل کھڑا ہونا پڑتا۔ اندر دو بت رکھے ہوتے۔ جن کے سامنے ہتھیار رکھ دیا جاتا۔ شکاری داہنے بت کے پاس جھک کر کھڑا ہو جاتا۔ چند لمحوں تک اس کے ہاتھ بڑے پراسرار انداز میں گردش کرتے۔ پھر کہتا ”عظیم بت، خدا سے اس شکاری کے لئے رحمت مانگ“ یہ الفاظ وہ تین مرتبہ دہراتا اور کارروائی ختم ہو جاتی۔

یہاں میں یہ واضح کر دوں کہ افریقہ کے بیشتر مشرک وحشی خدا کو سب سے بڑی طاقت تسلیم کرتے ہیں، لیکن خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ان بتوں کو وسیلہ بناتے ہیں۔ البتہ بتوں سے ہمکلامی کے مجاز صرف قبائلی سردار ہوتے ہیں۔ کوئی عام شخص ان بتوں کے قریب تک نہیں پھٹک سکتا۔

میں نے نیومی گیم آفس سے ایک نئی اینڈر سن رائفل حاصل کی اور اسے ”دم“ کروا

لیا۔ میری اس حرکت کا دو مسلمان گیم سکاؤٹوں محمد رشیدی اور سیدی بن عبداللہ نے خوب مضحکہ اڑایا۔ چونکہ ان کے اپنے مذہب کے مطابق یہ ایک مشرکانہ فعل تھا، لہذا انہیں تنقید کا حق حاصل تھا۔ اسی بنا پر میں نے برانہ مانا۔

میں نے ان دونوں سکاؤٹوں کو ان کی صلاحیتوں کے پیش نظر ساتھ لے لیا۔ اب ہم راجیوا کی طرف جا رہے تھے جہاں پراسرار ”دھاری دارشے“ نے دیہی آبادی میں تہلکہ مچا رکھا تھا۔ مجھے یقین تھا میں اپنے چچا زاد بھائی مارشل کی اذیت ناک موت کا انتقام لینے میں کامیاب رہوں گا۔

ہم راجیوارات کے وقت پہنچے۔ ایسا ہم نے جان بوجھ کر کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اگر کوئی جنگلی جانور انسانی جانوں کے درپے ہو، تو اس سے ہمارا آئنا سامنا ہو سکے، مگر افسوس، یہ مقصد پورا نہ ہوا۔

رات طرح طرح کے افکار پریشاں میں کٹی۔ دن چڑھا۔ ناشتے کے بعد میں نے سرکردہ مقامی لوگوں کو اکٹھا کیا اور ان سے معلومات وغیرہ حاصل کیں۔ مجھے پتہ چلا کہ پانچ برس پیشتر بھی راجیوا میں لوگ لاپتہ ہونا شروع ہو گئے تھے۔ چھ ماہ تک یہ حادثات رونما ہوتے رہے۔ اس کے بعد دو سال تک امن چلین رہا، پھر دوبارہ ایسی وارداتیں شروع ہو گئیں جو سال بھر تک جاری رہیں۔ ایک سال کے سکون کے بعد یہ سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ پہلے ایک نوجوان عورت ”انوا“ ہوئی، پھر بل مارشل کا سانحہ پیش آیا۔

مجھے اعتراف ہے کہ میں ایک پیشہ ور شکاری نہیں ہوں۔ ڈپٹی گیم وارڈن کی حیثیت سے میرا کام جنگلی جانوروں کے حفاظتی اقدامات کی نگرانی تھا۔ اس بنا پر مجھے شکاریات کے سلسلے میں زیادہ معلومات حاصل نہ تھیں اور نہ ہی میں اس فن کی باریکیوں سے واقف تھا۔ مزید براں مشکل یہ تھی کہ اس وقت ٹانگانیکا میں کوئی ماہر شکاری بھی موجود نہیں تھا جس سے کم از کم میں مشورہ ہی کر سکتا۔

ناچار گیم سکاؤٹوں کے ساتھ مل کر میں نے غور و خوض شروع کر دیا۔ تجربہ شاید ہے جب کوئی شیر آدم خوری پر اتر آتا ہے، تو وہ اس شغل کو مسلسل جاری رکھتا ہے۔ دوسرے درندوں میں ہاتھی صرف مستی یا غصے کی حالت میں انسان پر حملہ کرتا ہے۔ صرف چیتا ایک ایسا جانور ہے جو انتہائی شریر طبیعت کا مالک ہے، وہ بہت پھرتیلا ہوتا ہے اور محض دل لگی کے لئے بھی انسان سے بچہ آزمائی شروع کر دیتا ہے۔ بعد ازاں دوسرے جانوروں کا شکار ملنے لگے، تو وہ انسان سے کئی کھڑا جاتا ہے۔ ان بنیادی باتوں پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ راجیوا کا ”دھاری دار“ شیطان ضرور کوئی چیتا ہے۔

راجیوا میں تین دن مقیم رہنے کے بعد ہم چیتے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ گھنے جنگلات ہر قسم کے جانوروں سے بھرے پڑے تھے۔ خصوصاً ہاتھیوں کی اس قدر کثرت تھی کہ بعض اوقات ان کے گروہ کے گروہ دیکھنے میں آتے۔ مجھے اپنے مسلمان گیم سکاؤٹوں پر پورا اعتماد تھا۔ علاوہ ازیں میں اپنی رائفل بھی ”دم“ کروا چکا تھا لہذا بے دھڑک ہر خطرے کا سامنا کر سکتا تھا، تاہم میں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ جنگل آخر جنگل ہے، کوئی پارک یا سیرگاہ نہیں کہ آدمی خراباں خراباں چہل قدمی کرتا پھرے۔

رات کی عملداری شروع ہوئی، تو ہم نے ایک مناسب جگہ خیمہ لگا لیا۔ کھانے پینے کا سامان تیار تھا۔ مجھے چیتے کو ختم کرنے کی فکر تھی، کھانے پر طبیعت آمادہ نہیں تھی، لہذا خالی پیٹ ہی لیٹ رہا۔ تقریباً گیارہ بجے کا وقت ہو گا کہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ کوئی شے میرے قریب تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ دونوں سکاؤٹ گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تاریکی میں دو انگاروں ایسی آنکھیں مجھ پر مرکوز تھیں۔ تیز روشنی کے دائرے میں درندہ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ سیاہ دھاری دار چیتا۔ اف میرے خدا، آدم خور چیتا مجھ سے صرف ایک جست کے فاصلے پر تھا۔ ایک لمحے کے لئے میرا خون خشک ہو گیا۔ چیتا بدستور بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ دوسری طرف دونوں سکاؤٹ بھی پہلے کی طرح خراٹے بھر رہے تھے۔ مجھے یہ

پراسرار خاموشی معنی خیز معلوم ہوئی۔ کسی نامعلوم خوف سے اک بار میں پھر کانپ اٹھا۔ میری رائفل، چارپائی کے نیچے رکھی تھی۔ اگر میں اس کو پکڑنے کے لئے نیچے جھکتا، تو ممکن تھا چیتا جست بھر کر میری گردن پر سوار ہو جاتا اور ”دم“ کی ہوئی رائفل کے ساتھ میں بھی بے دم ہو کر رہ جاتا۔

ناگہانی موت کے روح فرسا تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ آج تک ڈر کے مارے میری اتنی بری حالت نہیں ہوئی تھی۔ نجانے میری تمام تر قوت ارادی کیونکر جواب دے گئی۔ بالآخر زندہ رہنے کی آخری امید کے سہارے میں نے آہستہ آہستہ رائفل کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک لمحے کے لئے میری نظریں چیتے سے ہٹ گئیں۔ رائفل اٹھا کر میں نے چیتے کا رخ کیا، تو وہ غائب ہو چکا تھا۔ مجھے اطمینان بھی ہوا اور افسوس بھی۔ اطمینان اس پر کہ چلو خطرہ ٹل گیا اور افسوس اس پر کہ شکار ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

میں نے سکاؤٹوں کو جگا کر سارا قصہ سنایا۔ ان کے کہنے پر ہم فوراً چیتے کے تعاقب میں روانہ ہو گئے۔ ابھی چاند طلوع ہونے میں ایک گھنٹہ باقی تھا، چنانچہ گھپ اندھیرے میں سوائے ٹامک ٹوئیاں مارنے کے ہم کچھ نہ کر سکے۔ ایک دو مرتبہ اپنے آس پاس چیتے کی نقل و حرکت کا احساس بھی ہوا، لیکن وہ صاف طور پر کہیں بھی دکھائی نہ دیا۔ چاند طلوع ہوا، تو ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ ہم اسے تلاش کرنے میں اب بھی ناکام رہے۔ آخر تھک ہار کر واپس آ گئے۔ یہاں کی دنیا ہی بدل چکی تھی۔ ہر چیز الٹ پلٹ تھی۔ خیمہ جگہ سے تار تار ہو رہا تھا۔ کھانے کا سامان مٹی میں مل چکا تھا۔ ظاہر ہے مکار چیتے کے سوا یہ کس کی حرکت ہو سکتی تھی۔ ہم نے وقتی طور پر صبر کر لیا اور باقی ماندہ رات آنکھوں میں کاٹی۔ ہر وقت ذہن میں یہی خیال گردش کرتا رہا کہ کب دن چڑھے اور ہم چیتے کو قتل واقعی سزا دیں۔

میں رات کو بھی بھوکا سو یا تھا۔ صبح تو ویسے بھی کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ چنانچہ ہم نے خالی پیٹ ہی رائفلیں تھامیں اور چیتے کے پنجوں کے نشانات پر چل کھڑے ہوئے۔ جنگل کا یہ

حصہ انتہائی دشوار گزار تھا۔ قدم قدم پر خاردار جھاڑیاں حائل تھیں۔ علاوہ ازیں افریقہ کی مشہور زہریلی مکھی بھی یہاں عام پائی جاتی تھی۔ اس کا ایک ہی ڈنک انسان کو موت کے دروازے پر پہنچانے کے لئے کافی تھا۔ اس سے بچنے کے لئے ہم نے سارے جسم کو خوب اچھی طرح چادروں سے لپیٹ رکھا تھا اور یوں نظر آتے تھے جیسے کفن باندھ رکھا ہو۔ راستے کی ان مشکلات سے بچتے بچاتے ہم چیتے کو تلاش کرتے رہے حتیٰ کہ دن کے بارہ بج گئے۔ دھوپ خاصی تیز تھی۔ اس لئے سستانے کے لئے ایک درخت تلے لیٹ گئے، ہونا نام کو نہ تھی، اس پر مستزاد نا کامی کے احساس نے ہم پر افسردگی کا عالم طاری کر دیا تھا۔

ابھی ہمیں لیٹے ہوئے دس پندرہ منٹ ہی گزرے تھے کہ ایک نہایت بارہ سنگھا ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ وہ سرپٹ دوڑ رہا تھا اس کی چال میں لڑکھڑاہٹ نمایاں تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کسی خطرے میں مبتلا ہے۔

ہمارا اندازہ درست ثابت ہوا۔ بارہ سنگھے کا تعاقب وہی دھاری دار چیتا کر رہا تھا۔ ہمیں دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ میں نے وقت ضائع کئے بغیر یکے بعد دیگرے دو فائر کئے۔ چیتے کے قریب گرد سی اڑای۔ نشانہ خطا گیا تھا۔ یہ دیکھ کر گیم سکاؤٹ سیدی نے اپنی رائفل تانی، وہ عربی زبان میں کچھ بڑبڑایا اور پھر اس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولی چیتے کی گردن کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ چیتے عموماً زخم کھا کر حملہ آور پر ٹوٹ پڑتے ہیں۔ لیکن یہ تو خلاف توقع بزدل نکلا، کاری زخم کھانے کے بعد وہ ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

میری ”دم شدہ“ رائفل کی ”حسن کارکردگی“ کا دونوں سکاؤٹوں نے ایک بار پھر مضحکہ اڑایا۔ میں نے غصے میں رائفل دوڑ جھاڑیوں میں پھینک دی اور پھر خفت مٹانے کے لئے ایک سکاؤٹ کی رائفل لے کر تنہا چیتے کے تعاقب میں دوڑا۔

خون کی ایک لکیر سر کندوں کے وسیع و عریض جھنڈ کی طرف رہنمائی کر رہی تھی۔ میں بھی اس میں گھس گیا۔ چیتا کبھی دائیں طرف مڑتا، کبھی بائیں طرف اور پھر یکا یک پیچھے کی

طرف مڑتا ہوا معلوم ہوتا۔ کچھ معلوم نہ تھا شکاری کون ہے اور شکار کون؟ ایک کھنڈ میں انسانی اعضا کا ڈھیر پڑا تھا۔ میرا دل بھر آیا۔ آگے چل کر میرا چیتے سے سامنا ہو گیا۔ وہ لاچار ہو کر زمین پر گر پڑا تھا۔ اس کے جسم سے سرخ سرخ خون کی دھار بہہ رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر اس نے خونخوار دانت نکالے اور حملہ کرنے کی غرض سے اچھلنے کی کوشش کی، لیکن موت نے اتنی مہلت نہ دی اور وہ بے بس ہو کر ایک طرف ڈھلک گیا۔

اس کے مرتے ہی نیومی کا آخری آدم خور ختم ہو گیا، پھر کبھی کسی آدمی پر حملے کی اطلاع نہ ملی۔

گارڈ اور دیہاتیوں کے مابین خاصی دیر تک تکرار ہوتی رہی۔ مجھے کچھ پتہ نہ چلا آخر معاملہ کیا ہے؟ دیہاتی جھوٹ بول رہے ہیں یا کسی درندے نے واقعی ان لوگوں کو پریشان کر رکھا ہے اور گارڈ اس کو ٹھکانے لگانے میں غفلت سے کام لے رہا ہے؟ فرائض منصبی سے غفلت صریح جرم ہے اور پھر جب معاملہ انسانی زندگیوں کا ہو تو اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس جھگڑے کے کئی پہلو میرے ذہن میں آئے لیکن بالآخر مجھے گارڈ کا ساتھ دینا پڑا کیونکہ کوئی افسر بالا اپنے محکمے پر عائد شدہ الزامات کو باآسانی درست قرار دینے پر تیار نہیں ہوتا۔

درندے کے عادات و اطوار معمولی کے مطابق ہیں اسے ہلاک کرنے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں آتی۔ میں نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ مزید خبر آں وہ ہرنوں اور سوروں کا شکار کر رہا ہے جو فصلوں کو از حد نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح وہ آپ لوگوں کی کھیتوں کا محافظ ہے۔ اور جنگلات کا محافظ بھی۔ گارڈ نے کھا جانے والی نظروں سے دیہاتیوں کو گھورتے ہوئے کہا۔ افسران بالا کی شہ پا کر ماتحت ملازم عموماً اسی طرح کاروبار اختیار کرتے ہیں۔ غریب دیہاتی لٹکے ہوئے چہروں کے ساتھ رخصت ہو گئے۔ وقتی طور پر لوگوں کا مطالبہ رد کر دیا گیا تھا تاہم درندے کے بارے میں میرا تجسس برقرار رہا۔

جب ہم مہابل شیر میں واقع ہیڈ کوارٹر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں میں نے گارڈ سے مزید پوچھ گچھ کی۔ اس نے صرف اتنا بتایا کہ درندہ انتہائی پھر تیل اور چالاک ہے وہ چھوٹے قد کے درختوں پر چڑھ جاتا ہے اور پتوں وغیرہ میں چھپ کر شکار کی گھات میں بیٹھ رہتا ہے۔ گارڈ نے بطور ثبوت کئی درختوں کے تنے پر پنجنوں کے نشان دکھائے۔

بہر حال فارسٹ گارڈ درندے کو جنگل کا محافظ کہنے پر مصر رہا اور دیہاتیوں نے اپنے طور پر جنگل کا نام ”درندے کا جنگل“ رکھ دیا۔ خواہ کچھ بھی ہو اس سے بحث نہیں لیکن درندے کے منحوس سائے جنگل کی پراسرار فضا پر منڈلاتے رہے اور آخر ایک یقینی اور خوفناک موت

جنگل کا محافظ آدم خور

”اس درندے کو ہلاک کر دیں صاحب ہم عمر بھر آپ کے بچوں کو دے دیں گے۔“ ایک معزز بوڑھے نے وفد کی طرف سے درخواست پیش کرتے ہوئے کہا۔ ”خطرہ اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ہم جنگل سے گھاس پھوس تک نہیں لاسکتے۔“ بوڑھے نے اپنی بات مکمل کی۔ اس کی دھنسی ہوئی مگر روشن آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ میں نے درخواست میز پر رکھ دی اور ان لوگوں کا جائزہ لیا۔ سیدھے سادے دیہاتیوں کے چہرے گہرے دکھ اور پریشانی کی غمازی کر رہے تھے۔ خاطر جمع رکھو میں اس عرضی پر ہمدردانہ غور کروں گا۔ میں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

بوڑھا دیہاتی شاید میرے جواب سے مطمئن نہ ہوا اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا:

”جناب وہ از حد خوفناک ہے۔“

”وہ بالکل بے ضرر ہے۔ کارنگلن صاحب“ میرے قریب بیٹھے ہوئے فارسٹ گارڈ نے بوڑھے کی بات کا ٹیڈی۔ یہ لوگ آئے دن جنگل سے لکڑی کاٹ لے جاتے ہیں۔ اپنی کارستانی پر پردہ ڈالنے کے لئے اب درندے کا افسانہ تراش رہے ہیں۔ گارڈ تندوتیز لہجے میں بول رہا تھا۔ ”میرے صاحب اس درندے سے خود میرا کئی بار آنا سامنا ہو چکا ہے وہ آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتا۔ کیا ہرن اور جنگلی سور اس کے شکار کے لئے تھوڑے ہیں ان سے سارا جنگل بھرا پڑا ہے۔“

وادی کوئٹہ کے دیہات پر مسلط ہو گئی۔

وادی کوئٹہ بلاشبہ دنیا کا حسین ترین خطہ ہے۔ مہابل شیر کی وسیع سطح مرتفع کے جنوب میں اس کے قدرتی مناظر دیکھنے والے کو محو کر دیتے ہیں۔ سطح مرتفع سمندر سے 4500 فٹ بلند ہے۔ یہاں سے بحیرہ عرب صاف نظر آتا ہے۔ موسم عموماً خوشگوار رہتا ہے۔ صرف جون سے ستمبر تک موسلا دھار بارشیں ہوتی ہیں۔ ان دنوں یہ علاقہ مکمل طور پر جنوب مغربی مون سون کی زد میں ہوتا ہے۔ بارش کی مقدار 300 انچ سالانہ تک پہنچ جاتی ہے۔ وادی کا تقریباً سارا علاقہ پہاڑی ہے۔ بچ میں کہیں کہیں ہموار زمین بھی آ جاتی ہے۔ جنگل اس زمین کو تیز و تند بارشوں سے بچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ میں متواتر تین سال تک مہابل شیر میں محکمہ جنگلات کا اونچا راج رہا۔ یہ میرے لئے ایک نیا اور خوشگوار تجربہ تھا۔ میں اپریل اور مئی کے دنوں میں دورے پر نکل جاتا اور مون سون کے موسم میں گھریٹھ کر مرہٹی زبان سیکھتا۔

پہلا سال امن و سکون سے گزرا۔ دوسرے سال کا آغاز انتہائی حوصلہ شکن تھا۔ چاروں طرف سے بری خبریں آنے لگیں۔ جنگلی جانوروں میں ایک پراسرار بیماری پھیل گئی۔ کوشش کے باوجود اس پر جلد قابو پایا نہ جاسکا۔ نتیجتاً ہرنوں اور سوروں کی تعداد گھٹ گئی۔ شیر اور چیتے زیادہ متاثر نہ ہوئے۔ ہم اس مصیبت سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ ایک درندے نے اپنی سرگرمیاں شروع کر دیں۔ اس کا سب سے پہلا شکار ایک بچہ تھا۔ آٹھ دس دن بعد ایک اور حادثے کی اطلاع ملی۔ اب تو وارداتوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ساری وادی میں صف ماتم بچھ گئی۔ میرے کانوں میں ہر وقت دردناک نوے گونجتے رہتے۔

درندے کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے میں دفتری تکلفات میں الجھنا نہ چاہتا تھا، کیونکہ پہلے ہی بہت زیادہ وقت ضائع ہو چکا تھا۔ کاش میں نے پہلے ہی روز دیہاتیوں کی فریاد پر کان دھرا ہوتا۔ اب پچھتاوے کے سوا کچھ حاصل نہ ہو سکتا تھا۔ مختلف لائسنس یافتہ شکاریوں کو درندے کا قلع قمع کرنے کی ہدایات جاری کی گئیں لیکن بے سود۔

درندہ پوری خون آشامی کے ساتھ وادی پر مسلط رہا۔ اپریل تک مرنے والوں کی تعداد تریسٹھ تک پہنچ گئی۔

اب خود میدان میں آنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا تھا۔

میں نے فارسٹ گارڈ کوساراؤ کو ساتھ لیا اور درندے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ ہم ایک ٹوٹے پھوٹے راستے پر چل رہے تھے۔ کہنے کو اس کا نام شاہراہ سیوا جی تھا مگر وہ زبان حال سے اپنی بے بسی کا فسانہ کہہ رہی تھی۔ ابھی ہم اپنے کمپ سے کچھ فاصلے پر تھے کہ ایک ہرکارہ آن پہنچا۔ اس نے بتایا:

درندہ قریبی گاؤں سے ایک بارہ سالہ لڑکی اٹھا کر لے گیا ہے۔

چنانچہ ہم کمپ کے بجائے اس گاؤں کی طرف روانہ ہو گئے۔ گاؤں پہنچے تو دیہاتیوں نے ہمیں گھیر لیا لیکن جب حادثے کی تفصیلات پوچھیں تو کوئی شخص جواب دینے پر آمادہ نہ ہوا۔ مارے دہشت کے سب لوگوں کی زبانیں گنگ ہو چکی تھیں۔

بڑی مشکل کے بعد انہوں نے اشارے سے وہ جگہ بتائی جہاں درندہ حملہ آور ہوا تھا۔ ہم دونوں خون کے نشانات کی رہنمائی میں جنگل میں گھس گئے۔ ایک بندوق میرے پاس تھی اور ایک کوساراؤ کے پاس۔ ہم جنگل میں دور تک چلے گئے۔ ایک مقام پر گھنی جھاڑیاں آ گئیں۔ آگے بڑھنا ناممکن تھا۔ میں نے جھاڑیوں کے ساتھ کان لگا دیئے۔ مگر کسی قسم کی کوئی آواز سنائی نہ دی۔ چنانچہ جھاڑیوں کا چکر کاٹ کر آگے بڑھنے کا فیصلہ کیا۔ ابھی ہم کوئی بیس قدم ہی چل پائے تھے کہ ایک دلخراش منظر دکھائی دیا۔ سامنے لڑکی کی خون میں نہائی ہوئی لاش پڑی تھی۔ اس کی پنڈلیاں چپائی جا چکی تھیں گردن سے ابھی تک خون رس رہا تھا۔ پیٹ کا گوشت غائب تھا اور انتڑیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ چہرہ تقریباً مسخ ہو چکا تھا۔

لاش کے آس پاس زمین پر درندے کے خون آلود پنچوں کے نشان تھے شاید درندہ پانی پینے یا سستانے کہیں قریب ہی چلا گیا تھا۔ نہایت احتیاط سے کام لے کر قریبی جھاڑیوں

میں نظر دوڑائی۔ ایک جگہ کچھ شک سا ہوا۔ یقیناً وہ درندہ ہی تھا۔ لیکن جھاڑیاں اس قدر گھنی تھیں کہ اس کا پچھلا حصہ ہی نظر آسکا۔ اس کے بعد وہ پراسرار طور پر غائب ہو گیا۔ یہ بھی ٹھیک طرح اندازہ نہ ہو سکا کہ وہ کونسا جانور ہے۔ اس کا رنگ بہر حال سیاہی مائل تھا۔ ہم اپنی تلاش جاری رکھی لیکن وہ نظر نہ آیا۔

سورج مغربی افق سے جا لگا تھا اور رات کی آمد آدھی تھی۔ ہم نے واپسی کا فیصلہ کیا۔ اسی اثناء میں گاؤں سے بھی کچھ لوگ آگئے تھے وہ لڑکی کی لاش اٹھا کر لے گئے۔ ہمارا کمپ پانچ میل دور تھا۔ گاؤں والوں نے ہمیں ایک لائین دے دی۔ مجھے اپنی پہلی ناکامی پر اڑھائی فوس ہوا لیکن میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ یہ درندہ جیسا کچھ بھی ہے اسے ٹھکانے لگا کر رہوں گا۔ ہم ڈیڑھ گھنٹے میں اپنے کمپ میں پہنچ گئے وہاں معمول کے مطابق روزمرہ کی ڈاک آئی ہوئی تھی۔ ان میں گورنر کے پرائیویٹ سیکرٹری رابرٹسن کا ایک خط ملا اس نے لکھا تھا: ”گورنر بہادر سرکاری باغات کا معائنہ کرنا چاہتے ہیں ان کے ساتھ آپ کا ہونا ضروری ہے۔“ اب ایک طرف آدم خور تھا اور دوسری طرف سرکاری حکم۔ ناچار اس حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑا۔

گورنر ہاؤس گیا تو وہاں مختلف کاموں میں پھنس کر رہ گیا اور کئی دن تک مہا بل شیر نہ جاسکا۔ اس طرح آدم خور کو ایک بار پھر کھلی چھٹی مل گئی۔ فارسٹ گارڈوں کے ذریعے مجھے وقتاً فوقتاً اس کی وارداتوں کا علم ہوتا رہا۔ اب ایک وسیع علاقہ اس کی درندگی کی زد میں آچکا تھا۔ آخر سرکاری فرائض سے عہدہ برآ ہو کر وادی میں پہنچ گیا۔ اتنے روز خبر آئی کہ درندے نے سات میل دور ایک گاؤں پر حملہ کر دیا ہے میں نے کھانے پینے کا مختصر سامان تھیلے میں ڈالا دو فارسٹ گارڈوں کو سارا ڈورام جی کو ساتھ لیا اور جائے حادثہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جب ہم گاؤں میں پہنچے تو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کہ وہاں کوئی مرد نہ تھا۔ صرف چھوٹے بچے اور آہ و بکا کرتی ہوئی عورتیں تھیں۔ میں نے ایک بچے سے صورت حال دریافت کی۔ اس

نے بتایا کہ ایک درندہ باجی کا دس سالہ لڑکا اٹھا کر لے گیا ہے اس کے پیچھے تمام مرد لائٹھیاں لے کر جنگل میں گئے ہوئے ہیں کو سارا ویہ سن کر غصے سے بولا۔

”یہ لوگ احق ہیں کم از کم ہمارا تو انتظار کر لیتے۔“

جو ہونا تھا ہو چکا تھا۔ میں نے باجی کو تسلی بخشی دی اور کہا: ”حکومت کی طرف سے بھی تمہیں تھوڑی بہت امداد دلوائی جائے گی۔“ بدقسمت لڑکا باجی کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ماما کا واحد سہارا۔ اس کی موت سے بوڑھی ماں کے دل و دماغ پر جو بیتی ہو گی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

ہم جنگل میں شور غل مچاتے ہوئے لوگوں سے جا ملے۔ انہوں نے بتایا کہ تقریباً دس بجے وہ حسب معمول زمینوں میں کام کر رہے تھے عورتیں گھریلو کام کاج میں مصروف تھیں اور بچے ایک دوسرے کے پیچھے بھاگ دوڑ رہے تھے اچانک چیخنے چلانے کی آوازیں بلند ہوئیں۔ درندہ گھات سے نکل کر ایک بچے پر چھوٹا اور اسے منہ میں دبا کر جنگل میں گھس گیا۔ درندے کے متعلق وہ زیادہ نہ بتا سکے صرف اتنا پتہ چلا کہ اس کا رنگ سیاہی مائل اور دم لمبی ہے میں نے خود جو درندہ دیکھا تھا وہ بھی اسی طرح کا تھا، لیکن یہ معمول نہ ہو سکا کہ وہ کون سا جانور ہے؟

باجی کے لڑکے کی لاش پہلے ہی مل چکی تھی اور گاؤں والے اٹھا کر لے گئے تھے۔ ہم نے درندے کو بہتیرا تلاش کیا لیکن نہ ملا۔ پورا ایک ہفتہ جنگل میں پھڑوں اور بکریوں کو گارے کے طور پر باندھا، لیکن درندہ ان کے قریب تک نہ پھٹکا۔ ہم لوگ سخت حیران تھے کہ آخر یہ ہے کیا بلا؟

مئی کا آخری ہفتہ تھا۔ ہم وادی کے وسیع و عریض جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ اب یہ سلسلہ منقطع ہونے والا تھا کیونکہ مون سون کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ کالی گھٹائیں ہمالیہ کی چوٹیوں سے ٹکرا کر وادی پر چھانے لگیں۔ میں نے جنگل سے عارضی کمپ اٹھایا اور ہیڈ کوارٹر مہا بل شیر پہنچ گیا۔ مہا بل شیر ضلع متھرا کی ایک تحصیل تھی۔ میں ڈسٹرکٹ

مجسٹریٹ مسٹر ایس آر آر تھر سے ملا اور اسے ساری صورت حال سے آگاہ کیا۔ اپنی دونوں ناکام مہموں کا تذکرہ بھی کیا اور ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

اب موسلا دھار بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ باہر نگلنا دشوار ہو چکا تھا۔ میں نے ان دنوں الف لیلہ کی مرہٹی زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اکتوبر تک کتاب کا خاصا حصہ ترجمہ ہو چکا تھا۔ اگرچہ اس کام میں میں ڈوب کر رہ گیا تھا لیکن میرے ذہن سے درندے کا خیال لمحہ بھر کے لئے بھی نہ نکلا۔

مون سون کا زور ٹوٹا تو میں ایک فارسٹ گارڈ گونا مہادیو کو ہمراہ لے کر ہیڈ کوارٹر کے قریبی جنگل کے دورے پر نکلا۔ طویل بارشوں کے بعد لوگوں کے لئے ایندھن کے حصول کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا تھا۔ علاوہ ازیں تند و تیز طوفانوں سے ان کی جھونپڑیوں کو بھی نقصان پہنچتا۔ میرے نزدیک ان مسائل کا یہی ایک حل تھا کہ انہیں سرکاری جنگل سے لکڑی کاٹنے کی اجازت دی جائے۔ اس مقصد کے لئے میں گرے پڑے اور ناکارہ درختوں پر نشان لگا دیتا تاکہ دیہاتی انہیں کاٹ کر اپنی ضرورت پوری کر لیں۔

میرا یہ دورہ اسی سلسلے میں تھا۔ ایک روز میں درختوں پر نشان لگا رہا تھا جامن کے ایک درخت پر نشان لگانے کے لئے جھکا ہی تھا کہ گارڈ چلایا۔ ”خبردار صاحب“ میں نے غور سے تنے کی طرف دیکھا۔ اف میرے خدا وہاں ایک فورسناگ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ مہادیو مجھے متنبہ نہ کرتا تو وہ یقیناً ڈس لیتا۔ فورسناگ کا زہر کو براسے کئی گنا مہلک ہوتا ہے۔ میں نے مہادیو کا شکریہ ادا کیا کہ اس کی وجہ سے میں بال بال بچ گیا۔ بعد ازاں ہم نے ناگ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔

تاہم سب سے بڑا مسئلہ جوں کا توں تھا۔ آدم خور وادی میں بلا شرکت غیرے حکمرانی کر رہا تھا۔ میں نے مختلف شکاریوں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ میرا مقابلہ جنگل کا سب سے پھرتیلا چالاک اور عیار درندہ چیتا ہے۔

میں نے پوری وادی میں فارسٹ گارڈ پھیلا دیئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ چیتے نے ان دنوں کس علاقے کو اپنی جولا نگاہ بنا رکھا ہے۔ مختلف رپورٹوں کی روشنی میں ہم نے ایک خاص علاقے کو گھیرے میں لے لیا۔ اس علاقے کے وسط میں میرا کمپ تھا۔ کوساراؤ اور رام جی پہلے کی طرح میرے ساتھ تھے۔ میں ہر مشکل وقت میں ان پر بھروسہ کر سکتا تھا۔ ہم نے پورے علاقے میں گھوم پھر کر لوگوں کو نفسیاتی طور پر چیتے کی مزاحمت کے لئے تیار کر دیا۔ ہماری خاص ہدایت یہ تھی کہ حملے کی صورت میں چیتے کا تعاقب ہرگز نہ کیا جائے بلکہ ہمیں فوراً اطلاع کی جائے۔ اب ہم چیتے کے نمودار ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔

ہمیں زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا۔ ہمارے کمپ سے تین میل دور چیتا ایک دیہاتی لڑکی کو اٹھالے گیا۔ صبح نو بجے ہمیں خبر ملی اور فوراً ہم جائے حادثہ کی طرف لپکے۔ ہماری ہدایات کے مطابق دیہاتیوں نے چیتے کا تعاقب نہ کیا۔ اگرچہ وہ لاش حاصل کرنے کے لئے انتہائی بے چین تھے۔ میں ان کے صبر کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ گاؤں میں مکمل سکوت طاری تھا یہاں تک کہ عورتوں کی چیخ و پکار بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ یہ صورتحال چیتے کو بے خبری میں جالینے کے لئے بے حد سازگار ثابت ہوئی۔

گاؤں کے نمبردار نے ہمیں وہ جگہ دکھائی جہاں چیتے نے غریب لڑکی پر حملہ کیا تھا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر خاردار جھاڑیوں میں کپڑوں کے ٹکڑے الجھے ہوئے دکھائی دیے۔ ظاہر ہے چیتا اسی جانب گیا تھا۔ میں کوساراؤ اور رام جی کو لے کر آگے بڑھا۔ ذرا سی بے احتیاطی ہماری ہلاکت کا سبب بن سکتی تھی۔

میری نظریں سامنے کی طرف جمی ہوئی تھی۔ کوساراؤ دائیں طرف غور سے دیکھ رہا تھا اور رام جی بائیں طرف کی جھاڑیوں پر نگاہیں مرکوز کئے ہوئے تھا۔ مجھے کامیابی کی امید تھی کیونکہ جن حالات میں چیتے کا پیچھا کیا جا رہا تھا وہ پہلے سے بہت مختلف تھے۔

ایک جگہ جھاڑیوں میں سرسراہٹ ہوئی۔ ہم ٹھٹھک سے گئے۔ کوساراؤ کی تیز نگاہیں

گھنی جھاڑیوں میں ایک روح فرسا منظر دیکھ رہی تھیں۔ چیتا، معصوم لڑکی کی لاش کو چیرنے پھاڑنے میں مصروف تھا۔ وہ پوری طرح جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ ٹھیک ٹھیک نشانہ لینے کے لئے ذرا اور آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔ جھاڑیوں میں راستہ بناتے وقت اگر ذرا سا کھٹکا بھی ہو جاتا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جاتا۔ اسکے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ تھا چنانچہ میں آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ ابھی دو چار قدم ہی اٹھائے تھے کہ چیتے نے آہٹ پالی اور گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ اس کی خونی آنکھیں جسم پر عرشہ طاری کر دینے کے لئے کافی تھیں۔

میں جان پر کھیل جانے کا فیصلہ کر چکا تھا اور زندگی اور موت کی سرحدیں عبور کر کے یہاں تک پہنچا تھا۔ بیسیوں معصوم بچوں اور جوانوں کی لاشیں میری آنکھوں میں پھر گئیں۔ اب میری بھاکا نہیں، سینکڑوں لوگوں کی زندگیوں کا سوال تھا۔

چیتا مجھے ابھی تک گھورے جا رہا تھا جیسے وہ یہ جاننا چاہتا ہو کہ میں کہاں سے آ نکلا ہوں۔ اس عرصے میں میں نے بندوق کی نالی سیدھی کر کے نشانہ باندھ لیا تھا۔ قبل اس کے کہ وہ جست لگاتا، ایک زوردار دھماکا ہوا چیتا لڑکھڑایا اور پھر پیچھے کی طرف گر پڑا۔ پھر وہ یکدم سنبھل گیا اور بھرپور جست لگائی۔ ایک دھماکہ اور ہوا اور گولی چیتے کی کھوپڑی میں لگی۔ چند گز کے فاصلے پر چیتا تورا کر گرا اور تڑپنے لگا۔ آخر تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔

ہم آگے بڑھ کر لاش کے قریب پہنچے۔ چیتے کی کھال سیاہ رنگ کی تھی جس میں پیلی دھاری نام کو بھی نہ تھی۔ ناپا تو سات فٹ ساڑھے سات انچ نکلا۔ اگرچہ وہ درمیانی عمر کا معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے پٹھے انتہائی مضبوط تھے۔ بظاہر کوئی جسمانی نقص بھی دکھائی نہ دیا جس کی بنا پر درندے عام طور پر آدم خوری پر اتر آتے ہیں۔

فائر کی آواز سن کر دیہاتی بھی موقع پر پہنچ گئے۔ وہ چیتے کی موت پر خوش تو ضرور تھے لیکن چند قدم پر پڑی ہوئی لڑکی کی لاش نے انہیں مغموم کر دیا۔ وہ اسے اٹھا کر گاؤں لے گئے۔ کو ساراؤ اور رام جی نے مردہ چیتے کو کمپ میں پہنچانے کا انتظام کیا۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ لیکن اب رات کو تاریک اور خوف ناک بنانے کے لئے سیاہ چیتا اس دنیا میں موجود نہ تھا۔ وادی کوئٹا کا محافظ چیتا اب اس دنیا میں نہ رہا تھا وادی پھر سے امن و سکون سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ آدم خور چیتے کی ہلاکت کے بعد میں نے فارسٹ گارڈ سے کہا تھا۔ ”اب تمہیں اس جنگل کی حفاظت کرنی ہے تمہارا محافظ چیتا تو مارا جا چکا ہے۔“ وہ شرمندہ ہو گیا اور زبان سے کچھ نہ بولا۔ لیکن اس کی شرمندگی درجنوں انسانوں کی ہلاکت کا مداوا نہ بن سکتی تھی۔

(جی جی اشباہی)

میں یہاں کمپاوت کے آدم خورشیر کا شکار کرنے آیا تھا تو اس بوڑے نحیف و زار آدمی سے میری دوستی ہو گئی تھی۔ وہ مقامی مندر کا پجاری تھی۔ تھوڑی دیر پہلے مندر کے قریب سے گزرتے وقت میں نے اسے پرنام کیا تھا۔ مگر اس نے فقط سر ہلا کر جواب دینے پر ہی اکتفا کیا تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ عبادت میں مصروف تھا۔ اب عبادت ختم کر کے وہ میرے پاس آ گیا تھا اور برآمدے کے فرش پر بیٹھا میرے ساتھ گپ بازی میں مصروف تھا۔ میں بھی سفر کی تھکاوٹ کا مارا ہوا تھا اور ہلکی پھلکی گفتگو کے سوا کچھ نہ کرنا چاہتا تھا۔

پجاری سے مجھے پتہ چلا کہ اوور سیر نے مجھے یہ غلط بتایا تھا کہ داہیدھر میں آدم خور چیتے نے ایک آدمی کو ہلاک کر دیا تھا۔ وہ آدمی اس پجاری کا مہمان تھا اور اس نے رات اس کے پاس مندر ہی میں بسر کی تھی۔ وہ شخص پجاری کی نصیحت کے خلاف رات کو باہر مندر کے چبوترے پر سو گیا تھا۔ نصف شب کے قریب جب مندر کے گرد پیش چٹانیں مندر پر سایہ فگن تھیں تو آدم خور چیتا ریگتا ہوا اس جگہ آیا اور اس نے چبوترے پر سوئے ہوئے شخص کا ٹخنہ پکڑا اور اس گھسیٹنے کی کوشش کی وہ شخص ہڑا ہوا کراٹھا اور قریبی آلاؤ سے سلگتی ہوئی ایک لکڑی پکڑ کر چیتے کو مار بھگا گیا۔ اس کے شور سے مندر کے اندر سوئے ہوئے بعض دوسرے پجاری بھی جاگ اٹھے وہ ایک دم اس کی مدد کو پہنچ گئے اپنے لئے صورت حال خطرناک دیکھ کر چیتا راہ فرار اختیار کر گیا۔ اس شخص کے زخم زیادہ تشویش ناک نہ تھے گاؤں کے دیدنے اس پر بعض جڑی بوٹیوں کی مرہم لگادی جس کے بعد وہ اپنے سفر پر روانہ ہو گیا پجاری کی یہ باتیں سن کر میں نے داہیدھر میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ گردو پیش کے دیہات کے لوگ ہر روز مندر میں اور وید کی دکان پر آیا جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ میری آمد کی خبر چاروں طرف پھیلا سکتے تھے اور جب آدم خور چیتا کسی انسان یا جانور کو ہلاک کرتا تو لوگوں کو مجھے تلاش کرنے میں آسانی رہتی۔

جب بڑھا پجاری شام کے قریب مجھ سے رخصت ہونے لگا تو میں نے اس سے پوچھا ”مہاراج گردو پیش کے علاقے میں کون سی جگہ شکار کے لئے موزوں رہے گی۔ کیونکہ میرے

مندر کا شیر

”مندر کے شیر نے پورے علاقے میں تباہی پھیلا رکھی ہے صاحب۔ مندر کا پجاری بولتا ہے۔ اسے بھگوان کی آشرवाद ہے۔ اس نے ایک بے چارے گوڈ کی بیوی کو سہاگ رات کے وقت جھونپڑے سے اٹھالیا اور اسے پہاڑی میں لے جا کر کھاتا رہا۔ صاحب میں نہیں مانتا کہ اس درندے کو بھگوان نے طاقت دی ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے آپ آجائیں۔ داہیدھر کے غریب آپ کے انتظار میں ہیں۔“ مجھے اور سیر کا یہ پتر ملا تو میں نے داہیدھر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ ویسے بھی اس علاقے میں پہلے بھی آچکا تھا۔

جو شخص کبھی داہیدھر نہیں گیا وہ اس کے گردو پیش کے مناظر کے حسن کا اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔ یہاں پر تمام کے پہاڑ کی چوٹی کے قریب ایک ریٹ ہاؤس ہے۔ اس ریٹ ہاؤس کے برآمدے میں کھڑے ہو کر آپ جدھر نظر اٹھائیں گے آپ کو ازلی وابدی حسن کے طلسمی نظارے دکھائی دیں گے۔ ریٹ ہاؤس سے دریائے پانار کی ڈھلوان شروع ہو جاتی ہے۔ اس وادی سے پرے پہاڑیوں کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ ابدی برف میں کھو جاتا ہے۔

مینی تال سے ایک غیر ہموار اور پیچیدہ سڑک لوہر گھاٹ کی طرف جاتی ہے۔ جو داہیدھر کے اندر سے ہو کر گزرتی ہے۔ اسی سڑک کی ایک شاخ داہیدھر کو لموڑا سے ملاتی ہے۔ اسی موخہ الذکر سڑک پر میں آدم خور چیتے کا شکار کھیل رہا تھا کہ مجھے محکمہ تعمیرات کے ایک اور سیر نے بتایا کہ اس چیتے نے داہیدھر کے ایک شخص کو ہلاک کر دیا ہے لہذا میں داہیدھر کی سمت چل پڑا۔

اپریل کی ایک گرم دپہر کو ابھی میں داہیدھر کے ریٹ ہاؤس میں پہنچا ہی تھا اور چائے سے خود کو تازہ دم کر رہا تھا کہ داہیدھر کے مندر کا پجاری میرے پاس آیا۔ دو برس پہلے جب

آدمیوں نے کئی دن سے گوشت نہ چکھا تھا اور دابیدھر میں کسی قیمت پر گوشت ملنا محال ہے۔“

”جی ہاں یہاں مندر کا شیر جو ہے۔ اس وجہ سے دوسرا کوئی جانور یہاں نہیں رہتا۔“

میری اس یقین دہانی پر کہ اس کے شیر کو ہلاک کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں اس نے تہقہہ لگایا۔

”جناب آپ اسے بے شک ہلاک کر دیں۔ مجھے کئی اعتراض نہ ہوگا مگر نہ تو آپ اور نہ ہی کوئی دوسرا شکاری اسے ہلاک کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔“

پجاری کے لہجے میں چیلنج بھی تھا اور تنبیہ بھی۔ اس طرح مجھے دابیدھر کے مندر کے شیر کا پتا چلا جس نے مجھے شکار کا ایک دلچسپ تجربہ بخشا اور جسے میں اب آپکے سامنے بیان کروں گا۔

اگلی صبح میں لوہر گھاٹ کی طرف اس غرض سے نکل گیا کہ آدم خور چیتے کے بچوں کے نشان تلاش کر سکوں یا اس کے متعلق گرد پوش کے دیہات کے لوگوں سے کچھ معلومات فراہم کر سکوں کیونکہ چیتا رات کو اس مسافر پر حملہ کر کے اس سمت گیا تھا۔

جب میں دوپہر کو کھانے کی غرض سے ریٹ ہاؤس آیا تو میں نے ایک شخص کو اپنے ملازم سے باتیں کرتے دیکھا۔ اس آدمی نے مجھے بتایا کہ رات کو اسے پجاری سے پتا چلا تھا کہ میں شکار کھیلنا چاہتا ہوں اور وہ مجھے چند بارہ سینگوں کا اتا پتا دینے آیا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ کھانے کے بعد میں اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔ کھانے کے بعد حسب وعدہ میں اس کے ساتھ ہولیا۔ میرے پاس بالکل نئی بندوق تھی جو کچھ عرصہ پہلے میں کلکتہ سے اپنے ایک اسلحہ فروش دوست کی دکان سے خریدی تھی۔ وہ بندوق مارکیٹ میں بالکل نئی تھی اور لوگ اس کے نام سے پہلے واقف نہ ہونے کی بنا پر اسے خریدنے سے گریز کرتے تھے۔ میں نے بھی وہ بندوق اس شرط پر خریدی تھی کہ اگر وہ خاطر خواہ نتائج برآمد نہ کر سکی تو میں اسے واپس کر جاؤں گا۔

دابیدھر کے جنوب کی سمت کی پہاڑیوں کی دھلوان شمال کی پہاڑیوں کی دھلوان کے مقابلے میں کم خطرناک ہے۔ ہم دیودار کے درختوں میں سے گزرتے ہوئے شمال کی سمت ہی جا رہے تھے۔ وادی کے مشرق کی سمت گھاس کے ایک قطعے کی سمت جو گنجان جنگل سے گھرا ہوا تھا

اشارہ کرتے ہوئے اس شخص نے کہا کہ بارہ گھنٹے یہیں چرنے آتے ہیں۔

اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس وادی کے دائیں طرف ایک پگڈنڈی ہے جو دابیدھر اور اس کے گاؤں کو آپس میں ملاتی ہے اور اس پگڈنڈی سے اس نے بارہ سینگوں کو اس قطعے میں گھومتے پھرتے دیکھا تھا۔ میری رائفل پانچ سو گز تک مار سکتی تھی۔ چونکہ اس پگڈنڈی اور گھاس کے قطعے کا درمیانی فاصلہ بمشکل تین سو گز تھا لہذا میں نے وہیں بیٹھ کر شکار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب ہم وہاں بیٹھے باتیں کر رہے تھے تو میں نے سامنے قدرے بائیں طرف چند گدھ آسمان پر منڈلاتے دیکھے۔ میں نے اپنے ساتھی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جس پر اس نے کہا کہ گھاس کے قطعے کی دوسری طرف ایک گاؤں ہے ممکن ہے وہاں کوئی مویشی مر گیا ہو اور گدھ اس کی لاش کو ہضم کرنے کی فکر میں ہوں اس کی اس تشریح سے میری تسلی نہ ہوئی اور ہم دونوں اس گاؤں کی سمت چل پڑے۔

وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ گاؤں فقط ایک جھونپڑی پر مشتمل تھا جھونپڑی سے پرے کچھ فاصلے پر ایک نیل مرا پڑا تھا اور گدھ اس کا گوشت نوچ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر ایک آدمی جھونپڑے سے باہر نکلا ہمارا پر تپاک خیر مقدم کرتے ہوئے اس نے پوچھا کہ میں کہاں سے آیا ہوں۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں نیلی تال کے آدم خور چیتے کا شکار کرنے آیا ہوں تو اس نے بڑے تاسف کا اظہار کیا اور کہا۔

”کاش اسے کل میری آمد کا پتا چل جاتا تب آپ اس شیر کو شکار کر سکتے تھے جس نے میرا نیل ہلاک کیا ہے۔“

اس نے مجھے بتایا کہ اس کے پندرہ مویشی کھیت میں بندھے ہوئے تھے رات کو شیر آیا اور اس کا ایک نیل ہلاک کر کے چلا گیا اس کے پاس کسی قسم کا اسلحہ نہ تھا لہذا وہ پجاری کے عالم میں نیل کو شیر کی نظر ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔

میں نے اس سے پوچھا اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ دابیدھر کے علاقے میں شیر رہتا ہے تو

پھر تم نے اپنے مولیٰ کھلے کھیت میں کیوں باندھے۔ اس پر اس نے جواب دیا۔

”صاحب اس سے پیشتر شیر نے کبھی کسی پالتو مولیٰ کو نقصان نہ پہنچایا تھا۔“

جب میں وہاں سے جانے لگا تو اس شخص نے پوچھا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میں نے اسے بتایا کہ بارہ سینگوں کا شکار کرنے اس نے ملتی نگاہوں سے دیکھا اور کہنے لگا۔

”اس وقت بارہ سینگوں کا خیال ترک کر کے شیر کا شکار کرو۔ آپ جانتے ہیں کہ میری ملکیت بڑی چھوٹی سی ہے اگر شیر اسی طرح میرے بیلوں اور بھینسوں کو ہلاک کرتا رہا تو میں اور میرے بال بچے بھوکوں مر جائیں گے۔“

گدھ مردہ بیل ختم کر چکے تھے لیکن اس سے کوئی فرق نہ پڑتا تھا کیونکہ گزشتہ رات شیر کو اپنے شکار کی خاطر کسی قسم کی دقت نہ اٹھانی پڑی تھی اس بناء پر میرا خیال تھا کہ وہ آج رات کو بھی آئے گا۔ میرا ساقی بھی اب بارہ سینگوں کی بجائے شیر کے شکار کو ترجیح دینے لگا تھا۔ میں ان آدمیوں کو وہیں چھوڑ کر یہ معلوم کرنے کی خاطر چل پڑا کہ شیر کس سمت گیا تھا گاؤں کے آس پاس کوئی درخت نہ تھا جس پر میں اپنی چان تیار کر سکتا تھا۔ لہذا میں چاہتا تھا کہ شیر کو اس کی واپسی پر راستے ہی میں جا ملوں۔ وہاں کی زمین بڑی سخت تھی جس پر شیر کے پنوں کے نشان دکھائی نہ دیتے تھے۔ دو دفعہ گاؤں کے گرد چکر کاٹنے کے بعد میں پاس ہی پہنچنے والی برستانی ندی کی سمت چل پڑا۔ وہاں ہموار مندار زمین پر ایک بڑے شیر کے پنوں کے نشان موجود تھے۔ ان نشانات سے پتا چلتا تھا کہ شیر اپنا شکار کھانے کے بعد ندی کی بالائی سمت اتر گیا تھا۔ اور یہ فرض کر لینا بے جا نہ تھا کہ اسی سمت سے واپس آئے گا۔

جھونپڑی وہاں سے تیس گز کے فاصلے پر تھی۔ ندی کے جس کنارے پر میں نے شیر کے پنوں کے نشانات دیکھے تھے وہیں ایک دیودار کا درخت بھی تھا۔ جس پر جنگلی گلوب کی ایک بیل چڑھی ہوئی تھی۔ درخت ایک موٹا سا تنادی پر جھکا ہوا تھا۔ رائفل کو زمین پر رکھ کر میں درخت کے اوپر چڑھ گیا اور اس کا بغور معائنہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ وہاں دشاخوں کے درمیان

برے آرام سے بیٹھا جاسکتا تھا۔ جھونپڑی میں واپس آ کر میں نے ان دونوں دیہاتیوں کو بتایا کہ میں اپنی بھاری رائفل لینے کی خاطر ریٹ ہاؤس جا رہا ہوں۔ لیکن میرے راہبر نے بڑی زندہ دلی دے کہا کہ میں یہ تکلیف نہ کروں وہ خود ہی یہ رائفل مجھے لادے گا۔

اسے ضروری ہدایات دینے کے بعد میں اس دیہاتی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی باتیں سننے لگا کہ اسے کس طرح اپنے سر پر گھاس پھوس کی چھت کا سایہ قائم رکھنے کے لئے فطرت اور جنگلی جانوروں سے نہر آزمائی کرنی پڑی ہے اور جب میں نے اس سے پوچھا کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر کہیں اور کیوں نہیں چلا جاتا تو اس نے کہا کہ یہی تو میرا گھر ہے اسے چھوڑ کر وہ کہاں جائے۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا کہ میں جھونپڑی کی سمت دو آدمی آتے دیکھے ان میں سے ایک کے پاس بندوق نہ تھی۔ ان میں سے ایک بالاسنگھ تھا جس نے ہاتھ میں لالٹین اٹھا رکھی تھی۔ بالاسنگھ نے مجھے بتایا کہ وہ میری بھاری رائفل نہ لایا تھا کیونکہ اس کے کارتوس سوٹ کیس میں بند تھے۔ اور میں اس سوٹ کیس کی چابی بھیجتا بھول گیا تھا لہذا اب شیر کوئی رائفل سے ہی شکار کیا جاسکتا تھا۔

درخت پر چڑھنے سے پہلے میں نے کسان سے کہا کہ ”دیکھو میری کامیابی کا انحصار اس امر پر ہے کہ تو اپنے دونوں بچوں کو خاموش رکھے اور بیوی کو اس وقت تک چولہا نہ جلانے دے جب تک کہ میں شیر کا شکار نہ کر لوں یا جب تک میں یہ فیصلہ نہ کر لوں کہ شیر نہیں آ رہا۔“

بالاسنگھ کو میں یہ ہدایات دیں کہ وہ جھونپڑی کے مینوں کو خاموش رکھے اور جب میں سیٹی بجائوں تو لالٹین روشن کر دے اس کے بعد میری مزید ہدایات کا منتظر رہے۔

جب سورج کا آخری شعلہ بھی پہاڑیوں کی اوٹ میں چھپ گیا تو اس کے ساتھ ہی وادی میں چچانے والے ہزاروں پرندوں کی آوازیں تھم گئیں شفق گہری ہونے کے ساتھ ہی پہاڑی کے اپر ایک البو بولنے لگا۔ چاند طلوع ہونے سے پہلے نیم تاریکی کا ایک چھوٹا سا وقفہ آیا۔ یہ وقفہ آتے ہی جھونپڑی کے کلین مردوں کی طرح خاموش ہو گئے۔ میں نے مضبوطی سے اپنی رائفل

پکڑ رکھی تھی اور ایک اندھیرے میں دیکھنے کے لئے آنکھوں پر زور دے رہا تھا۔ کہ شیر میرے درخت کے نیچے سے گزرنے کی بجائے پرے سے گزر کر اپنے گزشتہ شب والے شکار کے پاس گیا اور وہاں فقط ہڈیوں کا ڈھانچہ دیکھ کر غصے میں آگیا۔ وہ مدھم آواز میں گدھوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ جو اس کے شکار پر ہاتھ صاف کر گئے تھے۔ وہ تین چار منٹ تک بڑا بڑا تاربا اور پھر اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

چاندنی لمحہ بہ لمحہ تیز ہو رہی تھی۔ چند منٹ بعد چاند سامنے والی پہاڑی کی چوٹی پر کھڑا تھا نیل کی ہڈیاں چاندنی میں سفید چمک رہی تھیں مگر شیر کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا شدت احساس سے میرے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ میں نے اس پر زبان پھیر کر انہیں نمدار کیا اور پھر آہستہ سے سیٹی بجائی۔

بالاسنگھ پہلے ہی چونکا بیٹھا تھا اس نے فوراً لائین روشن کر دی اور جھونپڑی کا دروازہ کھول کر باہر کھڑا ہو کر اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔ جب سے میں اس درخت پر بیٹھا تھا اس سیٹی کے سوا میں نے کوئی آواز نہ نکالی تھی۔ اور اب جو میں نے نیچے دیکھا تو شیر شفاف چاندنی میں درخت کے نیچے کھڑا تھا اور اپنے داہنے کندھے پر سے بالاسنگھ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میری بددق کی نالی اور شیر کے سر کے درمیان پانچ فٹ سے زیادہ کا فاصلہ نہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ اب شیر میری مٹھی میں ہے اور مری ایک ہی گولی اسے ٹھنڈا کر دے گی میں نے بڑے اعتماد سے نشت باندھی اور رائفل کی لمبی دہادی لمبی میری انگلی کے نیچے سے پھسل کر رہ گئی اور کچھ بھی نہ ہوا۔

خدا یا میں کس قدر غیر محتاط واقع ہوا تھا۔ درخت پر بیٹھنے سے پہلے میں نے رائفل میں کارتوس بھرے تھے۔ کارتوسوں کو باہر نکال کر ان کا معائنہ کرنے کی غرض سے میں نے رائفل کھولی تو کارتوس اپنی جگہ پر فٹ تھے تو پھر کیا وجہ تھی کہ گھوڑا دبانے پر اس نے چلنے سے انکار کر دیا تھا؟ اس کی وجہ مجھے بہت بعد سمجھ آگئی۔ اگر بددق پرانی ہوتی تو میں اپنی غلطی کو فوراً درست کر لیتا بددق کو دوبارہ درست کر کے میں نے ابھی اس کا گھوڑا نہ دبایا تھا کہ وہ خود بخود چل اگئی۔ ایک زور

دار دھماکہ ہوا اور شیر چھلانگ لگا کر نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ میں نے جلدی سے بالاسنگھ کی طرف دیکھا تو وہ بھاگ کر جھونپڑے کے دروازے کے اندر داخل ہو رہا تھا۔

اب درخت پر بیٹھنا فضول تھا۔ میں نے بالاسنگھ کو آواز دی تاکہ درخت سے اترنے میں میری مدد کر سکے۔ جھونپڑی میں آکر میں نے جو رائفل کا بغور معائنہ کیا تو جس دکان سے میں نے اسے خریدا تھا اس دکاندار کی مجھے ایک نصیحت یاد آگئی جو اس رائفل کے متعلق اس نے کی تھی۔ وہ دہرے سٹم والی رائفل تھی اور جب تک اس کے دونوں تالے نہ کھولے جاتے وہ نہ چل سکتی تھی یہ نکتہ میرے ذہن سے بالکل نکل گیا تھا اور جب میں نے اپنی ناکامی کی وجہ بالاسنگھ کو بتائی تو وہ خود کو ملامت کرنے لگا کہ اگر میں آپ کی بھاری رائفل اور سوٹ کیس دونوں یہیں اٹھالاتا تو ایسا ہرگز نہ ہوتا۔ اس وقت میں اس سے متفق ہو گیا لیکن بعد میں جب دن گزرتے گئے تو مجھے یقین ہو گیا کہ اگر اس شام میرے پاس بھاری بددق ہوتی تو شاید پھر بھی میں اس شیر کا شکار نہ کر سکتا۔

اگلی صبح آدم خور شیر کے متعلق کوئی نئی خبر حاصل کرنے کی خاطر بڑی دیر تک نواحی علاقوں میں پھرتا رہا اور جب ریسٹ ہاؤس میں آیا تو ایک شخص بڑی بے تابی سے میرا انتظار کر رہا تھا اس شخص نے بتایا کہ شیر نے ابھی ابھی اس کی ایک گائے ہلاک کر دی ہے۔ اس گائے نے نیا نیا پچھڑا جنا تھا۔ اور اب دودھ نہ ملنے کی صورت میں پچھڑا کی موت کا بھی خدشہ تھا کیونکہ اس وقت اس کی اور کوئی گائے دودھ بھی نہ دیتی تھی۔

گزشتہ شب شیر کو اس کی خوش قسمتی نے بچا لیا تھا لیکن آخر کب تک قسمت اس کا ساتھ دے گی۔ ان سب شکاروں کا حساب اس کو اپنی موت کی صورت میں دینا پڑے گا۔ اس پہاڑی علاقے میں مویشی پہلے ہی کم تھے اور ایک مویشی کا ہلاک ہو جانا بڑا سنجیدہ مسئلہ تھا اس شخص کو اپنے دوسرے مویشیوں کا کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ وہ بھاگ کر اس کے گاؤں پہنچ چکے تھے۔ لہذا اس نے مجھے کہا کہ میں بڑے آرام سے کھانا کھاؤں دو پہرے کے ایک بجے کھانے سے فارغ ہو کر میں اس شخص کے ساتھ ہولیا۔ میرے دو آدمی مچان کا سامان اٹھائے ہمارے پیچھے چل رہے تھے۔

ہمارا قریبی راستہ پہاڑی کی چوٹی پر سے گزرتا تھا لیکن میں شیر کے کام میں مغل نہ ہونا چاہتا تھا لہذا ہم نے پہاڑی کے گرد چکر کاٹ کر اس جگہ پہنچنے کا فیصلہ کیا جہاں گائے ہلاک ہوئی تھی۔ راہ میں مندار زمین پر بھگوڑے مویشوں کے کھروں کے نشان موجود تھے۔ ان پر چلتے ہوئے ہم جائے حادثہ پر پہنچ گئے۔ وہاں خون کا ایک تالاب تھا۔ اس کے اندر گائے کو گھسیٹنے کی کشادہ لکیر موجود تھی یہ لکیر کوئی دوسو گز تک جا کر ایک ندی کے کنارے ختم ہو جاتی تھی۔ وہاں گھنے درخت تھے۔ ندی میں پاپوں پاؤں پانی تھا۔ شیر نے اپنا شکار لے کر ندی کے کنارے گھنے درختوں میں کہیں چھپایا تھا۔ گائے صبح کے کوئی دس بجے ہلاک ہوئی تھی۔ شیر کی اولین خواہش یہی ہوگی کہ اپنے شکار کو کسی ایسی جگہ چھپا دے جہاں اسے کوئی نہ دیکھ سکے لہذا وہ اپنا شکار درختوں کے جھنڈ میں چھپا کر ندی سے گزر کر وادی میں واپس گیا تھا۔

ایک ایسا علاقہ جہاں انسان اور مویشی عام چلتے پھرتے ہوں وہاں اس قسم کا اندازہ کرنا کہ شیر کہاں لیٹا ہوگا بعید از قیاس ہے کیونکہ ہلکی سے مدافعت سے بھی وہ اپنی جگہ بدل لیتا ہے اگرچہ شیر کے پنچوں کے نشانات وادی میں اتر گئے تھے لیکن میں اور میرے آدمیوں نے بڑی احتیاط سے ندی کے کنارے تک چل کر رک جانا مناسب جاسمجا۔

یہ ندی کوئی دوسو گز شمال سے ایک ایسے تالاب سے شروع ہوتی تھی جس میں بارش کا پانی جمع ہوتا رہتا تھا یہاں کوئی پندرہ فٹ لمبا ایک گڑھا تھا جس کے دہانے پر گھاس وغیرہ لگی ہوئی تھی۔ ہمارا پہلا انداز غلط نکلا۔ شیر نے ندی کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں اپنا شکار چھپانے کی بجائے موخر الذکر گڑھے میں چھپا رکھا تھا۔ اپنی گائے کو سامنے مردہ دیکھ کر اس دیہاتی کی آنکھوں میں آنسو آگئے میرے پاس ہمدردی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ شیر نے ابھی تک گائے کو چھو اتک نہیں تھا اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ شیر اسے بڑے آرام سے کھانا چاہتا تھا۔

ہمیں اب اس سورخ کے آس پاس کسی ایسی جگہ چنان تیار کرنی تھی جہاں آرام سے بیٹھا جاسکے مگر وہ سب گڑھے سے دور اور وہاں سے ٹھیک طرح سے گولی نہ چلائی جاسکتی تھی دیے

ان پر چڑھنا مشکل تھا۔ گڑھے سے تیس گز کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا مضبوط درخت ندی کی بائیں سمت کھڑا تھا۔ اس کی شاخیں گھیری تھیں۔ زمین سے صرف چھ فٹ اوپر جا کر درخت کا تنادو شاخوں میں بٹ جاتا تھا جن کے درمیان میں آسانی سے بیٹھ سکتا تھا۔ یہ جگہ زمین کے اس قدر قریب تھی کہ میرے ساتھیوں نے میرے وہاں بیٹھنے پر احتجاج کیا لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا۔ اپنے ساتھیوں کو وہاں سے روانہ کرنے سے پہلے میں نے انہیں ہدایت کی کہ وہ گزشتہ شب والی جھونپڑی میں چلے جائیں اور وہاں اس وقت تک میرا انتظار کریں جب تک میں انہیں آواز نہ دوں یا ان کے پاس نہ چلا جاؤں وہ جھونپڑی وہاں سے زیادہ دور نہ تھی۔ اور درخت کی شاخوں میں سے وہ صاف دکھائی دے رہی تھی۔

میرے ساتھی شام کے چار بجے کے قریب رخصت ہو گئے۔ میں درخت کی شاخوں میں چھپ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ میں جانتا تھا کہ مجھے خاصی دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ تجربات سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شیر سورخ غروب ہونے سے پہلے یہاں نہ آئے گا۔ میری بائیں سمت ندی کوئی پچاس گز تک دکھائی دے رہی تھی جو میرے سامنے کوئی دس گز کے فاصلہ پر بہہ رہی تھی۔ یہ ندی دس فٹ گہری اور بیس فٹ چوڑی تھی۔ میرے سامنے درختوں سے خالی پہاڑی چٹانیں تھیں۔ میری دائیں طرف وہ گڑھا تھا جہاں شیر اپنا شکار چھپا گیا تھا۔

مردہ گائے میری نظروں سے اوجھل تھی کیونکہ لمبی لمبی گھاس نے اسے ڈھانپ رکھا تھا میری پشت پر لمبی لمبی گہری جنگلی گھاس تھی جو میرے درخت تک آئی ہوئی تھی اور اسی گھاس نے گائے کو بھی چھپا رکھا تھا۔ شیر اپنا شکار یہاں چھپانے کے بعد ندی میں سے گزر کر وادی کی دوسری سمت چلا گیا تھا اور اس کی واپسی کا امکان بھی اسی راہ سے تھا لہذا میں متواتر ندی کی سمت دیکھ رہا تھا میرا خیال تھا کہ جونہی شیر ندی کے اس کنارے سے نمودار ہو اس پر فوراً گولی چلا دوں گا۔

میرے گرد و پیش کئی قسم کے جانور اور پرندے تھے جو مجھے شیر کی آمد سے مطلع کر سکتے تھے۔ لیکن میرا یہ خیال غلط ثابت ہوا کیونکہ پرندوں اور جانوروں کی تنبیہی آواز کے بغیر میں نے

میں نے جنگلی درندوں کی نبرد آزمائی بہت کم دیکھی ہے یہ شاید میرا دوسرا تجربہ تھا۔
 گڑھے کے اندر شیر اور ریچھ ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہے تھے اور ان کی تیز خونخوار آوازیں
 آس پاس گونج رہی تھیں۔ مقابلہ زبردست تھا وقت ایک دم سانس روک کر کھڑا ہو گیا۔ شدت
 احساس سے میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ جنگ کوئی تین یا چار منٹ جاری رہی ہوگی بہر
 حال جب شیر نے سمجھا کہ وہ اپنے دشمن کو خاصا نقصان پہنچا چکا ہے تو وہ چھلانگ لگا کر گڑھے
 باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے چیختا ہوا ریچھ تھا۔ شیر ابھی میرے سامنے سے گزرا ہی تھا کہ میں نے
 بندوق اٹھا کر نشانہ باندھا اور گولی کی آواز پر شیر غصے سے گرجا اور پھر گھاس میں چھپ گیا چند لمحے
 وہ گھاس میں چلتا رہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میرا خیال تھا کہ گولی اس کے دل میں لگی تھی اور وہ
 وہیں ڈھیر ہو گیا تھا۔

اس قسم کے پہاڑی علاقے میں بندوق کی گولی کی آواز توپ کے گولے کی گرج سے کم
 نہیں ہوتی مگر اس گرج کا پاگل ریچھ پر کوئی اثر نہ ہوا وہ شیر کے تعاقب میں اندھا دھند میری سمت
 بھاگا چلا آ رہا تھا میں ایک ایسے جانور کو ہلاک نہ کرنا چاہتا تھا جس میں اتنے عظیم دشمن کو بھگا دینے
 کی جرات ہو لیکن اس کی میرے قریب تر آتی ہوئی منخوس چیخ میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی
 جا رہی تھی۔ جب وہ مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر رک گیا تو میں نے بندوق کی بائیں نالی کی ایک
 گولی اس کے ماتھے میں پیوست کر دی۔ وہ پیٹ کے بل آہستہ سے زمین پر لیٹ گیا اور پھر اٹھ نہ
 سکا۔

جہاں ایک لمحہ پہلے وہ دو خونخوار درندوں کی بہت ناک آوازوں سے جنگل گونج رہا تھا
 اب مکمل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔ میرا دل اپنی اصلی حالت پر آیا تو میں پائپ سلگا کر اپنے
 اعصاب کو بحال کرنے لگا۔ ابھی میں نے بندوق کو اپنے گود میں رکھا پائپ کے ایک ددکش لگائے
 ہی تھے کہ اپنے سامنے کچھ فاصلے پر شیر بھاگتا ہوا دکھائی دیا وہ میری طرف نہیں بلکہ اپنے مردہ دشمن
 کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچانک شیر کو اپنے شکار کے قریب غراتے ہوئے دیکھا۔ وہ میرے قریب سے گزرنے کی بجائے
 دوسری سمت سے وہاں پہنچ گیا تھا لیکن اس سے مجھے کوئی تردد نہ ہوا۔ میں تجربے سے خاصا جانتا تھا
 کہ شیر دن کے وقت اپنے شکار کے قریب جم کر کھڑا نہیں رہتا اور تھوڑی دیر بعد ضرور وہ کھلے میدان
 میں میرے سامنے آئے گا۔ اب وہ اپنا شکار کھا رہا تھا۔ ہڈیاں ٹوٹنے کی آوازیں آرہیں تھیں۔
 پندرہ منٹ گزر گئے اچانک میں اپنی بائیں سمت ایک کالا ریچھ آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ بہت بڑا ریچھ
 تھا۔ اچانک وہ رک گیا اور اپنی تھوئی ہوا میں بلند کر کے زور زور سے سونگھنے لگا۔ اس نے گوشت
 اور شیر کی بوسونگھ لی تھی۔

میں شکار کے دائیں سمت تھا چونکہ ہوا شمال سے جنوب کو چل رہی تھی اس لئے ریچھ میر
 ی بونہ سونگھ سکا تب اچانک وہ زمین پر لیٹ گیا اور چند لمحوں کے بعد بڑی احتیاط سے آہستہ آہستہ
 شیر کی سمت بڑھنے لگا۔ وہ ایک سائے کی طرح حرکت کر رہا تھا۔

جوں جوں وہ گڑھے کے قریب آ رہا تھا زیادہ محتاط ہوتا جا رہا تھا۔ جب وہ گڑھے سے
 چند قدم کے فاصلے پر رہ گیا تو پیٹ کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر وہ ریٹنگتا ہوا گڑھے کے کنارے
 پہنچ گیا اور اپنا سر اٹھا کر اس کے اندر جھانکنے لگا۔ شیر بڑے مزے سے اپنا شکار کھانے میں مصروف
 تھا۔ اب کیا ہوگا؟ شدت احساس سے میرا جسم ایک تنے ہوئے رے کی تھرار ہا تھا اور میرے
 ہونٹ اور حلق سوکھ گئے تھے۔

میں سوچ رہا تھا کہ ریچھ اس قدر احمق نہیں ہو سکتا کہ جنگل کے بادشاہ کے شکار میں غل
 ہو لیکن ریچھ کی حرکات میری سوچ کو غلط ثابت کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ چند لمحے ریچھ اسی گڑھے
 کے اندر جھانکتا رہا اور جب شیر ایک ہڈی توڑنے میں مصروف تھا اور شاید ریچھ اسی کا منتظر تھا وہ
 ایک زبردست چیخ مار کر گڑھے کے اندر کود گیا۔ اس چیخ کا مقصد میرے خیال سے شیر کو ہراساں
 کرنا تھا لیکن اس کا الٹا اثر ہوا۔ شیر ایک دم مشتعل ہو گیا کیونکہ ریچھ کی چیخ کے جواب میں مجھے ایک
 تیز گرج سنائی دی۔

میں جانتا ہوں کہ یہ واقعات پڑھ کر ایک اچھا شکاری بلا شعبہ مجھے ایک اناڑی شکاری ہونے کا الزام لگا دے گا۔ میرے پاس دفاع کی کوئی صورت نہ تھی لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ اپنی طرف سے میں پوری طرح ہوشیار تھا۔ جب میں نے شیر کی پشت پر گولی چلائی تھی تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میں نے اسے ڈھیر کر دیا ہے۔ میری دوسری گولی سے ریچھ چت ہو گیا تھا۔ لہذا اب میں بندوق کو دوبارہ بھرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا تھا۔

شیر کو بالکل ٹھیک ٹھاک دیکھ کر میں کوئی دو سیکنڈ حیرت میں غلطاں رہا۔ اس کے بعد میں نے جلدی سے اس میں کار توں بھرا اب شیر مجھ سے کوئی چالیس گز کے فاصلے پر تھا اور اس کی رفتار بھی مدہم ہو گئی تھی۔ وہ سامنے والی پہاڑی پر اسی ڈگری کا زواہ بنائے ہوئے تھا۔ میں نے بندوق اٹھائی اور نشانہ باندھ کر داغ دی۔ گولی شیر کے منہ سے کوئی پانچ انچ نیچے چٹان پر لگی تھی جس کے باعث شیر گھبرا کر پیچھے گر پڑا تھا مگر اب کے پھر صاف بچ کر نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد پائپ پینے کے بعد میں ریچھ کو دیکھنے کی نیت سے درخت پر سے اترا۔ میرے خیال کے برعکس ریچھ بہت بڑا نکلا۔ شیر سے اس کی لڑائی واقعی قابل تحسین تھی۔ اس کی گردن اور جسم پر دانٹوں کے بڑے بڑے زخم تھے جن سے خون رس رہا تھا۔ ممکن تھا وہ ان زخموں کی زیادہ پرواہ نہ کرتا مگر اس کی ناک پر جو زخم آیا تھا اس نے اسے مشتعل کر دیا تھا۔ ہر زخم جانور ناک کے زخم کے متعلق بڑا احساس ہوتا ہے۔ اور اسے ایک طرح اپنی ہنک محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا اور میری پہلی گولی کی آواز کی پروانہ کرتے ہوئے اس نے شیر کا تعاقب جاری رکھا تھا۔

اب میرے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ میں ریچھ کی کھال اتارنے کے لئے اپنے آدمیوں کو بلاتا لہذا میں انہیں ملنے کے لئے جھوپڑی کی سمت چل پڑا۔ انہیں ساتھ لے کر میں شام سے پہلے ریست ہاؤس پر پہنچ جانا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس علاقے میں آدم خور چیتا بھی گھوم رہا تھا۔

جھوپڑی کے باہر کوئی ایک درجن آدمی مجھے بڑے غور سے آتا ہوا دیکھ رہے تھے اور

جب میں ان کے پاس پہنچ گیا تو حیرت کے مارے ان کی زبانیں گنگ تھیں۔ آخر بالا سنگھ کی زبان میں سکت آئی اور جب اس نے مجھے ساری بات سنائی تو مجھے اس پر حیرت نہ ہوئی کہ تمام آدمی مجھے کیوں اس طرح دیکھ رہے تھے۔ جیسے میں مردہ ہو کر جی اٹھا ہوں۔ آخر بالا سنگھ کہنے لگا۔

”آپ نے ہمیں جھوپڑی کے اندر ٹھہرنے کی نصیحت کی تھی اور جب ہم نے شیر کی پہلی گرج کے بعد آپ کی چیخ سنی تو ہمیں یقین ہو گیا کہ شیر نے آپ کو درخت سے نیچے گھسیٹ لیا ہے اور اب آپ زندگی کے لئے بے حد جدوجہد کر رہے ہیں اور جب شیر کی گرج بند ہو گئی اور آپ کی چیخ سنائی دیتی رہی تو ہم سمجھے کہ شیر آپ کو اٹھائے لے جا رہا تھا بعد میں ہم نے آپ کی بندوق کی دو گولیوں کی آواز سنی اس کے بعد تیسری آواز سے تو ہم بڑے شش و پنج میں پڑ گئے یعنی شیر کے منہ میں آیا ہوا انسان گولی کس طرح چلا سکتا ہے اور اب ہم آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ آپ اس طرف آتے ہوئے دکھائی دیئے جس کے سبب حیرت کے مارے ہماری زبانیں بولنا بھول گئیں۔“

بات یہ تھی کہ ریچھ اور انسان کی چیخ ایک دوسرے سے اس قدر ملتی ہیں کہ دور سے انسان ان میں امتیاز نہیں کر سکتا۔

تب میں نے ان سب کو شیر اور ریچھ کی خوفناک جنگ کے متعلق بتایا۔ ریچھ کی چربی عام طور پر گنٹھیا کہ علاج کے لئے بڑی مفید سمجھی جاتی ہے جب میں نے انہیں بتایا کہ مجھے چربی کی ضرورت نہیں تو وہ بے حد خوش ہوئے دوسری صبح ہم ریچھ کی کھال اتارنے چل پڑے میرے ساتھ آدمیوں کا ہجوم تھا جو ریچھ کی چربی کے خواہش مند تھے۔ علاوہ بریں ایک ایسے بہادر ریچھ کو دیکھنا چاہتے تھے جس نے شیر کو بھگا دیا تھا اس سے بڑا ریچھ میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا لوگوں نے ریچھ کی چربی آپس میں تقسیم کر لی اور اس کی کھال میں نے بالا سنگھ کو دے دی جسے حاصل کر کے وہ خود کو سب سے زیادہ خوش قسمت سمجھ رہا تھا۔

شیر اس گائے کو کھانے دوبارہ اس جگہ نہ آیا یوں بھی شام تک گدھا سے ختم کر چکے تھے۔ ریچھ کی چربی کی خبر تھوڑی دیر میں سارے نواحی علاقے میں پھیل گئی یہ خبر محکمہ جنگلات

کے ایک محافظ کے پاس بھی پہنچی۔ اس کا باپ کئی برس سے گھنٹیاں میں مبتلا تھا وہ چربی لینے کی خاطر دابیدھر کی سمت آ رہا تھا کہ راستے میں اسے چند مویشی بھاگتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے پیچھے پیچھے ایک نوجوان گدڑا تھا جس نے اسے بتایا کہ ابھی ابھی اس کی ایک اور گائے شیر نے ہلاک کر دی ہے۔

جب اس محافظ نے یہ خبر ہم تک پہنچائی تو میں اور وہ محافظ اس طرف چل پڑھے۔ اس وادی میں دیو دار کے درخت جگہ جگہ اگے ہوئے تھے۔ میں وادی کے کنارے پر کھڑا اپنے سامنے پھیلے ہوئے سبزہ کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ پھر میں اور وہ محافظ وادی میں اتر گئے۔ ٹھوڑی دور چل کر ہمیں خشک پتوں کا ایک ڈھیر دکھائی دی اگرچہ اس کے اندر سے گائے کے جسم کا کوئی حصہ دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ شیر نے گائے کو اس کے اندر چھپا کر رکھا ہے۔ بد قسمتی سے میں نے یہ بات اپنے ساتھی کو نہ بتائی بعد میں اس نے بھی مجھے بتایا کہ وہ اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ شیر اس طرح اپنے شکار کو چھپاتے ہیں۔ جب شیر اس طرح اپنا شکار چھپا دیتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ فی الحال کہیں آس پاس نہیں ہے۔ لیکن ہمیشہ فرض نہ کر لینا چاہئے اگرچہ وادی میں داخل ہونے سے پہلے میں نے اس کا بغور جائزہ لے لیا تھا لیکن اب میں اپنی طرف سے پورا احتیاط تھا۔

پتوں کے اس ڈھیر کے کچھ فاصلے پر ایک پہاڑی پینتالیس ڈگری کا زاویہ بنا رہی تھی۔ اسی پہاڑی کے اوپر چالیس گز کے فاصلے پر جھاڑیوں کا جھنڈ تھا۔ میں ان پہاڑیوں کو دیکھ رہا تھا کہ میری نظر شیر پر پڑ گئی جو وہاں زمین پر لیٹا تھا اور اس کی پشت میری سمت تھی اس کے سر کا ایک حصہ اور جسم کی ایک دھاری بھی مجھے دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے سر پر گولی چلانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور جسم پر گولی چلانے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ میرے سامنے ساری دو پہر اور شام پڑی تھی لہذا میں نے فیصلہ کر لیا کہ چھپ کر شیر کے ادھر آنے کا انتظار کروں۔ ابھی میں نے یہ فیصلہ کیا ہی تھا کہ مجھے اپنی بائیں سمت ایک حرکت سی دکھائی دی۔ سر پھیر کر میں نے دیکھا تو ایک ریچھ پتوں کے ڈھیر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہمراہ اس کے دو بچے بھی تھے۔

شاید ریچھ نے شیر کو شکار کرتے دیکھ لیا تھا اور اب موقع پا کر اس کے شکار پر ہاتھ صاف کرنا چاہتا تھا اگر میں شیر کے شکار کے قریب کھڑا ہونے کی بجائے وادی کے کنارے پر کھڑا ہوتا تو ایک دلچسپ منظر دیکھنے کو ملتا۔ ریچھ نے شیر کا شکار ہضم کرنے کی کوشش کرنی تھی جس پر شیر نے بیدار ہو کر اس سے لڑائی کرنی تھی یقیناً یہ قابل دید لڑائی ہوتی۔

حکمہ جنگلات کا محافظ جواب تک میرے پیچھے کھڑا تھا اسے ابھی تک شیر دکھائی نہ دیا تھا وہ مجھے ریچھ کی سمت دیکھتے ہوئے خود بھی اس سمت دیکھنے لگا۔ ریچھ کو دیکھنا تھا کہ وہ ایک دم چلا اٹھا ”صاحب وہ دیکھو بھالو بھالو اس کی آواز سن کر شیر ایک دم اٹھا اور ایک ہی جست میں بجلی کی طرح آنکھ سے اوجھل ہو گیا مگر ایسا کرنے سے پہلے اسے بیس گز کھلی زمین کا ایک قطعہ طے کرنا تھا جب وہ وہاں سے گزر رہا تھا تو میں نے رائفل اٹھائی اور لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ جنگل کے محافظ نے یہ سمجھا کہ میں نے ریچھ کو نہیں دیکھا اور غلط سمت میں گولی چلانے لگا ہوں لہذا اس نے جلدی سے رائفل کی نالی پکڑ کر اس کا رخ ریچھ کی طرف کر دیا۔ بندوق کی گولی مجھ سے کچھ فاصلے پر ایک درخت میں لگی۔ غصے میں آنا بے سود تھا اور وہ بھی جنگل کا محافظ جواب تک پوری طرح بے خبر تھا۔ اس تاثر کے تحت تھا کہ اس نے میری توجہ ریچھ کی طرف مبذول کرا کے مجھے ایک آفت سے بچالیا ہے۔

گولی کی آواز سن کر ریچھ بھی چوکنہ ہو گیا اور وہ اپنے بچوں کے ہمراہ جلدی سے واوی میں غائب ہو گیا۔ میرا ساتھی یہی کہتا رہ گیا۔ مارو صاحب مارو۔ لیکن جب میں نے اسے ساری بات بتائی تو وہ ایک دم غمگین ہو گیا۔ وہاں سے ہم بنگلے پر واپس چلے گئے۔ دوسری صبح جب میں پھر اسی وادی میں گیا تو میرا یہ شبہ صحیح نکلا کہ شیر اب اپنا شکار کھانے نہ آئے گا جب میں وہاں پہنچا تو تینوں ریچھ شکار پر ہاتھ صاف کر چکے تھے اور بچی کھچی ہڈیاں گدھ نوچ رہے تھے۔

صبح ہوئے ابھی زیادہ دیر نہ ہوئی تھی۔ میں سامنے والی پہاڑی پر چڑھ کر اس سمت چلنے لگا

جہاں شیر گیا تھا۔ دوپہر کے عفت جب میں بنگلے میں لوٹ تو ایک شخص میرا منتظر تھا اس نے بتایا کہ شیر نے ایک اور گائے ہلاک کر دی ہے وہ شخص ایک مقدمے کے سلسلے میں الموڑا جبار ہاتھ اور اس نے راستے میں شیر کو گائے کا شکار کرتے دیکھا تھا۔ وہ راستے کا تھوڑا سا چکر لگا کر مجھے فقط یہ اطلاع دینے آیا تھا وہ میرے ساتھ تو نہ جاسکتا تھا مگر اس نے زمین پر نقشہ کھینچ کر بتا دیا کہ شیر نے کس جگہ گائے ہلاک کی تھی۔ اگر اس شخص کے نے صحیح نقشہ بنایا تھا تو یہ جگہ اس جگہ سے کوئی پانچ میل دور تھی جہاں کل شیر پر میں نے گولی چلائی تھی اب کی دفعہ اس نے ایک ندی کے کنارے شکار کیا تھا۔

گزشتہ دن شیر نے جہاں اپنا شکار کیا تھا اس نے وہیں رہنے دیا لیکن آج جب میں جائے حادثہ پر پہنچا تو شیر اپنا شکار گھیسٹ کر دور لے گیا تھا۔ یہ فاصلہ کوئی تقریباً دو میل دور کا ہوگا۔ اب گائے کے گھسنے کی لکیر درختوں کے گھنے جھنڈوں میں سے گزرتی تھی۔ تھوڑی دور آگے گیا تو گائے کی ایک پچھلی ٹانگ ٹوٹ کر دو درختوں کے درمیان پھنسی ہوئی تھی۔ چند قدم آگے چل کر سرسبز جھاڑیوں کے ایک گھنے جند میں شیر کا شکار پڑا تھا۔ اس نے اسے ڈھانپنے کی بھی کوشش نہ کی۔

دو میل کا فاصلہ یوں قیام ہو کر طے کرنے اور رائفل کے بوجھ سے میرا دم نکلا جبار ہاتھ اور میں پسینے میں شرابور تھا اور پیاس کے مارے میرا حلق خشک ہو رہا تھا کہ اتنا بڑا بوجھ اتنی دور گھیسٹنے سے شیر کو کس قدر پیاس لگی ہوگی۔ پیاس بجھانے کے ارادے سے میں ندی کی سمت چل پڑا۔ یہ وہ ندی تھی جس کے کنارے میں نے ریچھ کو ہلاک کیا تھا۔ وہ یہاں سے کوئی نصف میل دور تھی۔

میں ندی کے کنارے کھڑا تھا اس جگہ درختوں کا گھنا سا یہ تھا۔ ایک چٹان کے عقب سے چکر لگا کر میں ندی میں اترا ہی تھا کہ مجھ سے کوئی بیس گز کے فاصلے پر شیر ندی کے کنارے نرم نرم ٹھنڈی ریت پر سویا ہوا تھا۔ یہاں سے ندی دائیں سمت کو ایک دم مڑ جاتی تھی۔ اس کی پشت میری طرف تھی اور میں فقط اس کی پچھلی ٹانگوں اور دم کو دیکھ سکتا تھا۔ میرے اور شیر کے درمیان میں خشک شاخوں کی ایک دیواری تھی جو درخت کے نیچے کی سمت لٹکی ہوئی تھی۔ یہ شاخیں ہٹا کر میں شیر کی سمت جاسکتا تھا لیکن شاخوں کی ہلکی سی آواز سے بھی شیر بیدار ہو جاتا۔ دوسری طرف ریت پر سے گزر کر اس بھی اس تک پہنچنا مشکل تھا کیونکہ

کنارے کی ڈھلوان سے ریت کے سرکنے سے شیر جاگ جاتا اب میرے سامنے فقط یہی صورت تھی کہ وہیں بیٹھ کر اس بات کا انتظار کروں کہ شیر کب مجھے خود پر گولی چلانے کا موقع دیتا ہے۔

تھکاوٹ سے چور شیر پانی پینے کے بعد گہری نیند سو رہا تھا۔ نصف گھنٹے تک وہ اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا۔ تب اس نے دہنی سمت پہلو بدلا اور اس کی ٹانگیں کچھ مزید دکھائی دینے لگیں۔ اس حالت میں وہ کچھ دیر لیٹا رہا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ندی کے خم سے باہر نکل آیا۔

رائفل کے گھوڑے پر انگلی رکھے میں اس کے دوبارہ نمودار ہونے کا منتظر تھا کیونکہ اس شیر کا شکار میرے عقب میں پہاڑی کے پیچھے تھا۔ چند منٹ گزر گئے پھر ایک ہرن کی تیز آواز سنائی دی۔ اتنے میں ایک جنگلی مرغ بھی زور زور سے بولنے لگا۔ شیر جاچکا تھا۔ وہ کیوں چلا گیا تھا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اسے میری خوشبو آگئی ہوگی۔ ایسا نہیں تھا۔ خیر میرے لئے اس میں پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی وہ تھوڑی دیر میں ضرور اپنا شکار کھانے کے لئے آئے گا۔ جسے وہ اتنی مشکل سے یہاں تک گھیسٹ کر لایا تھا۔ ندی کے جس گڑھے سے شیر نے پانی پیا تھا میں نے بھی وہیں جا کر پانی پیا۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ پانی پینے کے بعد میں نے پائپ سلگا لیا۔

سورج غروب ہونے کے قریب تھا کہ میں گائے سے دس گز دور دائیں طرف دیوار کے ایک درخت پر چڑھ کر آرام سے بیٹھ گیا۔ شیر نے مغرب کی سمت اپنے شکار کے پاس آنا تھا اور میں نہ چاہتا تھا کہ اس کا شکار میرے اور اس کے درمیان ہو کیونکہ شیر کی بینائی بہت اچھی ہوتی ہے۔ درخت پر سے میں سامنے پھیلی ہوئی وادی اور اس کے پیچھے پہاڑیوں پر آگ بکھیر کر بجھنے والا تھا تو پہلے ایک بارہ گھنٹے کی آواز سنائی دی۔ شیر حرکت کر رہا تھا۔ اسے یہاں پہنچنے میں خاصی دیر لگتی تھی۔ اس کے باوجود اتنی روشنی متوقع تھی کہ میں بڑے آرام سے اس پر گولی چلا سکتا تھا۔

آگ کا گولا افق کے پیچھے چھپ گیا۔ شفق کی سرخ ختم ہو گئی۔ ہر طرف اندھیروں کی پھوار پڑنے لگی۔ ہر طرف ایک گہر سکوت محیط تھا۔ ستاروں کی روشنی ہمالیہ کے دامن سے بڑھ کر کہیں اور زیادہ چمکیلی نہیں ہوتی اس روشنی میں گائے کو بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ گائے کا سر میری

طرف تھا اور اگر شیر پیچھے سے اس کو کھانے لگتا تو میں اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ اس صورت میں شیر کو ہلاک کرنے کا پچاس فیصد امکان تھا۔ لیکن اسے فقط زخمی کرنا مجھے مقصود نہ تھا کیونکہ زخم مندمل ہو جاتے تو وہ آدم خور بن جاتا اب تک اس نے جنگل کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہ کی تھی۔ میں اسے فقط دیہاتیوں کی سہولت کے لئے ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

مشرق کی سمت سے روشنی آرہی تھی۔ درختوں کی شاخیں زمین پر مبہم سے سائے ڈال رہیں تھیں۔ تب چاند نکل آیا اور کھلی وادی میں چاندنی کا دھارا بہنے لگا۔ اب شیر کے آنے کا وقت تھا میں اسے دیکھ تو نہ سکتا تھا لیکن مجھے اس کی موجودگی کا احساس ہو رہا تھا وہ اپنے شکار سے پرے کھڑا مجھے دیکھ رہا تھا؟ یہ ناممکن تھا کیونکہ میں درخت کے اوپر اس طرح چھپا بیٹھا تھا کہ اس کا ایک حصہ بن کر رہ گیا تھا اور شیر کسی وجہ کے بغیر جنگل کے ہر درخت کو بغور نہیں دیکھتا۔

اس کے باوجود شیر وہاں موجود تھا اور مجھے دیکھ رہا تھا۔ اب اتنی روشنی تھی کہ میں گرد و پیش بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ میں نے بڑی احتیاط سے اپنے پاس کی زمین کا جائزہ لینا شروع کر دیا جب میں نے اپنا سر دائی طرف پھیر کر اپنے پیچھے دیکھنے کی کوشش کی تو میری نظر شیر پر پڑی۔ وہ اپنے پنوں کے بل بیٹھا تھا۔ منہ اپنے شکار کی طرف تھا مگر وہ سر پھیر کر میری طرف دیکھ رہا تھا جب اس نے مجھے اپنی سمت دیکھتے پایا تو اس نے اپنے کان ڈھیلے چھوڑ دیئے اور جب میں اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا تو اس نے پھر سے کان کھڑے کر لئے جیسے وہ خود کہہ رہا ہو۔

”خیر اب تم نے مجھے دیکھ ہی لیا ہے مگر اب تم کرو گے کیا؟“ اور میں واقعی کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ شیر پر گولی چلانے کی خاطر مجھے درخت پر پہلو بدل کر پہلے دائی طرف اور پھر عقب کی سمت مڑنا تھا لیکن ایسا کرنا شیر کو خبردار کرنے کے برابر تھا جو چندرہ فٹ کے فاصلے سے مجھے برابر گھورے جارہا تھا۔ اب اس پر گولی چلانے کا فقط ایک ہی امکان تھا اور وہ تھا بائیں کندھے کے اوپر سے۔ میں نے اس تجویز کو لباس عمل پہنانے کا فیصلہ کر لیا۔

رائفل میرے گھٹنوں پر پڑی تھی اور اس کا منہ بائیں سمت تھا۔ جب میں نے اسے

بڑی آہستگی سے اٹھا کر اس کا منہ ہولے ہولے اپنی دائی سمت پھیرنا شروع کر دیا تو شیر نے اپنا سر نیچا اور کان چوڑے کر لئے۔ میں وہیں رک گیا۔ اس پوزیشن میں شیر تب تک رہا جب تک میں اپنی جگہ سے بالکل نہ ہلا لیکن جب میں نے پھر رائفل گھمانی شروع کی تو وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا اور سایوں میں گھل گیا۔ شیر ایک دفعہ پھر مجھے مات دے گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ جتنی دیر تک درخت پر بیٹھا رہوں گا وہ واپس نہ آئے گا لیکن اگر یہاں سے چلا جاؤں تو ممکن ہے وہ لوٹ آئے اور چونکہ وہ ساری گائے فقط ایک رات میں نہ کھا سکتا تھا لہذا اگلے دن اس سے ٹکر لینے کا مجھے ایک اور موقع مل سکتا تھا۔

اب میرے سامنے یہ سوال تھا کہ رات کہاں بسر کروں۔ اس دن میں نے پہلے ہی کوئی بیس میل کا سفر کیا تھا۔ وہاں سے ریٹ ہاؤس آٹھ میل دور تھا وہاں تک پہنچنے کی مجھ میں سکت نہ تھی اور پھر راستے میں بھرپور جنگل تھا پھر میں نے سوچا کہ شکار سے دو تین سو گز کے فاصلے پر کھلی وادی میں سو جاؤں مگر مجھے آدم خور چیتے کا خیال آیا اور آدم خور چیتے ہمیشہ رات کو شکار کرتے ہیں۔ آخر مجھے دور مویشیوں کی گھنٹیاں بجنے کی آوازیں آئیں وہ دیہاتیوں کا کوئی بڑاؤ تھا۔ میں درخت سے اتر اور اس سمت چل دیا۔ تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گیا۔ تھکاوٹ کے مارے بری حالت ہو رہی تھی۔ دیہاتیوں نے میری حسب توفیق خاطر تواضع کی پھر میں چار پائی پر لیٹ کر پائپ پینے لگا۔

دوسری صبح سورج ابھی طلوع ہو رہا تھا کہ اپنے گرد و پیش کی آوازوں سے میری آنکھ کھل گئی۔ تین آدمی میرے پاس کھڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے گرم گرم تازہ دودھ سے بھرا ہوا ایک پیالہ پکڑ رکھا تھا۔ انہوں نے مجھے کھانے کی پیشکش کی مگر میں ان کی میزبانی کا شکریہ ادا کر کے یہ دیکھنے کی خاطر کہ شیر اپنا شکار کہاں لے گیا ہو گا پھر سے وادی کی سمت چل پڑا۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ گائے وہیں جوں کی توں پڑی تھی۔ گدھوں سے بچانے کی خاطر میں نے اسے شاخوں سے ڈھانپ دیا تھا اور تازہ دم ہونے کے لئے ریٹ ہاؤس کی سمت چل پڑا۔

ہندوستانی ملازم اپنے آقا کے بڑے وفادار ہوتے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کی غیر حاضری کے بعد جب میں وہاں پہنچا تو میرے ملازم نہ تو حیران ہوئے اور نہ ہی انہوں نے مجھ سے کوئی سوال پوچھا۔ غسل کے لئے گرم پانی تیار تھا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں ریٹ ہاؤس کے سامنے والے لان میں بیٹھ کر نظروں کے سامنے پھیلی ہوئی دلکش وادی سے لطف اندوز ہونے لگا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے۔

نئی تال سے تو میں پانار کے آدم خور چیتے کو ہلاک کرنے آیا تھا۔ وہی چیتا جس نے اس روز مندر کے چبوترے پر سوئے ہوئے مسافر کی ٹانگ کھینچی تھی۔ اس کے بعد اس کے متعلق کچھ نہ سنا گیا تھا لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بعض اوقات وہ چیتا کتنی کتنی مدت دابیدھر سے غائب رہتا ہے اور پھر ایک دن اچانک آجاتا ہے۔ آج کل وہ وہاں سے غائب تھا اور کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ کب واپس آئے گا میں تو اصل میں چیتے کو ہلاک کرنے آیا تھا اور اس میں مجھے ناکامی ہوئی تھی۔ اب دابیدھر میں بیٹھے رہنا میرے لئے کسی طرح سودمند نہ تھا۔ اس شیر کو ہلاک کرنا میں کسی طرح میں اپنی ذمہ داری محسوس نہ کرتا تھا لیکن اس کے سبب دیہاتیوں کو جو نقصان پہنچ رہا تھا اس کے پیش نظر میں نے اسے شکار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی اس نے جو نقصان پہنچایا تھا اس کا معاوضہ بھی ادا کیا تھا۔ مگر وہ ہر بار مجھے چکمہ دے گیا تھا۔ لیکن اتنا ضرور تسلیم کرتا ہوں کہ اس نے مجھے شکار کے نہایت دلچسپ تجربات سے روشناس کرایا تھا۔

اس کے ہاتھوں اپنی شکستوں کے باوجود مجھے اس پر کوئی غصہ نہ تھا وہ ایک نہایت ذہین شیر تھا اور میں نے اس جیسے شیر بہت کم دیکھے تھے۔ گزشتہ چار دن سے ہم ایک دوسرے سے نبرد آزما تھے اور ان چاروں دنوں میں میں بے حد تھک گیا تھا۔ لہذا میں نے آج کا دن آرام کر کے گزارنے اور اگلے دن نئی تال جانے کا فیصلہ کر لیا ابھی میں یہ فیصلہ کر ہی رہا تھا مجھے اپنے پیچھے ایک آواز سنائی دی۔

”سلام صاحب میں آپ کو بتانے آیا ہوں کہ شیر نے میری ایک اور گائے ہلاک کر دی

ہے۔“ شیر کو شکار کرنے کا ایک موقع ہاتھ لگا تھا میں نے سوچا خواہ میں اس دفعہ کامیاب رہوں یا ناکام بہر صورت کل نئی تال ضرور لوٹ جاؤں گا۔

انسانوں اور رینجوں کی مداخلت سے تنگ آکر شیر نے اپنی جائے شکار بدل لی تھی اور یہ آخری شکار اس نے دابیدھر کی مشرقی پہاڑیوں پر اس جگہ سے چند میل ادھر کیا تھا جہاں میں گزشتہ شب اس کے انتظار میں بیٹھا تھا یہ جگہ اونچی نیچی تھی اور کہیں کہیں ہی کوئی اکا دکا درخت دکھائی دیتا تھا۔ مشرقی پہاڑیوں کے نیچے ایک وادی تھی جس میں جھاڑیاں بکثرت تھیں اور ان کے درمیان کہیں کہیں گھاس کے قطعات تھے۔ انہیں قطعات میں سے ایک کنارے شیر نے گائے ہلاک کی تھی اور گھسیٹ کر بائیں سمت جھاڑیوں میں لے گیا۔ چند قدم چلنے پر وہ گائے مجھے نظر آگئی وہیں دیودار کا ایک درخت تھا میں نے اس کے اوپر بیٹھنے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے ملازم میرے ساتھ تھے وہ میرے لئے چائے بنانے میں مصروف ہو گئے۔ میں یہ سوچ کر شاید شیر کہیں آس پاس ہی نہ لیٹا ہوا اور اس پر گولی چلانے کا موقع مل جائے ادھر ادھر گھومنے لگا۔ یقین تھا کہ شیر یہیں کہیں وادی میں لیٹا ہوگا۔ میں ایک گھنٹے تک اسے تلاش کرتا رہا مگر وہ دکھائی نہ دیا۔ جس درخت پر میں نے بیٹھنا تھا اس کا تناقد رے باہر کی سمت جھکا ہوا تھا اس کے بڑے بڑے تنے پر زمین سے کوئی دو گز کے فاصلے پر گھنی شاخیں اگی ہوئی تھیں جس کے باعث درخت پر چڑھنا آسان نہ تھا مگر درخت پر چڑھنے کے بعد تنے کے نیچے والی گھنی شاخوں کے باعث بالکل دکھائی نہ دیتی تھی۔

شام کے چار بجے میں نے اپنے ملازم روانہ کر دیئے اور خود درخت کے اوپر زمین سے کوئی بیس فٹ کے فاصلے پر ایک آرام دہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ میں نے اپنے ملازموں سے کہا تھا کہ مشرقی پہاڑ کے قریب میرا انتظار کریں کیونکہ میں نے سوچا تھا کہ اگر شیر شام سے پہلے آگیا تو بہتر درندہ وہاں رات گزارنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔

گائے سرسبز کھلی زمین پر مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر پڑی تھی۔ اس کی پچھلی ٹانگیں

جھاڑیاں چھو رہی تھیں۔ وہاں بیٹھے ہوئے مجھے کوئی ایک گھنٹہ ہو گیا تھا میں اوپر نظریں اٹھائے آسمان پر سے گزرنے والے مختلف پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد گائے کو دیکھنے کی نیت سے میں نے جونہی سر پھیرا تو شیر کا سران جھاڑیوں سے نمودار ہوتا دکھائی دیا۔ جنہیں گائے کی پچھلی ٹانگیں چھو رہی تھیں۔ وہ لیٹا ہوا تھا اور اس کا سر زمین کے بہت قریب تھا اور آنکھیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس نے ایک بچہ بڑھایا اور پھر دوسرا اور تب بڑی آہستگی سے پیٹ کے بل رینگ کر اپنے شکار کے پاس آ گیا۔ یہاں کسی حرکت کے بغیر وہ چند منٹ لیٹا رہا۔ تب بدستور اپنی نظریں مجھ پر گاڑھے ہوئے اس نے منہ سے گائے کی دم کاٹی اور پھر اسے ایک طرف رکھا اور پھر کھانے لگا۔

تین دن پہلے رپچھ سے لڑائی کے بعد سے اس نے کچھ نہ کھایا تھا اور وہ بے حد بھوکا تھا۔ وہ یوں کھا رہا تھا جیسے کوئی آدمی سب کھاتا ہے۔

بندوق میری گود میں پڑی تھی اور اس کا منہ شیر کی سمت تھا میں نے فقط یہ کرنا تھا کہ اسے کندھے کے قریب لاکر گھوڑے کو دبانا تھا۔ یہ موقع مجھے اس وقت مل جاتا جب چند سیکنڈ کے لئے شیر اپنی نظریں ادھر ادھر کر لیتا۔

لیکن شاید اس نے میرے دل کی بات کو بھانپ لیا تھا اور اسے خطرے سے آگاہ تھا کیونکہ وہ مجھ پر نظریں ہٹائے بغیر اپنا شکار کھا رہا تھا۔ جب وہ کوئی دس بارہ سیر گوشت کھا چکا اور شیر کے عقب والی جھاڑی سے ایک بلبل بولنے لگا تو میں نے سوچا کہ میرے لئے یہ بہترین موقع ہے میں راقفل کو نہایت آہستہ آہستہ اٹھاؤں تو شاید شیر کو میرے ہاتھ کی جنبش کا پتہ نہ چلے اور جب بلبل تیزی سے بولنے لگا تو میں اپنی تجویز کو عمل پہنچانے لگا۔

ابھی میں نے بندوق کوئی چھانچ ہی اوپر اٹھائی تھی کہ شیر ایک دم پیچھے کی سمت ہٹ گیا جیسے کسی بڑے سپرنگ نے اسے پیچھے سے کھینچ لیا ہو۔

اب بندوق کندھے پر جمائے اور کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے میں منتظر تھا کہ شیر فقط لمحہ بھر

کے لئے اپنا سر جھاڑیوں سے باہر نکالے اور مجھے یقین تھا کہ وہ ایسا ضرور کرے گا۔ وقت گزرتا گیا اور پھر مجھے شیر کی آواز سنائی دی۔ وہ جھاڑیوں کے عقب سے دبے پاؤں چل کر میرے درخت کے نیچے آن کھڑا ہوا تھا اور اپنے اگلے بنوں سے میرے درخت کے اوپر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ میرے اور اس کے درمیان درخت کے دھانے کے گرداگی ہوئی جھاڑیاں تھیں۔ جن کے باعث میں اسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ شیر زور زور سے اپنے نیچے تنے پر مار کر اس کی چھال کھرچ رہا تھا۔

میں جانتا تھا کہ کوؤں اور بندروں کی طرافت کی حس ہوتی ہے۔ لیکن اس روز مجھے پتہ چلا کہ یہ حس شیر میں بھی موجود ہے نہ ہی میں یہ جانتا تھا کہ کوئی جنگلی جانور اس قدر خوش قسمت بھی ہو سکتا ہے جتنا یہ شیر تھا۔ گزشتہ پانچ دنوں میں اس نے پانچ گائیں ہلاک کی تھیں۔ میں نے کوئی آٹھ مرتبہ اسے دیکھا تو اور اب کوئی نصف گھنٹے تک میرے سامنے بیٹھ کر مجھے گھور کر اور اپنا شکار کھا کر میرے درخت کے گرد چکر لگا رہا تھا اور وہ منہ سے ایسی آوازیں رہا تھا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔

اس وقت مجھے مندر کے پجاری کے وہ فقرے یاد آئے جو اس نے برآمدے میں بیٹھ کر شیر کے متعلق کہے تھے۔

”صاحب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آپ بلاشبہ اسے شکار کرنے کی کوشش کریں لیکن نہ تو آپ اور نہ ہی آپ کا کوئی دوسرا شکاری اسے کوئی بھی شکار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔“

پجاری نے جو کہا تھا شیر اسے ثابت کر رہا تھا۔ یہ میرا اور شیر کا آخری مقابلہ تھا اس سارے وقت میں ہم دونوں کو کوئی ضرب نہ آئی تھی لیکن میں نہیں چاہتا تھا کہ شیر اسی طرح میرا مذاق اڑا کر آرام سے لوٹ جائے۔ میں نے بندوق گود میں لی اور دونوں ہاتھ ایک دوسرے میں دے کر شیر کے دہاں سے ہٹنے کا انتظار کرنے لگا۔ اتنے میں شیر پورے زور سے گر جا آس پاس کی پہاڑیوں میں گونج اٹھیں۔ تب شیر پوری طرح بھاگتا ہوا وادی سے نیچے اتر گیا۔ اتنے میں میرے آدمی بھی وہاں آپہنچے وہ کہنے لگے کہ ہم نے شیر کو بھاگتے ہوئے دیکھا ہے اس کی دم ہوا میں اٹھی

ہوئی تھی اور یہ دیکھتے اس درخت کا کیا حشر کیا ہے۔ کچھ دیر اور اگر شیر درخت کو یونہی نوچتا رہتا تو وہ گر ہی تو جاتا۔

دوسرے دن میں داہیدھر سے رخصت ہو گیا لیکن وہاں جانے سے پہلے میں نے اپنے دوستوں کو یقین دلایا کہ جب آدم خور چیتے کی سرگرمیاں بڑھ جائیں تو میں پھر آ جاؤں گا۔ بعد میں مجھے کئی دفعہ داہیدھر جانے کا اتفاق ہوا لیکن میں نے کسی سے بھی یہ نہ سنا کہ کسی شکاری نے مندر کے شیر کو ہلاک کیا ہے۔

(جم کاربٹ)

بوڑھی شیرنی

نیپال کی سرحد سے کوئی پندرہ میل دور ہندوستان کے گئے اور پرخطر جنگلات کا ایک بہت بڑا ٹھیکیدار تھا کہ ہنوت سنگھ، کھاٹھ بنگلہ میں رہتا تھا۔ اس وقت میری عمر بیس برس تھی۔ ہنوت سنگھ کی بیٹی للیتا دیوی کی عمر بھی بیس برس تھی۔ یہ لڑکی نہایت اچھی نشانہ باز اور شکاری تھی۔ میں نے انہی جنگلوں میں پہلا شیر مارا تھا۔ میرے بردار نسبتی انسپکٹر پولیس تھے۔ ان کی معرفت میرا ٹھاکر ہنوت سنگھ اور اس کی بیٹی سے تعارف ہوا تھا۔

ایک روز مجھے للیتا کا تار ملا..... ”آدم خور میں دلچسپی ہے تو جلدی پہنچو“..... اور یہ حقیقت ہے کہ مجھے للیتا سے زیادہ شیر میں دلچسپی تھی۔ میں نے سات روز کی چھٹی لی۔ بارہ بور کی دو نالی بدوق اور دیگر ساز و سامان باندھا، اگلے ہی روز کھاٹھ بنگلہ پہنچ گیا۔ ٹھاکر اور اس کی بیٹی للیتا نے پر جوش استقبال کیا۔ غسل اور کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو ٹھاکر نے اس شیر کی بھیا تک سرگرمیوں کی روئیدار سنائی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ یہ جنگل اس شیر سے زیادہ خطرناک ہے۔ جنگل کچھ ایسا گھنا اور بے ڈھب ہے کہ ہو سکتا ہے شیر چان باندھنے کی مہلت بھی نہ دے۔

کھاٹھ بنگلہ سے سولہ میل دور جنگل کے خطرات میں سر جیت پروا ایک گاؤں تھا۔ جہاں کا ٹھیکہ تھا کہ ہنوت سنگھ کے پاس تھا۔ یہ پندرہ سولہ جھونپڑوں کا گاؤں تھا۔ جہاں جنگل میں کام کرنے والے مزدور اپنے کنہوں سمیت رہتے تھے۔ میرے وہاں پہنچنے کے چند دن پہلے ایک عورت دروازے میں بیٹھی ہانڈی کے لئے سبزی کاٹ رہی تھی کہ ایک شیر نے اسے دبوچ لیا اور منہ میں اٹھا کر نہایت اطمینان سے چل پڑا۔ عورت کی چیخوں سے مرد کلہاڑیاں اور لٹھیاں لے کر باہر

نکلے۔ شیر عورت کو اٹھائے چلا جا رہا تھا۔ کسی کو آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور شیر جنگل میں روپوش ہو گیا۔ دوسرے روز لوگوں کو جنگل سے عورت کے جسم کے چند ایک حصے اور ہڈیاں ملیں۔

تیسرے ہی روز چودہ برس کی عمر کا ایک لڑکا جو ہڑ پر گائے کو پانی پلا رہا تھا کہ یہی شیر عقب سے حملہ آور ہوا اور لڑکے کو اٹھالے گیا۔ گائے اور دوسرے مویشی ڈر کر بھاگے اور تھر تھر کانپتے گاؤں میں داخل ہوئے۔ لوگ سمجھ گئے کہ کیا ہوا ہے۔ انہوں نے لڑکے کو تلاش کیا تو شام کے وقت ایک جگہ لڑکے کی چوڑی ہوئی کھوپڑی ایک ہاتھ اور دو تین پسلیاں ملیں۔ سارے گاؤں میں کہرام مچ گیا اور دہشت طاری ہو گئی۔ مزدور بال بچوں اور سامان کو اٹھائے گاؤں خالی کرنے لگے۔ یہ لوگ جانے کہاں کہاں کے رہنے والے تھے اور پیٹ کی خاطر ان جھوپڑوں میں جا آباد ہوئے تھے۔ وہ دو وقت کی روٹی کی خاطر خود اپنے بچوں کو شیروں سے مردانا نہیں چاہتے تھے۔ وہ گاؤں خالی کر کے کھاٹھ بنگلہ جا پہنچے اور ٹھاکر اور اس کی بیٹی کو بتایا کہ جب تک یہ شیر زندہ ہے گاؤں میں رہنا ممکن نہیں۔

میں جب وہاں پہنچا تو کھاٹھ بنگلہ کے برآمدوں اور لان میں مردوں اور عورتوں کا ہجوم تھا۔ عورتوں کے بین جگر چاک کر رہے تھے۔ میں نے ان سے وعدہ کیا کہ میں اس شیر کو یقیناً مار لوں گا۔ میں نے ان سے وعدہ تو کر لیا لیکن میں بھول گیا کہ میں کوئی ایسا پختہ شکار نہیں ہوں اور یہ جنگل بہت ہی گھٹا اور خطرناک ہے۔ مجھے اپنے ساتھ دو چار آدمیوں کی ضرورت تھی لیکن ہر اس ہجوم نے ایسا منظر بنا رکھا تھا کہ کوئی بھی میرے ساتھ جانے پر آمادہ نہ ہوا۔ ٹھاکر کے دو مسلمان شکاری بھی منہ موڑ گئے۔ میں آخر مسلمان تھا۔ مجھے مسلمانوں کی بزدلی پر غصہ آیا تو ان دونوں کو لعنت ملامت کی جس سے وہ میرے ساتھ چلنے پہ تیار ہو گئے مگر اس شرط پر کہ وہ سر جیت پر داسے ڈیڑھ میل دور ڈیرے ڈالیں گے اور بوقت ضرورت میری مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شیر کا مقابلہ مجھے اکیلے ہی کرنا پڑے گا۔ میں خطروں سے آگاہ تھا لیکن میں ہندوؤں سامنے بزدل نہیں بننا چاہتا تھا۔ میں نے دل کو تسلی دی کہ میں اکیلا نہیں ہوں۔ خدا میرے ساتھ ہوگا۔

للیٹا نوجوان لڑکی تھی۔ اسے میری جوانی پر رحم آ گیا۔ کہنے لگی کہ اکیلے نہ جاؤ۔ ٹھاکر نے بھی روکا مگر میں اس خیال سے کہ ہندہ یہ نہ کہیں کہ مسلمان بھی کم حوصلہ ہوتے ہیں اکیلے جانے پہ تیار ہو گیا۔

دوسری صبح ناشتہ کیا۔ پانی کی دو بوتلیں اور تین چار روز کا راشن باندھ کر جب میں موت کی مہم سر کرنے کو روانہ ہونے لگا تو فارسٹ رینجر صاحب آ گئے۔ جب انہیں پتہ چلا کہ میں اکیلا سر جیت پر جا جا رہا ہوں تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں جیسے وہ مجھے جن بھوت یا کوئی آحق آدمی سمجھ رہے ہوں۔ انہوں نے مجھے بہت ڈرایا اور اکیلے جانے سے روکا لیکن للیٹا کی مسکراہٹ نے میرے حوصلے کو اور زیادہ تقویت دے دی۔ اس نے بڑی ہی پیاری مگر قدرے سہمی ہوئی مسکراہٹ سے کہا۔

”مجھے یقین ہے آپ اس شیر کو مار ڈالیں گے۔“ جس انداز سے وہ مسکرائی وہ انداز مجھے لے ڈوبا اور میں موت کی وادی میں بے خطر کود پڑا۔

رات کے پچھلے پہر چار آدمیوں کے قافلے کے ساتھ میں روانہ ہوا۔ میں اونٹ پر سوار تھا۔ دو آدمیوں کے پاس جلتی ہوئی لالٹینیں تھیں۔ رات سخت سرد اور ہوا ساکن تھی۔ جنگل کی مختلف پر اسرار آوازیں بتا رہی تھیں کہ جنگل زندہ و بیدار ہے۔ صبح طلوع ہوئی اور ہمارا سفر جاری رہا۔ ساڑھے بارہ بجے ہم چودہ پندرہ میل کا فاصلہ طے کر کے ایک تنگ سے میدان میں پہنچے۔ میرے ساتھیوں کو یہیں پڑاؤ کرنا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک پگڈنڈی سے دکھا کر کہا کہ یہ راستہ سیدھا بحر جیت پر دیا جاتا ہے۔ وہ دراصل کہنا تو یہ چاہتے تھے۔

”جا بیٹا پڑھ جا سولی، ہم تو یہیں ڈیرے ڈالیں گے۔“

وہاں کھانا کھا کر میں نے پانی کی دو چھانگلیں اور کھانے پینے کا سامان کندھوں پر رکھا۔ بندوق تھامی اور اکیلے چل پڑا۔ بوجھ خاصا تھا اور کچھ ایسا ہی بوجھ دل پر تھا جسے آپ خوف بھی کہہ سکتے ہیں۔ میں نے آیتہ الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔ چلتے چلتے میں ایسے گھنے جنگل میں داخل ہو

گیا۔ جہاں کسی بھی وقت شیر مجھ پر حملہ کر سکتا۔

اپنے آپ کو ہزار بیدار رکھنے کے باوجود آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو جنگل روشن ہو چکا تھا۔ سورج نکل آیا تھا۔ کچھ تاسف بھی ہوا۔ شاید شیر رات کو آیا ہوگا۔ تب مجھے اپنی ناتجربہ کاری کا احساس ہوا۔ ایسے میں خدا کو یاد کیا اور دعا کی کہ یا میرے خالق! میری مدد کر اور مجھے ہندوؤں کے سامنے شرمسار ہونے سے بچا۔ اس کے ساتھ ہی ان غریب مزدوروں کا بھی خیال تھا جو اس شیر کے خوف سے ذریعہ معاش سے محروم ہو گئے تھے۔ میں نے سامان درخت پر ہی رہنے دیا اور بندوق کو ہر طرف گھماتا گاؤں میں داخل ہوا۔ تنہائی دل پر گھبراہٹ سی طاری کر رہی تھی۔ سوائے خدا کے میرا کوئی مددگار نہ تھا۔ میں نے گاؤں میں شیر کے تازہ پگ دیکھے۔ وہ رات یقیناً آیا تھا مگر میں سویا رہا۔ گاؤں میں گھوم پھر کر میں پھر درخت پر جا چڑھا اور ہر سو دیکھنے لگا۔ کچھ کھاپی لیا اور دن کے دو بج گئے۔ میں سوچا کہ اگر آج رات بھی درخت پر گزارنی پڑی تو بہت مشکل پیش آئے گی۔ سونے کے لئے بہتر جگہ کا ہونا ضروری تھا۔

میں سامان لے کر درخت سے اتر اور گاؤں کی چند ایک جھونپڑیوں کو اندر سے دیکھا۔ ایک جھونپڑی میں ایک میلا اور پرانا لحاف پڑا تھا۔ میں نے اس جھونپڑی میں بیسرا کرنے کا فیصلہ کیا دیواریں مٹی کی تھیں یا گھاس پھونس کی۔ میں نے ایک دیوار میں چاقو سے اتنا بڑا سوراخ کر لیا جس میں سے باہر جھانک کر گولی چلائی جاسکتی تھی۔ میں نے سوچا کہ شیر گاؤں میں تو آنا ہے، بہتر ہو گا کہ اس سوراخ سے نشانہ لیا جائے میں نے سوراخ فرش کے قریب بنایا تھا تاکہ بیٹھ کر دیکھا جا سکے۔

میں نے لحاف کو تہہ کیا اور اس پر بیٹھ گیا۔ سورج غروب ہوتے ہی جھونپڑی تاریک ہو گئی۔ باہر چاندنی تھی۔ میں نے راشن کا بیگ کھولا۔ کفایت شعاری سے کھایا اور پانی پی لیا پھر اس ارادے سے لحاف پر بیٹھ گیا کہ رات بھر نہیں سوؤں گا۔ تھوڑی ہی دیر بعد ایک نئی مصیبت نے آن گھیرا۔ یہ تھے پسو اور کھٹل۔ لحاف ان سے بھر پڑا تھا اور یہ نظر نہ آنے والے خونخوار میرا خون چوس

رہے تھے۔ میں لحاف سے تو اٹھ کھڑا ہوا لیکن پسو اور کھٹل میرے کپڑوں کے اندر پھیل گئے تھے۔ سارے جسم میں سونیاں چھ رہی تھیں۔ آنکھوں کے پپوٹوں تک جا پہنچے۔ ہونٹوں کو بھی ڈس لیا اور سارے جسم پر خارش کا یہ عالم کہ میں تاریک جھونپڑے میں تنگی کا ناچ ناچنے لگا۔ میں جوں جوں کھجلا تا سوزش بڑھتی جاتی۔ پھر سارا جسم جلنے لگا۔ جیسے کسی نے مجھے انگاروں پر لٹا دیا ہو۔ آدم خور شیر ذہن سے اتر گیا، یہ آدم خور میری بوٹیاں کھانے لگے۔ باہر بھاگ جانے کو جی چاہا لیکن شیر کے ڈر سے باہر نکلنا مناسب نہ سمجھا۔ اسی حالت میں مجھے یوں آواز آئی جیسے جھونپڑے کے دروازے پر کوئی درندہ بچہ مار رہا ہو۔ یہ شیر ہی ہو سکتا تھا جو انسان کی بو پا کر دروازے پر دستک دے رہا تھا لیکن مجھے پسوؤں اور کھٹلوں نے بے حال کر رکھا تھا۔

خارش، سوزش اور مسلسل ڈنک اس حد تک ناقابل برداشت ہو گئے کہ میں پاگل ہونے لگا اور پاگل پن کا پہلا مظاہرہ یہ کیا کہ کپڑے اتار پھینکے۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ میں سو گیا یا بے ہوش ہو گیا تھا۔ آنکھ کھلی تو باہر پرندے چپک رہے تھے اور سورج ابھرتا چلا آ رہا تھا۔ میں سامان اور بندوق اٹھا کر باہر نکل آیا۔ میں نے جسم کا جائزہ لیا۔ جگہ جگہ سوجن اور جلن تھی۔ ہونٹ اور پپوٹے بھی سوج گئے تھے اور سارا جسم جل رہا تھا۔ میں دوڑتا ہوا جو ہڑتک پہنچا۔ سامان کنارے پر پھینکا اور پانی میں کود گیا۔ میں نے بندوق ہاتھوں میں رکھی۔ کیونکہ شیر کسی بھی لمحے نمودار ہو سکتا تھا۔ بہت دیر پانی میں ڈبکیاں لگانے سے جسم کو قدرے سکون محسوس ہوا اور میں باہر نکل آیا۔ مجھے اتنا احساس ضرور تھا کہ شیر قریب ہی کہیں موجود ہے اور میری موجودگی سے بے خبر نہیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ تھا کہ گرد و پیش میں مجھے کوئی اور جنگلی جانور نظر نہیں آ رہا تھا۔

میں پانی سے نکلا اور کھانے پینے کا سامان اٹھا کر درخت پر جا چڑھا اور اپنے گھونسلے میں بیٹھ گیا۔ امیر جنسی راشن سے پیٹ بھرا اور شیر کا انتظار کرنے لگا۔ موسم کی خشکی نے جسم کو کچھ اور سکون دے دیا لیکن پپوٹوں کی سوجن میں کمی نہ ہوئی۔ میں نے گزشتہ راست کی طرح اپنے جسم کو رسی سے درخت کے ٹہنی کے ساتھ باندھ دیا اور سو گیا۔ آنکھ کھلی تو شام کے چار بج چکے تھے اور میں اس

حالت میں تھا کہ ٹانگیں نیچے کولنگ رہی تھیں اور بندوق ہاتھوں سے سرک گئی تھی۔ اچھا ہوا کہ گرنے میں پڑی تھی اور یہ بھی اچھا ہوا کہ شیر نہیں آیا تھا ورنہ نہایت آسانی سے اچھل کر میری دونوں ٹانگیں اپنے ساتھ لے جاسکتا تھا۔

میں نے درخت سے اتر کر پھر پانی میں جا غوطہ لگایا۔ بندوق کو ہاتھوں لئے پانی سے اوپر رکھا۔

میرے پاس وہ روایتی بکریا یا بکھڑا تو تھا نہیں جسے چان کے نیچے باندھ کر شیر کے لئے کشش کی جاتی ہے۔ میں نے خود ہی بکریا بننے کا ارادہ کیا۔ شام ہونے کو تھی۔ اب تو میرا راشن اور پانی بھی ناکافی رہ گیا تھا۔ میں نے تھوڑا سا کھایا۔ پانی بھی دو تین گھونٹ ہی پیا اور میں درخت سے اتر آیا۔ کپڑے پہن لئے۔ گوسردی خاصی تھی۔ پھر بھی کپڑوں کی حرارت سے جسم پھر جلنے لگا۔ سوزش کے ساتھ خارش بھی پریشان کرنے لگی۔ یہ پسو اور کھٹل جانے کتنے عرصے سے بھوک تھے جنہوں نے میرا جسم چھید ڈالا تھا۔

چاندنی نکھرتی چلی آ رہی تھی اور میں ارادہ کر چکا تھا کہ رات بھر گلیوں میں گھومتا پھرتا رہوں گا اور شیر سے آنے سامنے آ کر مقابلہ کروں گا۔ مجھے یہ خطرہ بھی پریشان کر رہا تھا کہ شیر پیچھے سے بھی حملہ کر سکتا ہے۔ تاہم میں نے فیصلہ کر لیا کہ یہ رات میری یا شیر کی آخری رات ہوگی۔ مجھے للیچا کی حسین مسکراہٹ یاد آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہ ہندوؤں نے مجھے یہاں آنے سے روکا تھا اور کہا تھا کہ تم زندہ واپس نہیں آ سکو گے۔ یہ میری خودداری اور مسلمان کی شان کے لئے ایک چیلنج تھا۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر خدا سے کامیابی کی التجا کی اور آیت الکرسی کا ورد شروع کر دیا۔

میں بندوق آگے کئے گاؤں میں داخل ہو گیا۔ بندوق کی ایک نالی میں لیٹھل کارتوس اور دوسری میں ایل جی بھر رکھا تھا۔ سیفٹی کیچ آگے کر لیا تھا۔ میں ہر دو چار قدم پر کسی جھوپڑے کی دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر ادھر ادھر دیکھتا تھا اور کان کھڑے کر کے جنگل کی آوازوں کو سنتا تھا۔

چاندنی اتنی شفاف تھی کہ گرد و پیش کی ہر وہ چیز نظر آتی تھی جو ایک شکاری کے لئے دیکھنا ضروری ہوتا ہے۔ میں دس بارہ منٹ ایک دیوار کے ساتھ رک رہتا پھر آگے چلتا۔ چلنے کا انداز یہ تھا کہ میں ایک قدم آگے بڑھ کر رکتا اور آگے پیچھے دیکھ کر دوسرا قدم اٹھاتا تھا۔ اجڑی ہوئی ہستی کا سکوت دل پر خوف اور شیر کے سامنے کا احساس ہیجان طاری کئے ہوئے تھے۔ میرا حوصلہ بڑھانے کے لئے قرآن کی چند ایک آیات تھیں جن کا ورد جاری تھا۔ ایک بار تو دل ایسا گھبرا یا کہ میں نے سوچا کہ چلو آج رات بھی درخت پر گزار دو شیر پانی پینے ضرور آئے گا لیکن یہ فیصلہ بدل دیا اور میں خدا کو یاد کرتا گلیوں میں چھپتا سرکتا آگے بڑھتا چلا گیا۔

میں دو جھوپڑیوں کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ قریب ہی چھوٹی سی ایک جھاڑی سے مجھے شیر کے غرانے کی آواز آئی میرا اٹھا ہوا قدم واپس آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی مجھے کوئی چیز اپنے اوپر آتی نظر آئی۔ میں نے جو قدم پیچھے ہٹا لیا تھا۔ یہی قدم مجھے بچا گیا۔ زندگی اور موت کے درمیان بس اسی ایک قدم کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ یہ قدم پیچھے ہٹانے سے شیر کا پنجہ جو مجھ پر آیا تھا میری بندوق پر پڑا۔ لاشعوری طور پر میری انگلیاں ٹریگروں پر چلی گئی تھیں۔ نالیاں بھری ہوئیں اور سیفٹی کیچ آگے تھا۔ بندوق کی نالیاں آگے کو تھیں۔ شیر کا پنجہ بندوق پر ایسا پڑا کہ اس نے بندوق اپنی طرف کھینچ لی۔ ”کھینچی بھی ایسی شدت سے کہ دونوں کارتوس فائر ہو گئے۔ کیونکہ میری انگلیاں ٹریگروں پر تھیں۔ یہ ساری واردات ایک سیکنڈ میں ہو گئی۔ بندوق میرے ہاتھ سے نکل گئی۔ شیر چند قدم پیچھے جا پڑا اور میں چند قدم پیچھے دیوار سے جا لگا۔ اب میں موت کے جبرؤں میں تھا۔ مجھے معلوم ہا کہ شیر اٹھے گا اور میں بھاگ نہیں سکتا۔ بھاگتا تو حماقت تھی۔ میں نے خالی ہاتھ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ بندوق میرے اور شیر کے درمیان پڑی تھی۔ اگر میں ہمت کر کے بندوق اٹھا لیتا تو بھی بیکار کیونکہ شیر نالیاں بھرنے کی مہلت نہیں دیا کرتا۔

میں نے دیکھا کہ شیر جس کی گرج نے جنگل کو ہلا ڈالا تھا اٹھا مگر گر پڑا۔ اس کی گرج سے میں نے اندازہ کر لیا کہ اسے گولیاں لگی ہیں اور زخم معمولی نہیں۔ یہ تو اب چند سانسوں اور لمحوں

گاڑی بان کو روکا تو میرے حال حلیے اور ہاتھ میں بندوق کو دیکھ کر تھر تھرا کا نپنے لگا۔ وہ مجھے ڈاکو اور رہزن سمجھ بیٹھا تھا۔ میں گاڑی پر چڑھ کر بلیوں کے ڈھیر پر جا لیٹا۔ آگے اپنے ساتھی مل گئے جن کے پاس اونٹ تھا۔ میں دوسری صبح اونٹ پر کھائھ بنگلہ پہنچا۔ للینا کی مسکراہٹ نے میرا استقبال کیا لیکن میرے سوچے ہوئے چہرے کو دیکھ کر سب بہت حیران ہوئے۔ جنگل کے مزدوروں نے شیرنی کے مرنے کی خبر پر سر جیت پروا کی طرف دھاوا بول دیا۔ جب شام مری ہوئی شیرنی کو کھائھ بنگلہ لایا گیا تو اس کی کھوپڑی پکلی ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ مزدور مری ہوئی شیرنی سے ایک عورت اور ایک بچے کا انتقام لیتے رہے ہیں۔

کی بات تھی۔ یہ میری یا شیرنی کی زندگی کے آخری لمحے تھے۔ یا شاید ہم دونوں کے۔ میری مدد کے لئے اور کوئی ساتھی نہیں۔ جو ساتھی آئے تھے وہ ڈیڑھ میل دور گہری نیند سوئے ہوئے تھے۔ میں نے جب شیر کو لڑکھڑا کر گرتے دیکھا تو اپنی جان کی بازی پر لگا کر آگے کو جست لگائی اور بندوق اٹھالی۔ شیر دھاڑ کر پھر اٹھا لیکن آگے نہ بڑھ سکا۔ اس کی گرج سے میرا حوصلہ پست ہو رہا تھا لیکن موت کا خیال مجھے تقویت دے رہا تھا۔ زبان پر اللہ کا نام تھا۔ شیر پھر گر پڑا اور ترپنے لگا۔ شیر اتنی جلدی نہیں مرا کرتا میں نے نہایت پھرتی سے دونوں نالیاں بھر لیں۔ جب نشانہ لیا تو شیر ساکن ہو چکا تھا۔ میں نے گولی نہ چلائی اور ذرا انتظار کر کے آگے بڑھا۔ شیر بالکل بے حس تھا لیکن میرا دل اچھل اچھل کر باہر آ رہا تھا۔

آخر یقین ہو گیا کہ شیر مر چکا ہے۔ میں نے اس کے جسم کا معائنہ کیا۔ وہ نہ نہیں مادہ تھی۔ میں نے زخم دیکھے۔ دونوں گولیاں کاری لگی تھیں۔ ایک دل سے پار ہو گئی تھی اور دوسری نے اس کے پیٹ کو بری طرح پھاڑ ڈالا تھا۔ ورنہ وہ مجھے کبھی کا چیر پھاڑ پکلی ہوتی۔ میں اس معجزے پر حیران تھا کہ شیرنی نے مجھ پر جوا چاٹک حملہ کیا تھا وہ کیوں ناکام رہا۔ میں نے جب شیرنی کے جسم کو اور زیادہ غور سے دیکھا تو معجزہ سمجھ میں آ گیا۔ اس کا ایک پنجہ سو جا ہوا تھا اور اس میں ایک موٹا کاٹنا دور اندر تک چلا گیا تھا۔ پنجے میں پیپ پڑی ہوئی تھی۔ اس بے کار پنجے کی وجہ سے یہ شیرنی انسانوں کو کھانے لگی تھی۔ کیونکہ وہ اب تیز بھاگنے والے جانوروں کے تعاقب میں بھاگنے سے معذور تھی۔ اس کے لئے اب عورتوں اور بچوں کو پکڑنا آسان تھا۔

جوں ہی یقین ہوا کہ شیرنی مر چکی ہے تو میرا وہی جسم جو اس سے خالی ہاتھ لڑنے کو بھی تیار تھا۔ یک لخت مٹی کا بت بن گیا۔ یوں محسوس ہوا جیسے میں تھکن سے گر پڑوں گا۔ ایک قدم اٹھنا محال تھا لیکن میں اب وہاں زیادہ دیر ٹھہرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ میں نے شیرنی کو بصد مشکل گھسیٹ کر ایک جھوپڑے میں پھینکا اور کواڑ بند کر کے واپس چل پڑا۔ چلنا کسی پہلو ممکن نہ تھا۔ تاہم قدم گھسیٹتا گیا۔ راستے میں ایک نیل گاڑی مل گئی۔ اس پر کٹری کی بلیاں لدی ہوئی تھیں۔ میں نے

تقریباً دس دس میل لمبے ہیں اور آخر کار میدانوں میں کھو جاتے ہیں۔ ان دونوں سلسلوں کے درمیان کچھ پہاڑیاں ہیں جو تقریباً اڑھائی ہزار فٹ بلند ہیں۔ یہ رقبہ کوئی چار ہزار مربع میل کا ہے اور اسی علاقے میں ایک مردم خور نے تین برس سے دہشت پھیلا رکھی تھی۔

اس مردم خور کی پہلی اطلاع ایک باپ اور اس کے بیٹے نے دی تھی جو برتلاؤ سے ایک میل خرید کر اپنے گاؤں واپس آ رہے تھے۔ ابھی وہ اپنی منزل مقصود سے پانچ میل دور تھے کہ سورج غروب ہو گیا۔ وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگے لیکن ان کا بیل ان کا ساتھ نہ دے رہا تھا۔ جس جگہ وہ تھے۔ وہاں جنگل بہت گھنا تھا۔ جس کے باعث شام ہی سے گہری تاریکی پھیل گئی تھی۔ باپ بے حد گھبرایا ہوا تھا اور بیٹے کو ملامت کر رہا تھا کہ اس نے اسے اس وقت سفر کرنے پر کیوں مجبور کیا تھا۔ برتلاؤ میں رات بسر کر کے متعلق اس کی تجویز کیوں رد کر دی تھی۔ بیٹا اسے سمجھا رہا تھا کہ یہ خطرہ مول لینا گھائے کا سودا نہیں تھا کیونکہ اگر وہ برتلاؤ میں ایک دن مزید ٹھہر جاتے تو اگلے دن وہ مزدوری نہ کر سکتے اور اس طرح تین روپے کا نقصان اٹھاتے۔ وہ اپنی گفتگو میں اس قدر محفوف تھے کہ اگلے چند لمحوں میں ان کے ساتھ جو بیت گئی۔ اس کا انہیں تصور بھی نہیں۔

اچانک کسی نے ان پر پیچھے سے کاری وار کیا، حواس جمع کر کے انہوں نے دیکھا کہ ایک شیر ان کے بیل پر کود پڑا تھا لیکن اس کا نشانہ خطا گیا تھا اور وہ بیل اور ان کے درمیان آگرا تھا۔ انہوں نے ایک دم شور مچایا دیا جس سے شیر گھبرا سا گیا۔ اسی افراتفری میں بیٹے کے ہاتھ سے رسا چھوٹ گیا اور وہ جنگل میں غائب ہو گیا۔ وہ بیل کو تلاش کرنے کے بجائے پاؤں سر پر رکھ کر گاؤں کی طرف بھاگے۔ گھر پہنچنے پر انہیں معلوم ہوا کہ ان کے کندھوں پر شیر کے پنجوں کے گہرے نشان پڑے ہوئے تھے دوسرے دن زخموں میں پیپ پڑنے لگی اور انہیں قصبے کے ہسپتال میں علاج کے لئے جانا پڑا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ بیل اپنے پہلے مالک کے پاس چلا گیا۔ اس حادثے کی خبر جلد ہی قرب و جوار میں پھیل گئی۔

اسے پٹیل نے مارا

ناگ پور سے تقریباً ایک سو پندرہ میل مشرق کی طرف ہوڑا ریلوے لائن پر مدھیا پردیش کی حدود میں برتلاؤ نام کا ایک چھوٹا سا ریلوے سٹیشن ہے۔ اس علاقے کے جنگلات اگرچہ چھدرے ہیں لیکن ان میں بانس کے درختوں کی اگاس بڑھ گھنی ہے۔ برتلاؤ کے علاقے کی آبادی بھی چھدری ہے۔ وہاں کے باشندے زیادہ تر کسان ہیں اور جب وہ بیکار ہوتے ہیں تو ان کی زیادہ تعداد کاغذ کے ایک مقامی کارخانے میں کام کرنے لگتی ہے یا پھر جنگلات کا ایک ٹھیکیدار انہیں ملازم رکھ لیتا ہے۔ مزدور جنگلوں میں کام کرنے کے لئے ٹرکوں پر یا پیدل جاتے ہیں اور شام کو اپنے دیہات میں واپس چلے آتے ہیں۔ لیکن بانس کاٹنے والے مزدور جنگل میں ہی رہتے ہیں اور فقط ہفتے کے اختتام پر گھر آتے ہیں۔

ہر ہفتے برتلاؤ کے مقام پر ایک چھوٹا سا میلہ لگتا ہے جہاں سے مزدور مختلف اشیاء خرید کر کام پر جاتے وقت اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ وہ جنگل میں پانچ یا چھ کے گروہوں کی صورت میں جاتے ہیں اور کسی ندی نالے کے کنارے تھوڑی سی جگہ صاف کر کے وہاں گھاس اور بانسوں سے ایک جھونپڑی تیار کر لیتے ہیں اور ہفتہ بھر وہیں رہتے ہیں۔

برتلاؤ سے شمال کی طرف تین میل تک چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کا ایک سلسلہ چلا گیا ہے جو آگے چل کر 90 درجے کے زاویے پر دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یہ دونوں بازو

اس کے تھوڑے ہی عرصے بعد اس مردم خور نے اپنا پہلا انسانی شکار دبوچ لیا۔ ایک صبح چار بانس کاٹنے والوں کا ایک گروہ جنگل میں اپنے کام میں مصروف تھا، جلدی ہی پتا چلا کہ ان میں سے ایک آدمی غائب ہے۔ اس کے ساتھیوں نے اس کا نام لے کر آوازیں دیں مگر جواب نہ ملا۔ وہ اس کی تلاش کرتے کرتے ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں کچھ تازہ کئے ہوئے بانس پڑے تھے۔ ان کے پاس ہی اس کا کلہاڑا بھی پڑا ہوا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر اس کی پگڑی اور خون کے چند قطرے دیکھ کر وہ خوفزدہ ہو گئے۔ وہ اپنی جھوپڑی کی طرف بھاگے اور وہاں سے برتاؤ آئے تاکہ اس حادثے کی اطلاع کاغذ کے کارخانے کے مالک کو پہنچا دی جائے۔

شام کو چند آدمیوں کا ایک گروہ ڈھول اور مشعلیں روشن کر کے جنگل میں اس شخص کی لاش تلاش کرنے نکل پڑا۔ لاش مل تو گئی مگر نصف کے قریب جسم باقی حصہ شیر کھا چکا تھا۔

یہ شیر مردم خور کیوں ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ ابھی صیغہ راز میں تھی۔ فقط یہ خیال کیا جاتا تھا کہ ممکن ہے اس کی وجہ شیر کا بڑھاپا ہو۔ جن لوگوں کو اسے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا ان کا کہنا تھا کہ اس کا رنگ ماند پڑ رہا تھا۔ اس کی لکیریں بھی مدھم پڑ گئی تھیں اور پیٹ پر سے اس کی جلد نیچے کو لٹک آئی تھی اور تقریباً زمین کو چھو رہی تھی۔

اس حادثے کو چھ ماہ گزر گئے مگر اس دوران میں کوئی شکاری اسے شکار نہ کر سکا۔ اسے تلاش کرنے کی تمام کوششیں اکارت ثابت ہوئیں۔ کاغذ کا کارخانہ بھاری نقصان اٹھا رہا تھا کیونکہ بانس کاٹنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ مردم خور کو ہلاک کرنے کے لئے پانچ سو روپے کا انعام مقرر کیا گیا۔ جو بعد میں پانچ ہزار روپے اور ایک رائفل میں تبدیل ہو گیا۔ اس انعام نے بہت سے پیشہ ور شکاریوں کو ترغیب دی لیکن شیر کے خوفناک قصے سن کر ان میں سے بہت سوں کے حوصلے پست ہو گئے۔

ان میں سے زیادہ جرات مند شکاری شیام بابو تھا جن کا برتاؤ کے قریب بیجا پور کا رہنے والا تھا۔ اسے مردم خور کی نقل و حرکت کا سب سے زیادہ علم تھا۔ وہ شیر کو کم از کم ایک نظر دیکھنے

کے لئے اس علاقے میں گھومتا رہا۔ پورے تین برس شیر اسے نظر نہ آیا۔ ایک دن وہ کسی کام سے تاج پوری میں رک گیا اور اس ٹرک پر سوار نہ ہو سکا جو مزدوروں کو لایا لے جایا کرتا تھا۔ اس نے اپنی ہندو اپنے ملازم سکنہ کو تنہا رکھی تھی۔ جب ٹرک بانسوں کے گٹھوں اور مزدوروں سے بھرا واپس آ رہا تھا تو ایک عجیب اتفاق سے شیر ٹرک پر گھومتا ہوا نظر آ گیا۔ سکنہ ہندو ہاتھ میں لئے ٹرک کے انجن کیڈھکنے پر بیٹھا تھا۔

جونہی ٹرک رکا تو شیر غرائے لگا۔ وہ چند مرتبہ مزدوروں پر جھپٹا مگر وہ اس کی دسترس سے بلند تھے۔ ڈرائیور چلا رہا تھا ”گولی مارو“ لیکن سکنہ پر خوف سکتہ طاری تھا۔ آخر ڈرائیور نے خود کو خطرے میں دیکھ کر ایک دم ٹرک چلا دیا۔ شیر تقریباً نصف میل تک ٹرک کا تعاقب کرتا رہا اور پھر جنگل میں غائب ہو گیا۔ جب شیام بابو نے یہ واقعہ سنا تو وہ مردم خور کو فریب دینے کے لئے مختلف تجویزیں سوچنے لگا۔ اس نے دو پنجرے بنوائے اور انہیں دو بیل گاڑیوں کی چھت پر نصب کر دیا۔ گاڑی بانوں کی جگہ اس نے آدمیوں کے دو بت بنوائے اور انہیں بیلوں کے پیچھے لگوا دیا۔ دونوں پنجرے گھاس اور پتوں سے اچھی طرح ڈھکے ہوئے تھے اور ان میں دو آدمی بیٹھے تھے۔ ایک نے بیلوں کو قابو کر رکھا تھا اور دوسرے کے پاس ہندو تھی کئی ماہ یہ بیل گاڑیاں جنگل کے مختلف راستوں پر گھومتی رہیں مگر کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ یوں نظر آتا تھا جیسے آسمانی طاقت نے شیر کو خبردار کر دیا تھا اور اس نے بیلوں اور آدمیوں کے بتوں میں دلچسپی لینی چھوڑ دی تھی۔

مردم خور واقعی بے حد چالاک تھا اور وہ اس جگہ کسی شخص کو شکار کرنے ہرگز نہ آتا جہاں شکاری ہندو قیں لئے درختوں پر بیٹھے اس کے انتظار میں ہوتے تھے۔ اسے یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ شکار پیرخت پر کس جگہ بیٹھا ہے اور اسی باعث وہ گولی کی زد میں آنے سے گریز کرتا تھا۔ اس دوران میں وہ برابر آدمیوں کو شکار کرتا رہا مگر اس کے آنے جانے کا بالکل علم نہ ہوتا تھا۔

بعض اوقات شیردن میں دو دو آدمی ہلاک کر دیا تھا۔ ایسے تین واقعات کی خبر ملی۔ دو آدمی بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر مختلف سمتوں جنگل سے بانس لینے گئے انہیں شام کو برتلاؤ میں واپس آنا تھا لیکن انہیں یہ موقع نصیب نہ ہوا۔ جن جگہوں پر وہ کام کرتے تھے وہ ایک دوسرے سے دو میل کے فاصلے پر تھیں۔ شیر نے ان میں سے ایک پر دو پہر کو حملہ کیا اور اسے اٹھا کر لے گیا۔ اس کے گواہ چند دوسرے گاڑی بان تھے جنہوں نے اکٹھے ہو کر شیر کا تعاقب کیا تھا۔ شیر دو میل تک لاش کو کھینچتا چلا گیا اور پھر اسے چھوڑ گیا۔ اس خوف کے مارے کہ کہیں شیر پاس ہی چھپا ہو اور ان پر حملہ نہ کر دے لوگوں کو لاش اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی اور وہ مدد کی خاطر برتلاؤ لوٹ آئے۔

اس دوران میں دوسرا شخص اپنے کام سے لوٹ رہا تھا کہ شیر کے پنجے میں گرفتار ہو گیا۔ شیر اس کی لاش کو بھی گھسیٹ کر پہلے شخص کی لاش کے قریب لے آیا۔

ایک کھوجی گروہ منظم کیا گیا مگر وہ اس شام روانہ نہ ہو سکا۔ دوسرے دن انہیں دونوں لاشیں مل گئیں۔ ایک کا نصف جسم شیر کھا گیا تھا لیکن دوسرا تقریباً ان چھوٹا تھا۔ اس مردم خور میں یہ ایک عجیب و غریب عادت تھی کہ وہ اپنے شکار کے سر پر سے بالوں کو صفا چٹ کر دیتا تھا اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے سر پر استرا پھیرا گیا ہو۔ (اس حادثے میں شیر نے دونوں سروں کے بال اکھیڑ کر انہیں ایک جگہ ڈھیر کر دیا تھا۔) چونکہ اس روز بارش پڑ رہی تھی اور سردی زوروں پر تھی۔ اس لئے لاشوں کی حفاظت کے لئے کوئی بھی رات بھر وہاں ٹھہرنے کو رضامند نہ ہوا۔ وہ لاشوں کو ٹھکانے لگا کر چلے آئے۔

1951ء کی گرمیوں کی ایک شام کو شیر نے پھر دو آدمی ہلاک کئے۔ ان میں سے ایک دھوبی تھا۔ اس حادثے کی اطلاع بھی پولیس کو پہنچائی گئی لیکن دونوں لاشوں کی خبر گیری کرنا مشکل تھا کیونکہ وہ سڑنے لگی تھیں اور بڑی خوفناک بدبو چھوڑ رہی تھیں۔ اس کے باوجود شیام بابو وہاں بیٹھنے پر رضامند ہو گیا لیکن اس کی رات بھر کی نگرانی بیکار ثابت ہوئی۔

تیسرے روز ایک اور رضا کار ان لاشوں کے قریب بیٹھنے پر تیار ہو گیا اور وہ شیام بابو سے بندوق لے کر رات کو ایک درخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ رات کے تقریباً نو بجے شیر دبے پاؤں وہاں آیا اور آدمی کی بو پا کر اس درخت کے نیچے آ کر غرانے لگا اور درخت کے تنے پر پنجے مارنے لگا۔ درخت پر بیٹھا آدمی یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر وہ اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اگلے دن جب لوگوں کا ایک گروہ اس کی خبر گیری کے لئے وہاں پہنچا تو وہ ابھی سکتے کے عالم میں تھا۔ اسے قریب کے گاؤں میں لے جایا گیا جہاں کہیں دو گھنٹے بعد اسے اتنا ہوش آیا کہ رات کا واقعہ بیان کر سکے۔

اگلے موسم سرما میں بھی کسی مداخلت کے بغیر شیر نے اپنی رنگ رلیاں جاری رکھیں۔ ایک دن اس نے نئی کے قریب ایک آدمی کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی۔ جنگل میں ایک رکھوالا بانجی رام بیل گاڑیوں کے ایک قافلے کی رہنمائی کر رہا تھا۔ گاڑی بان نہتے تھے مگر اس رکھوالے کا پاس ایک کلہاڑا تھا جو نبی ایک موڑ مڑے تو انہیں اپنے سامنے شیر نظر آیا جو بانجی رام پر کود پڑا لیکن اس نے اپنا کلہاڑا گھمانا شروع کر دیا۔ جس سے شیر بھاگ گیا۔ فقط بانجی رام ہی ایک ایسا شخص ہے جس نے اسے دو بدو دیکھا ہے۔ اس کے رنگ اور عمر کی تفصیلات اسی نے بتائی تھیں۔

دوسرے دن مردم کور نے دو آدمیوں کو ہلاک کر کے اپنی شکست کا انتقام لے لیا۔ بانسوں سے لدی ہوئی چند بیل گاڑیاں سہ پہر کے وقت کلگوڑا سے واپس آ رہی تھیں اور ’بودل کا سانالا‘ نامی ایک جگہ کے قریب تھیں۔ شیر سب سے اگلے گاڑی بان ٹھا کر رام کو ہلاک کر کے جنگل میں غائب ہو گیا۔ تمام گاڑی بان جمع ہو گئے اور اگلے قدم کے متعلق سوچنے لگے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہی تھے کہ سب سے پچھلے گاڑی بان صندل کی چیخ سنائی دی۔

سب اس کی طرف لپکے تو دیکھا کہ شیر اسے بھی ہلاک کر کے گھسیتا ہوا جنگل میں لے گیا ہے۔ اس پر باقی گاڑی بان اس قدر خوفزدہ ہو گئے کہ وہ صندل کی لاش تلاش کرنے کے

بجائے گاڑیاں دوڑاتے ہوئے برتلاؤ واپس چلے آئے۔ دوسرے دن دونوں کی لاشیں مل گئیں۔ شیر نے صندوق کی لاش کو تھوڑا سا کھایا تھا مگر دوسری لاش بالکل صحیح و سالم تھی۔ دونوں کے سربالہ اس نے صفا چٹ کر دیئے تھے۔

☆☆☆☆☆

یہ وسط نومبر کی ایک صبح کا واقعہ ہے۔ کلگوار سے برتلاؤ آنے والے نیل گاڑی کے راستے پر ابھی تک گھاس وغیرہ اگی ہوئی تھی کیونکہ ابھی تک اس راہ پر شہتیروں اور بانسوں کو لے جانے کا کام پوری طرح شروع نہ ہوا تھا۔ یہ علاقہ خصوصاً خطرناک تھا کیونکہ اسی راستے پر مردم خور زیادہ حملے کیا کرتا تھا..... ایک آدمی دیارام اور اس کا دوست اپنے گاؤں جا رہے تھے۔ حفاظت کے لئے ان کے پاس ایک صندوق تھی۔ وہ جانتے تھے کہ گاڑی بان شیر کا محبوب نشانہ ہوتا ہے۔ اس لئے انہوں نے بیلوں کی باگیں چھوٹی رکھنے کے بجائے لمبی لمبی رکھیں اور گاڑی پر بیٹھنے کے بجائے اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگے۔ دیارام نے بیلوں کو قافا بھرا تھا اور وہ دائیں طرف تھا۔ اس کے دوست نے صندوق پکڑ رکھی تھی اور وہ اس کی بائیں طرف تھا۔

جنگ لاسا کا نالہ تک وہ بخیر و عافیت پہنچ گئے۔ یہاں ایک موڑ آتا ہے اور پھر تقریباً ڈیڑھ سو گز تک سیدھی سڑک ہے۔ جب وہ موڑ مڑے تو انہوں نے ایک درخت پر بہت سے تلخیر بیٹھے ہوئے دیکھے جو بے حد شور مچا رہے تھے جس کے باعث انہیں مردم خور کی آمد کا پتا نہ چل سکا۔

تب دیارام کو اچانک محسوس ہوا کہ جیسے اس کی پشت سے ریل کا انجن ٹکرا گیا ہو۔ وہ زمین پر گر پڑا اور اس سے پہلے کہ وہ اٹھ سکے شیر اس پر سوار ہو چکا تھا۔ اس کا دوست جس پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا تھا، شیر کو دیارام کو اٹھائے جھاڑیوں کی طرف جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ تب وہ ایک دم ہوش میں آ گیا اور اس نے ہوا میں گولی چلا دی اس پر شیر اپنا شکار چھوڑ کر جنگل میں غائب ہو گیا۔

دیارام جسے بظاہر کوئی چوٹ نہ آئی تھی جلدی سے اٹھا اور غصے کے عالم میں اپنے دوست سے بددوق چھین کر شیر کے تعاقب میں دوڑ پڑا لیکن اس کے دوست نے اس کے سر کے لمبے لمبے بال مضبوطی سے پکڑ لئے اور اسے تعاقب میں جانے سے روک رکھا۔ شاید اس کشمکش سے دیارام کی گردن کا ڈیڑھ انچ لمبا زخم کھل گیا۔ وہ بے ہوش ہو کر پڑا۔ اس کا دوست اس کی گردن کے گرد دھوتی لپیٹ کر اسے برتلاؤ لے آیا۔ جہاں ہسپتال میں اسے اپنے زخموں سے شفایا نے میں پورے تین ماہ لگے۔

☆☆☆☆☆

مارچ کے آخر میں اس خطے کی راتیں بڑی خوشگوار ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ دن کے وقت درجہ حرارت سے سو سے اوپر چلا جاتا ہے۔ چودھویں کے چاند کے دو دن بعد ”کاسواپانی“ کا رہنے والا ٹیل اپنے ایک دوست کے ہمراہ شکار کھیلنے اس جنگل میں آیا۔ ان کا ارادہ جنگلی ہرن کو شکار کرنے کا تھا۔ کاسواپانی سے دو میل کے فاصلے پر ایک جگہ ہے جس کا نام ”جھاؤں“ ہے۔ یہاں پانی کا ایک چشمہ ہے۔ جہاں جنگل کے تمام جانور اپنی پیاس بجھاتے ہیں۔ یہ ایک نالے کے قریب واقع ہے۔ اس کے ایک کنارے پر ایک درخت ہے اور تین فٹ پرے ساڑھے چار فٹ اونچائی کا ایک خطرناک شکل کا ٹیلہ سا ہے۔ درخت نو فٹ کی بلندی پر سے دو ساخوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور اس جگہ آدمی آسانی سے بیٹھ سکتا تھا۔ یعنی وہ جگہ چان کام دے سکتی تھی۔ دونوں دوست وہاں گئے اور صبح کے وقت ایک چان تیار کر کے واپس گاؤں چلے آئے اور کھانا کھانے کے بعد چار بجے تک سوئے رہے۔ ان کے پاس دو بندوقیں تھیں۔ وہ پونے بجے گاؤں سے روانہ ہو کر ساڑھے پانچ بجے شام کو جھاؤں پہنچ گئے۔ ٹیلے کے قریب انہیں شیر کے قدموں کے تازہ تازہ نشان دکھائی دیئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ مردم خور ہی ہے۔ چونکہ ان کے پاس بھری ہوئی بندوقیں تھیں اور بیٹھنے کے لئے چان تھی۔ اس لئے وہ زیادہ متفکر نہ ہوئے۔

نیچے اترا۔ قریب آ کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا دوست مرچکا تھا۔ وہ ایک دم گاؤں کی طرف بھاگا۔ بعد میں آدمیوں کا گروہ وہاں پہنچا۔ لاش کی پشت اور گردن پر پتھروں کے گہرے گہرے نشان تھے۔

لوگ حیران تھے کہ شیر اپنے شکار تک کس طرح پہنچ گیا۔ جونوفٹ اونچی چٹان پر بیٹھا تھا۔ بعد کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ شیر نے ساڑھے چار فٹ اونچے ٹیلے پر چڑھ کر اپنے شکار پر جست لگائی تھی۔ جہاں نالے کے کنارے بعد میں شیر بیٹھا تھا۔ وہاں بہت سی جگہ خون سے لتھڑی ہوئی تھی اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ بری طرح زخمی ہوا تھا۔

یہ اس مردم خور کا آخری شکار تھا۔ اس نے کتنے آدمی ہلاک کئے تھے۔ اس کی صحیح تعداد معلوم نہیں۔ مقامی اطلاعات کے مطابق ایک سو سے تین سو آدمی بتائے جاتے ہیں۔ وہ ہر ہفتے چار پانچ آدمی ہلاک کیا کرتا تھا۔ شیر ساڑھے تین برس خاصے وسیع علاقے میں شکار کھیلتا رہا تھا اور اس کے شکار کی تعداد واقعی بہت زیادہ ہوگی۔

کسی حادثے کے بغیر وہ دو ماہ گزر گئے۔ دیہاتیوں کے لئے یہ بات بڑی طمانیت بخش تھی۔ جنگل میں بانس وغیرہ کاٹنے کا کام حسب معمول شروع ہو گیا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ شیر اپنے زخموں کی تاب نہ لا کر مر چکا ہے لیکن ٹیلے نے کسی وجہ کی بنا پر انعام کا دعویٰ نہ کیا۔

پھر سرگھاٹ گاؤں کے قریب ایک شام ایک شیر دیکھا گیا۔ لوگوں کا خیال میں وہی مردم خور تھا اگرچہ وہ بڑا بچھا دکھائی دیتا تھا۔ اس پر لوگوں میں دوبارہ افراتفری پھیل گئی۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ شیر نے دو گائیں ہلاک کر دی ہیں۔ شکاریوں کی ایک پارٹی اس گاؤں میں گئی اور معلوم ہوا کہ دونوں گائیں بڑی کمزور تھیں۔ وہاں لاشیں ابھی تک جس جگہ پڑی تھیں وہاں ایک چٹان بنانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن اس رات شیر دوبارہ وہاں نہ آیا۔ اس بات سے شکاریوں کو یقین ہو گیا کہ یہ مردم خور ہی ہے کیونکہ اس کی عادت سے اب وہ بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ وہ گاؤں لوٹ آئے۔ دوسرے دن انہیں معلوم ہوا کہ شیر نے ایک

شام کے چھ بجے وہ چٹان پر جا بیٹھے۔ جلدی ہی اندھیرا پھیل گیا اور انہیں گرد و پیش بھائی دینا بند ہو گیا۔ دو گھنٹے گزر گئے۔ خنک ہوا چل رہی تھی جس سے ٹیلے کو نیند آ گئی۔ آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ باری باری نگرانی کریں گے۔ اس پر ٹیلے اپنی بندوق کو پہلو میں رکھ کر ٹانگیں پسار کر سو گیا۔ اس کا دوست پتھر کے نزدیک چٹان کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ہر چیز خاموشی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ خوشگوار ہوا کی جادوگری سے وہ بھی او گھٹنے لگا۔

پورا چاند آسمان پر روشن تھا اور بھرپور چاندنی سے جنگل چمک رہا تھا۔ اچانک گرد و پیش میں شور سانسائی دیا جس سے ٹیلے کی آنکھ کھل گئی۔ چند لمحوں تک اسے معلوم نہ ہوا کہ ہو کیا گیا ہے۔ تب اس نے دیکھا کہ اس کا دوست غائب ہے اور چٹان کا ایک حصہ نیچے گرا ہوا ہے۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ یہ ناقص تعمیر کے باعث گر پڑی ہوگی۔ تب اس نے اپنے دوست کو آواز دی مگر جواب نہ ملا! اب اسے صاف طور پر شیر کے غرانے کی آواز سنائی دی۔ نیچے جھک کر اس نے دیکھا کہ شیر چٹان تک پہنچنے کے لئے ناکام چھلانگیں لگا رہا ہے۔ ٹیلے چلایا جس پر شیر تقریباً دس فٹ ہٹ گیا۔ اب وہ سایوں میں گھرا ہوا ایک موہوم سا جسم دیکھ سکتا تھا۔ اس نے احتیاط سے نشانہ باندھا اور گولی چلا دی۔ جواب میں ایک خوفناک گرج بلند ہوئی۔ چونکہ یہ ایک گولی والی بندوق تھی اس لئے ٹیلے اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا اور ڈر کے مارے درخت کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ جہاں اس نے رات کا پتے کا پتے گزاری۔

شیر ابھی تک غرا رہا تھا اور درخت کے نیچے چکر لگا رہا تھا۔ نصف گھنٹے بعد یہ آواز تھم گئی۔ شیر نالے کے کنارے جا کر بیٹھ گیا وہ بڑی اذیت میں معلوم ہوتا تھا۔ صبح کے قریب وہ اٹھ کر جنگل میں چلا گیا۔ جب وہ چل رہا تھا تو عجیب آواز پیدا ہو رہی تھی۔ جیسے وہ کوئی چیز گھسیٹ رہا ہے۔

صبح نمودار ہونے پر ٹیلے نے اپنے دوست کو چٹان کے گرے ہوئے حصے کے نیچے پڑا ہوا دیکھا۔ جب سورج اچھی طرح چڑھ گیا تو پھر صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے درخت سے

اور گائے ہلاک کر دی تھی۔ اور یہ گائے بھی بڑی کمزور اور بیمار تھی۔

یہ واقعی قابل غور بات تھی کہ شیر نے کمزور اور بیمار گائے میں ہلاک کی تھیں اور انہیں گھسیٹ کر جنگل میں لے جانے کی کوشش نہ کی تھی۔

دوسرے دن شکاریوں کی ایک پارٹی شیر کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی اور انہوں نے شیر کو گاؤں سے تھوڑے ہی فاصلے پر جھاڑیوں میں کھڑا دیکھ لیا۔ وہ بندوق کی پہنچ سے باہر تھا۔ شکاریوں نے قریب جانے کی ہمت نہ کی اور واپس چلے آئے۔ دو پہر کو معلوم ہوا کہ شیر اب بھی اسی جگہ کھڑا ہے۔ جب شکاری اس کی طرف بڑھے تو اس نے چلنا شروع کر دیا۔ سوگڑ کے فاصلے سے انہوں نے دیکھا کہ وہ ٹھیک طرح چل نہیں رہا تھا اور اپنی اگلی دائیں ٹانگ کو گھسیٹ رہا تھا۔ اس سے شکاریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ ان کی بندوقوں کے منہ شیر کی طرف تھے۔ لمحہ بھر کے لئے شیر ٹھہر گیا اور مڑ کر ان کی طرف دیکھنے لگا اور پھر گولیوں کی بوچھاڑ میں ڈھیر ہو گیا۔

اس کے جسم کا معائنہ کرنے پر معلوم ہوا کہ داہنے کندھے کا ایک جوڑ ٹوٹ چکا تھا۔ جس کے باعث وہ ٹانگ کو گھسیٹ کر چلتا تھا تھا۔ وہ اس قدر کمزور اور دبلا ہو چکا تھا کہ یہ معلوم کرنا مشکل ہو گیا کہ کیا یہ وہی مردم خور تھا۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ ٹیل ہی کی گولی نے اسے آئندہ کے لئے انسان یا تیز رفتار جانوروں کے شکار کے ناقابل بنا دیا تھا۔ اس خوفناک مردم خور کا خاتمہ کرنے میں ٹیل ہی کا زیادہ دخل ہے۔

جنگل کی پراسرار دنیا میں جنم لینے والی

سندر بن کی لیلیٰ

طاؤس خان
کے قلم سے

☆ ایک ایسی شیرنی کی داستان جس نے اپنے جیون ساتھی کی موت کا بدلہ لینے کے لئے شکاری کے بیوی بچوں کو برغمال بنالیا۔

☆ سندر بن کے درندے اس خونخوار دلربا شیرنی کی ایک دھاڑ پر اسکی مدد پر دوڑے چلے آتے تھے۔

☆ شیرنی کے اندر کس کی طاغوتی طاقت تھی جو انسانی گوشت نہیں کھاتی مگر ہر نوچندی رات کو ایک نو جوان کو ہلاک کر کے اسکی لاش مندر کے سامنے پھینک جاتی تھی۔

شکاریات کے موضوع پر ایک عجیب و غریب داستان
خوبصورت سرورق، بہترین طباعت، سفید کاغذ

حق پبلیکیشنز

2- لے، سید پلازہ، چتر گڑھی روڈ، اردو بازار،

7220631



Courtesy: www.pdfbooksfree.pk